بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطباتِ مفکرِ اسلام

﴿حضرت مولانا سید ابوالحسنؒ علی ندوی﴾

(جلد پنجم)

جمع وترتیب

محمد کاظم ندوی

ملنے کا پتہ

مکتبہ ایوب کاکوری۔لکھنؤ

۲۲۷۱۰۷

ستمبر ۲۰۰۴ء

نام کتاب ——— خطباتِ مفکرِ اسلام پنجم

کمپیوٹر کمپوزنگ ——— مسرور احمد ندوی

طباعت ——— شاذیہ آفسٹ لکھنئو

قیمت ——— Rs

باہتمام

محمد کاظم ندوی

ملنے کے دیگر پتے

☆مکتبہ ندویہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنئو

☆مکتبہ الفرقان بکڈپو نظیر آباد لکھنئو

☆مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنئو

☆مکتبہ حرمین کچہری روڈ لکھنئو

☆مکتبہ البدر کاکوری لکھنئو

☆مکتبہ نعیمیہ دیو بند ضلع سہا رنپور

☆دار الاشاعت اسلامیہ مولانا شوکت علی روڈ کلکتہ

☆دانش محل امین آباد لکھنئو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

☆☆☆☆

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

دار القلم، ایک تصنیفی واشاعتی ادارہ ہے، جسکے قیام اور تاسیس کا مقصد ہی ہند و بیرون ہند کے مقتدر مصنفین و مولفین اور مترجمین کی گراں قدر کتابوں کی نشر واشاعت ہے۔

دار القلم، نے اب تک چھوٹی بڑی متعدد کتابیں شائع کر کے اہل علم اور مطالعہ کے شائقین کو قیمتی، مفید اور کار آمد مواد فراہم کیا ہے۔

دار القلم، کے وسائل بہت محدود ہیں، اور اس کے خدام کا مطمحِ نظر بہت بلند ہے، بظاہر دونوں میں تضاد نظر آتا ہے، پھر بھی خدام ادارہ اللہ کی رحمت سے مایوس اور ناامید نہیں ہیں، وہ اس فکر میں ہیں کہ یہ ادارہ اپنے وسائل بڑھائے اور دین حنیف کی خدمت میں بہترین رول ادا کرے۔

دار القلم، اپنے اغراض ومقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہچانے کے لئے اپنے محسنین اور کرم فرماؤں کے حسن سلوک اور مدد و تعاون کا منتظر ہے۔

دار القلم، نے اس سے پہلے "**خطباتِ مفکرِ اسلام**" کی چار

ضخیم جلدیں اور "**مقالاتِ مفکرِ اسلام**" کی دو ضخیم جلدیں قارئین کی خدمت میں پیش کر کے پسندیدگی کی سند حاصل کی ہے۔ اس وقت خطبات ہی کی پانچویں جلد اس توقع اور امید پر پیش کی جارہی ہے کہ قارئین اس جلد کو بھی پسندیدگی کی نظروں سے دیکھیں گے۔

دارالقلم، نے علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور زمانہ کتاب "**خطباتِ مدراس**" کا نیا و معیاری ایڈیشن شائع کر کے قارئین وناظرین کی توجہات کو اپنی جانب مبذول کرالیا ہے۔

اے اللہ! "**خطباتِ مفکرِ اسلام**" کی اس جلد (پنجم) کو بھی قبولیت کی دولت سے مالامال فرما اور صاحب خطبات حضرت "**مفکر اسلام**" رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند سے بلند تر فرما۔ آمین!

مورخہ — والسلام

۱۷/ اگست ۲۰۰۲ء — **محمد عاصم**

مطابق — منیجر

۷/ جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ — **دارالقلم ڈھاکہ**

☆☆☆☆☆

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

اللہ رب العزت کا فضل اور اس کا احسان و شکر ہے کہ اس نے اس ناچیز مؤلف کو استاذ الاساتذہ، میر کارواں، مفکر اسلام حضرت مولانا "**سید ابو الحسن علی میاں ندوی**" رحمۃ اللہ علیہ کے "**خطبات**" و "**مقالات**" کو جمع و ترتیب دیکر اسے شائع کرنے کی توفیق و سعادت کی دولت سے مالامال کیا۔

اس سے قبل مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ کے "**خطبات**" کی چار ضخیم جلدیں اور "**مقالات**" کی دو ضخیم جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں، اس وقت "**خطبات**" کی پانچویں جلد قارئین و ناظرین اور علم دوست احباب کی خدمت عالی میں اس امید پر پیش کی جارہی ہے کہ وہ حضرات سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد کا بھی مطالعہ کر کے اس سے استفادہ کریں گے۔

جہاں تک کتاب کے نفس مضمون کا تعلق ہے، وہ تو عیاں اور بیاں ہے ہی، اس سلسلہ میں کچھ عرض کرنے کی نہ تو جسارت ہے اور نہ ہمت، اور نہ ہی اس کی حاجت ہے اور نہ ضرورت، خدا کرے یہ سلسلہ مزید قبولیت حاصل کرے، اور اس کا دائرہ اور حلقہ وسیع سے وسیع تر ہو۔

اس خدمت کے قدر داں احباب کا شکر گزار ہوں، کہ انہوں نے اس سلسلہ کو پسند کیا۔ اور تہنیت و مبارکباد کے خطوط لکھے، اور اس خدمت کو ایک "**اضافہ**" تصور فرمایا۔

مسرت و خوشی اس پر ہے کہ خطبات کی یہ جلدیں چھپ کر منظر عام پر آتی رہیں، احباب اور علم دوست ساتھی اس کو دیکھتے اور خوش ہوتے رہیں ہے، اور گاہے گاہے مجھے بھی اپنی خوشی میں شریک کرتے رہیں۔ مگر دکھ اور افسوس اس کا ہے کہ خود حضرت "**مفکر اسلام**"ؒ اس کارگہِ عالم میں موجود ہوتے، اور "**خطبات**" و "**مقالات**" کی جلدوں کو اپنی نظروں سے دیکھتے تو انتہائی مسرت و خوشی کا اظہار فرماتے، اور اس ناچیز مؤلف کو اپنی بے بہا دعاؤں سے نوازتے، پھر بھی جانشین مفکر اسلام اور وارثینِ مفکر اسلامؒ سے پُر امید ہوں کہ وہ میری اس کاوش کو سراہیں گے، خوش ہوں گے، اور اپنی دعاؤں کی سوغات سے مجھے نوازیں گے۔

اخیر میں ناظرین و قارئین کی خدمت سامی میں عرض ہے کہ اپنی دعائے صالحہ میں ناچیز مؤلف کو یاد فرمائیں گے۔ اور میر کارواں، مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ایصال ثواب کے لئے ہر ممکن جتن کریں گے۔

۵/جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ
مطابق
۱۵/اگست ۲۰۰۱ء

والسلام
محمد کاظم ندوی
استاذ دارالعلوم فاروقیہ کاکوری، لکھنئو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمان کا مقام اور پیغام

تو ہُما کا ہے شکاری ابھی ابتدا ہے تیری

یہ تقریر حضرت مفکر اسلام کے اس خطبہ جمعہ کا ترجمہ ہے، جو اقوام متحدہ (UNITED NATION) (نیویارک) کی عظیم عمارت کے ایک ہال میں ۳ جون ۱۹۷۷ء کو دیا گیا، جہاں مسلم و عرب ممالک کے دفاتر میں کام کرنے والے نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، نماز میں شریک ہونے والوں میں عربوں کی تعداد غالب تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمان کا مقام اور پیغام

تو ہُما کا ہے شکاری ابھی ابتدا ہے تیری

خطبہ مسنونہ کے بعد۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

وَلَاتَهِنُوا وَلَاتَحْزَنُوا وَانْتُمُ الأعْلَوْنَ إن كُنْتُمْ مُّؤمِنِينَ ۔اور تم ہمت مت ہارو، اور رنج مت کر، غالب تمہیں رہو گے اگر تم پورے مومن رہے،

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب اسلام دور طفولیت میں تھا، اسوقت تک کوئی اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، اسلام جزیرۃ العرب اور عربوں ہی میں محدود و محصور تھا، عرب نہایت عسرت و تنگی اور فقر و فاقہ کی زندگی گذار رہے تھے، ان کا کھانا عام طور پر کھجور، اونٹ کا گوشت اور جو کی روٹی تھا، لباس موٹا جھوٹا اور کھر درا، مکانات خام اور مٹی کے تھے، یا ادنیٰ خیمہ کی شکل میں، ان کا حال زار موسم سرما کی شب باراں میں بھیگی اور ٹھنڈک سے ٹھٹھری اور سمٹی ہوئی بکریوں کے گلہ کا سا تھا، جس کو جان کے لالے پڑے ہوتے ہیں، عربوں کی اس زبوں حالی کی صحیح اور سچی تصویر کشی قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی اور نہیں کر سکتا، آپ قرآن کے یہ الفاظ

پڑھئے اور عربوں کی بیچارگی وبے کسی کا عالم دیکھئے، قرآن کے الفاظ ہیں۔واذکروا اِذاَنتمَ قَلیل مُستَضعَفونَ فِی الاَرضِ تَخافُونَ اَن یتَخَطّفَکُم النّاسُ. اور تم اس حالت کو یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، زمین مین کمزور شمار کئے جاتے تھے اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو لوگ نوچ کھسوٹ لیں۔

عربوں کا تو یہ حال تھا کہ، اور ان کے برعکس روم وفارس دنیا کے حاکم وفرمانروا تھے، وہ تہذیب وتمدن کے بام عروج پر تھے، پوری دنیائے انسانیت ان کے زیر اثر وتابع فرمان تھی، ان دو بڑی طاقتوں نے مشرق ومغرب کو باہم بانٹ رکھا تھا، مشرق اہل ایران کے زیر فرمان تھا، اور مغرب رومیوں کے، یہ زندگی کے مزے اڑارہے تھے، دنیا کا دامن ان کے لئے وسیع وکشادہ تھا، ضروریات زندگی کی فراوانی تھی، رزق کے دہانے کھلے ہوئے تھے، کائنات ان کے لئے جودوسخا کا مینہ برسارہی تھی، ممالک واقوام انکے زیر فرمان تھے، اور انھیں چشم وابرو کے اشارے پر چل رہے تھے، ان کا ہاتھ مٹی کو لگ جاتا تھا تو سونا بن جاتی تھی، مشرق ومغرب پر انھیں کا پرچم لہرارہا تھا۔

اس تیرہ وتاریک فضا میں، یاس وناامیدی کے اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں جہاں ہاتھ کو ہاتھ نہ بجھائی دیتا تھا، آس اور امید کی کوئی ہلکی سی کرن بھی نظر نہیں آرہی تھی، قرآن مجید طاقت کی متوالی ان دونوں حکومتوں کو چیلنج کرتا ہے، اور لٹے پٹے عرب مسلمانوں میں اعتماد وافتخار کی روح پھونکتا ہے اور کہتا ہے۔ولاتھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین . اور ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو، غالب تم ہی رہوگے اگر تم پورے مومن رہے۔

قرآن نے قریش مکہ کو چیلنج کیا، روم وفارس کے امپائر کو چیلنج کیا، پھر اس

مٹھی بھر جماعت مسلمہ کے قائد ورہبر نبی مرسل محمد ﷺ کی تسکین و تسلی کے لئے سورہ یوسف نازل ہوئی قرآن مجید نے اعلان کیا۔لقد کان فی یوسف واخوته ایات للسائلین ۔وہ جو پوچھتے ہیں، ان کے لئے نشانیاں ہیں، یوسف اور ان کے بھائیوں (کے قصے) میں۔

اس سورہ کو ان الفاظ پر ختم فرمایا۔

حَتیٰ اِذَا اسۡتَیۡئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوۡا اَنَّهُمۡ قَدۡ كُذِبُوۡا جَاءَهُمۡ نَصۡرُنَا فَنُجِّیَ مَنۡ نَّشَاءُ وَلَا یُرَدُّ بَاۡسُنَا عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ لَقَدۡ كَانَ فِیۡ قَصَصِهِمۡ عِبۡرَةٌ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ مَاكَانَ حَدِیۡثًا یُّفۡتَرٰی وَلٰكِنۡ تَصۡدِیۡقَ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡهِ وَتَفۡصِیۡلَ كُلِّ شَیۡءٍ وَّهُدًی وَّ رَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ۔یہاں تک کہ پیغمبر ناامید ہوگئے اور ان کو گمان غالب ہوگیا کہ ہماری فہم نے غلطی کی، ان کو ہماری مدد پہونچی پھر ہم نے جس کو چاہا بچالیا گیا اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے نہیں ٹلتا، ان کے قصوں میں سمجھدار لوگوں کے لئے عبرت ہے یہ قرآن کوئی تراشی ہوئی بات تو ہے نہیں بلکہ اس سے پہلے جو آسمانی کتابیں آچکی ہیں، یہ ان کی تصدیق کرنے والا ہے اور ہر ضروری بات کی تفصیل کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لئے ذریعۂ ہدایت ورحمت ہے۔

اسی طرح سورۂ قصص کی یہ آواز دنیا کی فضاؤں میں گونجی، اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کو ظلم وجور اور خوف وہراس کی تاریک فضا میں نازل فرمایا۔طسم تِلۡكَ اٰیٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ نَتۡلُوۡا عَلَیۡكَ مِنۡ نَّبَاِ مُوۡسٰی وَفِرۡعَوۡنَ بِالۡحَقِّ لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَجَعَلَ اَهۡلَهَا شِیَعًا یَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً مِّنۡهُمۡ یُذَبِّحُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَیَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَهُمۡ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ وَنُرِیۡدُ اَنۡ

نَمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوا فِی الارضِ وَنَجْعَلَھُم ائمۃً نَجْعَلَھُم الوَارِثِیْنَ وَنُمَکِّنَ لَھُمْ فِی الاَرضِ وَنُرِیَ فِرعَونَ وَھَامَانَ وَ جُنُودَ ھُمَا مِنھُم مَا کَانُوا یَحذَرُونَ، طٰسم ، یہ کتاب واضح کی آیتیں ہیں، ہم آپ کو موسیٰؑ اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک سناتے ہیں، ان لوگوں کے جو ایمان رکھتے ہیں، فرعون سرزمین (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا، اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسموں میں بانٹ رکھا تھا، ان میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا رکھا تھا، اسطرح سے کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کراتا تھا، اوران کو عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا، واقعی وہ بڑا مفسد تھا، اور ہمکو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زور گھٹایا جارہا تھا ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ان کو مالک بنائیں اور ان کو زمین میں حکومت دیں، اور فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین کو ان کی جانب سے وہ واقعات دکھلائیں جس سے وہ بچاؤ کر رہے تھے۔

ایسے پرخطر و نازک حالات میں کیسے خیر کی امید ہو سکتی تھی، کس کا دل و جگر تھا، جو پیشین گوئی کرتا کہ مسلمانوں کی یہ کمزور و بے حقیقت جماعت، ظلم و جور کی ماری ہوئی ہر قسم کے وسائل سے خالی اور تہی دست جماعت، افق تاریخ پر ابھرے گی، کیا دنیا کا بڑے سے بڑا شخص خواہ کتنی ہی دور میں نگاہ اور فراست رکھتا ہو، اور کتنا ہی جری اور عقابی صلاحیتوں سے مالا مال ہو، مسلمانوں کی اس مٹھی بھر کمزور و بے حیثیت جماعت کے بارے میں پیشین گوئی کر سکتا تھا اور کہہ سکتا تھا کہ

"وَلَا تَھِنُوا وَلَا تَحزَنُوا وَاَنتُمُ الاَعلَونَ اِنْ کُنتُم مُؤمِنِین"

لیکن اس اعتماد و یقین نے عربوں کے سینے کو جرأت و حوصلہ اور جوش و ولولہ سے بھر دیا تھا، اور انھیں ایسی عقابی روح عطا کی تھی کہ وہ ان بڑی بڑی

طاقتوں کو سجی سجائی بے جان گڑیوں کی طرح دیکھ رہے تھے، یہ طاقتیں ان کو کرم خوردہ ستون اور بے جان ڈھانچے معلوم ہو رہی تھیں، قرآن کریم ان بے روح حکومتوں کی بالکل سچی تصویر کشی کرتا ہے، اور قرآن سے بڑھ کر صحیح تصویر کشی کون کر سکتا ہے؟ ذرا قرآن مجید کے یہ الفاظ پڑھئے۔

وَاِذَا رَاَیْتَھُم تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ وَاِنْ یَقُوْلُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِھِم کَاَنَّھُم خُشُبٌ مُسَنَّدَۃٌ، اور جب آپ انھیں دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کریں تو آپ ان کی باتیں غور سے سننے لگیں (لیکن حقیقت یہ ہے کہ) گویا یہ لکڑیاں ہیں جو دیوار کے سہارے کھڑی ہیں۔

یہی کمزور و بے مایہ عرب جب دولتِ ایمان و یقین کو سینے سے لگا کر اس پر فخر و ناز کرتے ہوئے جزیرۃ العرب سے باہر نکلے تو یہ بڑی بڑی طاقتیں ان کو ہیچ نظر آئیں اور انھیں تہہ و بالا کر کے رکھدیا اقبالؔ کے الفاظ میں۔

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا   سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دل کو   عجب چیز ہے لذت آشنائی

اسباب و علل کے پیمانے سے ناپا جائے تو عرب اور پوری انسانی برادری شیر کے منہ میں تھی، بلکہ شیر کے دو جبڑوں کے درمیان تھی، یہ عرب نکلے تو ایک دوسری طاقت لے کر نکلے، خارق عادت طاقت، آسمانی اور خدائی طاقت، وہ اب تمام قوموں سے نرالے اور عام بنی آدم اور انسانوں سے جداگانہ جذبہ و حوصلہ کے مالک تھے، وہ کمزور و تہی دست ضرور تھے، کسی خطۂ زمین پر ان کی حکومت تھی، نہ اقتدار، لیکن جب وہ مئے وحدت سے مست و سرشار ہو کر نکلے اور ان پر کبھی نہ مٹنے والی آسمانی حقیقتیں منکشف ہوئی، اور انسان، انسان کا فرق واضح ہوا، کفر و ایمان کی حقیقت

کھلی، صورت وحقیقت کا بعد المشرقین فرق معلوم ہوا، جب ان کو آبِ حیات اور سراب صحرا کی حقیقت کا علم ہوا جب ان کی آنکھوں کے سامنے سے ظاہر وباطن کے فرق کا پردہ ہٹا، اوپری پالش ورنگ آمیزی اور اندرونی حقیقت کا فرق معلوم ہوا، جب اللہ تعالیٰ نے انھیں ایمان کا نور اور بصیرت عطا کی تو وہ کائنات کی اشیاء کو ان کی حقیقت کے جامہ میں دیکھنے لگے، وہ انسانی حقیقت کو پاگئے، انسان کی حقیقت کیا ہے؟ انسان کی حقیقت یہ نہیں کہ وہ کھائے پیئے اور داد عیش دے، انسان کی حقیقت "لَقَدْ خَلَقْنَا الاِنْسَانَ فِی اَحْسَنِ تَقْوِیْم" ہے، جب انھوں نے اس انسانی حقیقت کو پالیا، اور ان پر دنیا وماوراء دنیا کی حقیقت آشکار ہوئی، تو دنیا کے جھوٹے مظاہر انھیں حقیر ولاشئی معلوم ہونے لگے اور شیر کی کھال پہننے والا گدھا اپنے اصلی روپ میں نظر آنے لگا، قیصر وکسریٰ پنجڑے کے اندر چہچہانے اور گانے والے پرند کی طرح دکھائی دینے لگے، پنجڑا بہت خوب، اس کی تیلیاں سونے کی اس کا بالائی وزیریں حصہ بھی سونے کا، کھانے پینے کے برتن بھی سونے کے، مگر پنجڑا تو بہر حال پنجڑا ہے، سونے ہی کا سہی، وسیع فراخ ہی سہی، چاہے اس میں گھنے گھنے باغات اور جھیل وتالاب ہی کیوں نہ ہوں، اس میں اونچی اونچی فلک بوس عمارتیں ہی کیوں نہ ہوں، مگر ہے تو وہ قید خانہ ہی، یہ عرب اب ان لوگوں کو جن کے سروں پر تاج زریں تھا، ان لوگوں کو جو وزیر وگورنر کہلاتے تھے، جنرل اور سپہ سالار کہلاتے تھے، فلسفی وماہر معقولات کہلاتے تھے، شہزادے وولی عہد کہلاتے تھے، اس نظر سے دیکھا، جس نظر سے ڈراموں کے "جوکر" دیکھے جاتے ہیں، وہ انھیں بالکل بلوں کی طرح نظر آرہے تھے۔

انھوں نے محسوس کیا کہ ان کے دل بجھے ہوئے، روحیں پژمردہ اور عقل

وخرد از کار رفتہ ہیں، وہ اپنی اس کمزوری کو جاہ وثروت سے چھپاتے ہیں، لوگوں کی جی حضوری اور مصنوعی استقبال سے چھپاتے ہیں، انھوں نے محسوس کیا کہ یہ قوت وارادہ سے محروم خالی انسانی صورتیں ہیں، جو نہ خود سے چلتی ہیں، نہ خود سے کھاتی ہیں، اور نہ ان کے سامنے کوئی اونچا مقصد ہے، ان کا چلنا پھرنا صرف جذبے سے نہیں، انسانوں سے ان کا تعلق محض اپنی خواہشات کی تکمیل اور ہوا وہوس کی پیاس بجھانے کے لئے ہے، سروں پر تاج ضرور ہیں مگر ذہن رسا نہیں، جسموں پر بہترین لباس ضرور ہیں، مگر جسم لاغر وندھال ہیں، پالش کئے ہوئے برتن ہیں مگر اندر سے خالی ہیں۔

یہ عرب جب دنیا کو فتح کرنے کے لئے نکلے ہیں، بلکہ انسانیت کا نجات دہندہ بن کر نکلے اس مقصد سے نکلے کہ انسانیت کو وحشت وبربریت کے چنگل سے چھڑائیں اور انسانیت کو اس ظلم وجور سے نجات دلائیں جو صدیوں سے جاری تھا، تب ان پر وہ حقیقت کھلی جو اوپر بیان ہوئی، وہ جب لوگوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر خدائے واحد کی عبادت واطاعت کی طرف بلانے کے لئے نکلے، دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی وسعت کی طرف لانے کی غرض سے نکلے، ادیان ومذاہب کے ظلم وجور سے نکال کر اسلامی عدل وانصاف کی طرف بلانے کے مقصد سے نکلے، تو یہ بے روح جاہ وجلال ان کو ہیچ نظر آئے، بڑی بڑی حکومتیں ان کو کٹھ پتلی کا کھیل معلوم ہوئیں ان کے جھنڈوں کو سرنگوں کرنا بچوں کا کھیل معلوم ہوا، آسمان سے باتیں کرنے والی فلک بوس عمارتیں ان کو خس وخاشاک کا ایک تو دہ معلوم ہوتیں، بڑے بڑے لشکر ان کو بھیڑ بکری کا گلہ معلوم ہوتے، انھوں نے ان کو غیر عاقل اور بے شعور جانور سمجھا جس میں نہ رحم وکرم کا مادہ ہے، نہ لطف ومہربانی کا جذبہ، وہ

انھیں انسانوں کی شکل میں بھیڑیئے اور درندے نظر آئے۔

قرآن پاک اُن اَن پڑھ عربوں کو قافلۂ حیات سے بچھڑے ہوئے عربوں کو، تہذیب و تمدن سے ناآشنا عربوں کو، قوت و طاقت اور حوصلہ سے بھر دیا، انھوں نے ان کے سر اور خالی دلوں کو اس نعمت عظمیٰ پر فخر و ناز، خود اعتمادی و خود شناسی اور رفعت و بلندی کے نئے ”سیل“ اور نئے مسالہ سے بھر دیا، اس نے ان کو اشیاء کے خواص و اثرات کو جاننے کا ملکہ عطا کیا، وہ ان ساری توانائیوں سے مالا مال ہو کر نکلے اور سارے عالم کو زیر کر لیا، اس لئے نہیں کہ وہ اسکے مالک بن جائیں، نہ اس لئے کہ اس پر حکومت و فرمانروائی کریں، جیسا کہ ان قوموں نے کیا تھا، بلکہ وہ اس لئے نکلے تھے کہ گم کردہ راہ اور دردر کی ٹھوکر کھاتی ہوئی انسانیت کو خدائے واحد کے سامنے جھکائیں اور اسے اسلام کے عدل و انصاف کے سائے میں لائیں۔

حضرات! اس وقت ہم اقوام متحدہ کے مرکز میں ہیں، آج جب کہ ہم متعدد حکومتوں کی نمائندگی کر رہے ہیں، اس فخر و اعتماد کے زیادہ مستحق ہیں، جو ان عربوں کو حاصل تھا ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ ہم کو اس آسمانی آواز میں مخاطب کیا جائے، جس سے وہ مخاطب کئے گئے تھے، ”**ولا تھِنُوا ولا تحزنو ا وانتم الاعلون إن کنتم مومنین** “جس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، اس وقت عربوں کی کوئی حکومت نہیں تھی خود جزیرۃ العرب میں ان کی کوئی حکومت نہیں تھی، اسلام کو وجود میں آئے ہوئے دس سال سے زائد ہو چکے تھے، اور وہ ابھی طفل شیر خوار کی طرح دھیرے دھیرے چل رہا تھا، اور ہاتھ پاؤں مار رہا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے عربوں کو اس کا اہل دیکھا کہ وہ ان الفاظ سے مخاطب کئے جائیں، تو کیا ہم اس

خدائی فرمان کے مخاطب بننے کے اہل نہیں جب کہ ہم چالیس ملکوں کی نمائندگی کر رہے ہیں، اور اس وقت ہمارے کثیر التعداد جھنڈے اقوام متحدہ کی عمارت پر یہاں لہرا رہے ہیں، اگر چہ ہم موجودہ عہد کی ایٹمی قوت و شوکت کے مالک نہیں، ہم جدید ترقیات اور علم و تمدن کے میدان میں کوتاہی کا شکار ہیں، اپنی سستی و کاہلی اور باہمی نااتفاقی و انتشار، اور اسلامی تعلیمات کو حقیر سمجھنے اور نعمت اسلام کی ناقدری کے سبب ان حکومتون کے معیار پر نہیں ہیں، تاہم دور اول کے عربوں سے زیادہ اچھی حالت میں ہیں، جن کی ایک حکومت بھی نہ تھی، تو کیا ہم اس آیت کا مخاطب بننے کے لائق نہیں کہ "ولا تَهِنُوا ولا تحزنو ا وانتم الاعلون إن كنتم مومنين " یہ ایمان ہی مومن کی قیمت ہے، ایمان ہی ٹارچ کی اصل قیمت ہے اگر سیلز نہ ہوں تو ٹارچ کی کوئی قیمت نہیں، یہ ایمان ہی وہ پاسنگ ہے کہ اس کو ترازو کے جس پلڑے میں رکھدیا جائے وہ جھک جاتا ہے، یہ وہی پاسنگ ہے، جس کو رسول اللہؐ نے غزوۂ بدر کے موقع پر ان مبارک الفاظ میں رکھا تھا۔

اللهم إن تهلك هذه العصابة من اهل الاسلام لا تعبد ،اے اللہ !اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو مٹادے گا تو قیامت تک روئے زمین پر تیری عبادت نہ ہو گی

حضور ﷺ سمجھ گئے کہ اس وقت رجوع و انابت کی ضرورت ہے ،آپ کی ذات گرامی وہ ذات ہے ،جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم عطا فرمائی تھی ، حقیقت حال کو ٹھیک ٹھیک پیش کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی تھی ،اگر فیصلہ قوت طاقت یا کثرت تعداد پر ہوتا تو اسلام و مسلمانوں کا کوئی مستقبل نہ ہوتا ،اور روئے زمین پر اس کا وجود بھی نہ ہوتا ،اہل بدر کل تین سو تیرہ تھے ،ان کے مدِ مقابل ہتھیار سے

لیس ایک ہزار کا جم غفیر تھا، مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کفار کے اس لشکر جرار پر کیسے فتحیاب ہو سکتی تھی، اس نازک گھڑی میں حضور ﷺ نے دعا و تضرع کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کیا، اور بارگاہ ایزدی میں ان الفاظ کے ساتھ دعا التجا کی

"اللهم إن تهلك هذه العصابة لن تعبد"

مسلمانو! ہمارا منصب اور ہماری قیمت یہ ہے، ان اسلامی ملکوں اور حکومتوں کی اہمیت و قیمت یہ ہے، یہ اسلامی ممالک اور مسلمان قومیں جو اس وقت دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں، اور اپنا ایک وزن رکھتی ہیں، اقوام متحدہ تک میں وزن و قیمت رکھتی ہیں، آج اگر یہ قومیں جن کی نمائندگی کا ہمیں اس وقت شرف حاصل ہے، اس عمیق، تابناک، اور طاقت ور ایمان کی حامل ہوتیں جو انسانی احساسات پر چھا جاتا، اور اس کے رگ و ریشہ میں سما جاتا ہے، تو آج بھی مسلمان معزز ہوتا، اس کا ایک مقام اور پوزیشن ہوتی۔

اگر ہم ایمان سے اس طرح خالی ہو گئے جس طرح وہ قومیں اور حکومتیں ایمان سے خالی ہو گئیں جو کبھی کسی زمانہ میں ان حقائق پر ایمان لائی تھیں، لیکن پھر مرور زمانہ سے اس سے اس طرح کھوکھلی ہو گئیں جیسے سڑی گلی ہڈیاں اور ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہوتی ہیں۔

دوستو اور بھائیو! ہمیں اس سے ہوشیار و محتاط رہنا چاہئے کہ ہم دوسروں کا سہارا لیں، مانگے کی قوت سے اپنے وجود کو باقی رکھیں، یا ہمارا نام تو خوب روشن ہو، مردم شماری میں تو ہماری تعداد بہت ہو مگر خدا کی میزان میں ہمارا کوئی وزن نہ ہو، جو دنیا و آخرت دونوں جہان کی حقیقی ترازو ہے، بارگاہ خداوندی میں اور خدائی میزان میں ہمارا وزن اسی وقت ہو سکتا ہے، جب ہم صحیح معنی میں صاحب ایمان ہوں جب

ہمارے سینوں میں ایمان ویقین کی چنگاری ہو، ہم اسلامی پیغام کے نہ صرف حامل ہوں بلکہ ہمیں اس پر فخر وناز ہو، ہمیں یہاں امریکہ میں بھی، اس زبردست سلطنت میں بھی مغرب کے اس قلب میں بھی اپنے ایمان واسلام پر فخر وناز ہو، ہم ڈنکے کی چوٹ پر کہیں کہ ہم مسلمان ہیں ہمیں انبیاء علیھم السلام پر فخر ہے، ہم مستقل بالذات اور صاحب پیغام قوم ہیں، طفیلی نہیں ہیں، ہماری مستقل تہذیب ہے، ہماری مستقل ثقافت ہے، اس میں ہم پیوند نہیں لگاتے، ہمیں اللہ نے سب سے بڑی نعمت عطا فرمائی ہے، وہ ہے اسلام کی نعمت خود شناسی وخدا شناسی کی نعمت۔

بھائیو! جب ہمیں اسلام پر فخر وناز ہوگا، اسلام ہمارا اور ہم اسلام کے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارا معین ومددگار ہوگا، اور ہمارا محافظ ونگہبان ہوگا، اللہ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے، اور اس کا وعدہ جھوٹا نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

إن تنصروا الله ينصر كم ويثبت اقدامكم .اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کریگا اور تمہارے قدم جمادے گا۔

لیکن اگر ہم صرف نام کے مسلمان رہے، اور حقیقت اسلام ہم میں نہ پائی گئی تو پھر ہم امیر شکیب ارسلان کے اس جملہ کا مصداق بنیں گے، جو انھوں نے پرانی لیگ آف نیشنز پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے کسی مضمون میں لکھا تھا کہ ”جمیعۃ اقوام (LEAGUE OF NATIONS) فنِ عروض کی بحر کی طرح محض نام کی بحر ہے جس میں پانی کا نام ونشان نہیں“ اگر ہم بے پانی کا سمندر رہے تو ہم پر ہزار حیف، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں کسی مدد کی امید نہیں رکھنی چاہیے، بارگاہ خداوندی میں تو ایمان ہی کا وزن ہوتا ہے، ایمان ہی کی قدر اور ایمان ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ پھر سے اسلامی قدروں کو سینے سے لگانے کی توفیق عطا فرمائے ، ہم اس کی طرف جھکیں اور اس کے ماسوا سے نہ ڈریں، ہم اس کے دین کے وفادار بنیں اس کے پیغام پر فخر وناز کریں، ہم اپنی زندگی کو اسلام سے جوڑ دیں، پیغام اسلام سے جوڑ دیں، ایمان سے جوڑ دیں، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس دولت سے سرفراز فرمائے، اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين .

☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆

حج کے چند مشاہدات واحساسات

مفکر اسلام حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مایۂ ناز تقریر جو انہوں نے سفر حج سے واپسی پر ۱۹؍ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۸؍ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو دار العلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ، طلبہ اور شہر کے بعض اہم وممتاز حضرات کی موجودگی میں کی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حج کے چند مشاہدات واحساسات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ

اس سال تقریباً چار سال کے بعد مجھے حج کی سعادت حاصل ہوئی، وہاں کی دعوتوں، اہم اجلاس، اور وسائل سفر کی موجودگی میں مختلف عوارض اور دینی مصروفیتوں اور ذمہ داریوں کی بناء پر حج کی سعادت حاصل کرنے کی نوبت نہیں آتی تھی، اس سال مجھے حجاز مقدس میں ڈیڑھ مہینے حاضر رہنے کا موقع ملا، حج میں شرکت کی بھی سعادت حاصل ہوئی، اس اہم اور مبارک موقع پر جب عالم اسلام سمٹ کر سامنے آجاتا ہے، مسلمانوں کی ملی ودینی زندگی کے بعض ایسے پہلو سامنے آئے جن کی طرف ان سب لوگوں کی فوری توجہ کرنے کی ضرورت ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کا صحیح علم وفہم عطا فرمایا ہے اور جو تبلیغ ودعوت اور اصلاح وتربیت کا فرض انجام دے سکتے ہیں۔

ہر زمانہ کی کچھ مخصوص بیماریاں ہوتی ہیں

ہر زمانہ کی کچھ مخصوص بیماریاں ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ جن لوگوں سے دین کا کام لیتا ہے، اور جو "**نفوسِ زکیہ**" کہلاتے ہیں، ان کے اندر اللہ تعالیٰ ان بیماریوں کے دور کرنے، یا اس فساد کا مقابلہ کرنے کا ایسا قوی داعیہ پیدا کر دیتا ہے،

جس کو وہ دبا نہیں سکتے اس کی بہت سی مثالیں ہیں، جن لوگوں نے میری کتاب "**تاریخ دعوت وعزیمت**" کا سلسلہ پڑھا ہے، یا تاریخ اسلام میں اصلاحی وتجدیدی تحریکوں پر ان کی وسیع دغائر نظر ہے ان کو اندازہ ہوگا کہ کسی زمانہ کا فتنہ شرک جلی تھا، کسی زمانہ کا بدعات، جاہلی رسوم، غیر قوموں کے عادات ورسوم کی تقلید اوران کے شعائر کا اختیار کرنا، کسی زمانہ کا فتنہ وحدۃالوجود کا غالی فلسفہ تھا، کسی زمانہ کا فتنہ "**وحدتِ ادیان**" کی گمراہ کن دعوت، کسی زمانہ کا فتنہ فلسفہ یونان، اور عقلیت سے حد سے بڑھی ہوئی مرعوبیت، اور اس کو معصوم عن الخطا سمجھنے کی حد تک پہونچی ہوئی عقیدت وفریفتگی، کسی زمانہ کا فتنہ باطنیت اور اسرار فروشی، مغزوپوست کی تقسیم، اور شریعت وفرائض واحکام کی تحقیر، اور ان کا استخفاف، یہ سب اپنی جگہ پر، اپنے وقت کے سنگین ترین فتنے تھے، اور بدقسمتی سے ان کے سائے عالم اسلام کے فکروعمل پر اب بھی کہیں کہیں موجود ہیں۔ بعض تو پورے طور پر موجود ہیں، جیسے شرکِ جلی، جس کے کھلے ہوئے مظاہر اب بھی بہت سی مسلمان آبادیوں میں نظر آتے ہیں۔ بدعات کی اب بھی بہت سے اسلامی معاشروں میں گرم بازاری ہے وحدتِ ادیان اور بعض ملحدانہ خیالات، ملحدانہ فلسفے، اور ملحدانہ عقائد کے اثرات بھی موجود ہیں اور وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہیں، عالم اسلام کے علمی وفکری مراکز اور امت کے نباضوں کو ان سے چوکنا رہنا چاہئے، اور حضرت عمروبن العاصؓ فاتح مصر کی اس وصیت پر عمل پیرا رہنا چاہئے جو انھوں نے مصر کے مسلمانوں کو کی تھی کہ:

"تم ہمیشہ اپنے کو محاذِ جنگ پر سمجھو اور یہ سمجھتے رہو کہ تم سرحد کی حفاظت پر مامور ہو۔" **انتم فی رباط دائم.**

حج عالم اسلام کے جائزہ کے لئے بہترین موقع

عالم اسلام کا اگر حقیقت پسندانہ، عمومی اور عالم گیر جائزہ لینا ہو، تو حج سے بہترین موقع نہیں۔ اگر کسی کو ان تبدیلیوں کو معلوم کرنا ہو جو عالم اسلام کی عملی، فکری اور اعتقادی سطح پر رونما ہوئیں، اور ان کمزوریوں سے واقف ہونا ہو، جن کے بہت سے اسلامی ممالک، اور مسلم معاشرے شکار ہوئے، تو حج کے موقع پر چلا جانا چاہئے، بشرطیکہ جانے والوں کی آنکھیں بھی کھلی ہوں، کان بھی کھلے ہوں، اور دماغ کے دروازے بھی بند نہ ہوں، وہ ایک جگہ سب کچھ پڑھ سکتا ہے، اور یہ دیکھ سکتا ہے کہ عالم اسلام کن چیزوں میں ترقی کر رہا ہے اور کس چیز میں تنزل کا شکار ہے، کس تناسب سے ترقی ہو رہی ہے، اور کس تناسب سے کمزوری یا بیماری بڑھ رہی ہے۔

عالم اسلام میں اس وقت کئی طرح کی کمزوریاں نفوذ کر چکی ہیں ہر طرح کی بے تربیتی کا عکس وہاں نظر آئے گا، بے شعوری، بد سلیقگی، بات کا نہ ماننا، نظام پر نہ چلنا، وحدت کی کمی، اجتماعیت کی کمی، دین کی بنیادی باتوں (مبادی) سے ناواقفیت، دین سے دوری، یہ ساری چیزیں آپ کو وہاں ملیں گی، اس کی ایک معمولی مثال ہے کہ میں نے مغرب کی نماز سے عشاء کی نماز تک (جس میں عام طور پر لوگ حرم شریف اور مسجد نبوی میں حاضر رہنا پسند کرتے ہیں) حرم شریف میں خانہ کعبہ کے بالکل نزدیک، مطاف سے قریب، لوگوں کو مسلسل دنیاوی باتیں اس طرح کرتے سنا جیسے کوئی ٹیپ ریکارڈ ہو، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی گاؤں کے چوپال میں بیٹھے ہوئے حقہ پیتے ہوئے چند احباب باتیں کر رہے ہیں، جیسے اس کا شعور ہی نہیں کہ ہم کہاں آئے ہیں؟ کن ارمانوں اور دعاؤں سے آئے ہیں؟ کہاں بیٹھے ہیں؟

اور یہ حاضری دوبارہ نصیب ہوگی یا نہیں ؟ خیال آتا تھا کہ اب حج وہی شخص کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے جذبہ کے ساتھ ذوق بھی دیا ہے، لیکن تجربہ اور مشاہدہ اس کے خلاف ہوا، کئی مرتبہ زبان پر آتے آتے رہ گیا کہ حاجی صاحب! کچھ تو شرم کیجئے، اللہ کا فضل ہے کہ آپ بیت اللہ شریف سے قریب ہیں، چند ہی گز کا فاصلہ ہے، کبھی کبھی تو طواف کا دائرہ وسیع ہوتے ہوتے ایسا قریب آجاتا تھا کہ ہم کو پیچھے ہٹ کر بیٹھنا پڑتا تھا، میں نے دیکھا کہ سانس لئے بغیر دنیا کی باتیں ہو رہی ہیں، ہم کس جہاز سے آئے، تم کس جہاز سے جاؤ گے ؟ تم نے کیا خریدا؟ تمھارا معلم کیسا ہے ؟ ہمارا معلم کیسا ہے؟ ہمارا معلم کیسا ہے ؟ مکان کیسا ملا ہے ؟ وغیرہ وغیرہ۔ پھر کہتے کہتے رک جاتا کہ معلوم نہیں کیا جواب ملے گا، کہیں زبان سے کوئی ویسا کلمہ نہ کہدیں کہ اور گنہگار ہوں۔

حکومت نے اپنی طرف سے انتظامات میں کوئی کمی نہیں کی، ایک راستہ آنے کا، ایک راستہ جانے کا مقرر ہے اور وہ وسیع اور کشادہ ہے، لیکن بد نظمی، بے ضابطگی، مسلمان کی بے حرمتی، خود غرضی ، اور نفسانیت کا کیا علاج ہے ؟ رمی جمرات میں کتنے آدمی کتنی عورتیں اور بوڑھے کچل کر جاں بحق ہوئے، نظافت کبھی اسلام کا شعار تھا، دنیا جانتی تھی کہ مسلمان صاف ستھرا رہتا ہے، نجاست سے دور رہتا ہے، اور اس سے اس کو کراہت ہوتی ہے، ان سب چیزوں میں برابر تنزل کا مشاہدہ ہو رہا ہے اور معلوم نہیں بات کس حد تک پہونچ گئی ہے۔؟

ادب واحترام تو کجا، فرائض میں بھی کوتاہی

یہ معاملہ تو حرم شریف کے ادب واحترام، اور وہاں کی حاضری کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا جو فضل وانعام ہوا ہے، اس کی قدر اور اس سے فائدہ اٹھانے کا

ہے، اور اس میں کوتاہی اور غفلت بے شک افسوس ناک بات اور تعجب خیز امر ہے، مگر اس سے زیادہ افسوس ناک اور حیرت انگیز معاملہ فرائض وارکان کا ہے، تقریباً ہر حج کے موقع پر (اور اس حج کے موقع پر بھی دیکھا) کہ نویں ذی الحجہ کو منیٰ سے عرفات روانگی کے موقع پر اجو علی الصباح ہوتی ہے) صبح صادق ہونے کا انتظار کئے بغیر فجر کی نماز کا وقت ہونے سے ایک گھنٹہ اور بعض اوقات اس سے بھی قبل فجر کی نماز وہ بھی جماعت کے ساتھ پڑھ کر مختلف ممالک کے حجاج عرفات کو روانہ ہو گئے، تاکہ سہولت کے ساتھ پہونچ سکیں، کتنا ہی سمجھایا گیا کہ ابھی فجر کا وقت نہیں ہوا، نماز نہیں ہوگی، مگر کون مانتا ہے، حکومت کی طرف سے انتظام ہے، کہ طلوع صبح صادق کا اعلان توپ کے ذریعہ ہوتا ہے، مگر کسی کو پروا نہیں، ایک مرتبہ خصوصی مہمانوں کے لئے حکومت کی طرف سے منیٰ میں ایک ڈیرہ لگایا گیا تھا میں بھی اپنے رفقاء کے ساتھ وہاں تھا، صبح صادق ابھی نہیں ہوئی تھی اس میں خاصا وقفہ تھا کہ حجاج نے اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ نماز پڑھنی شروع کر دی، ایک عرب عالم کو اس پر بڑا غصہ آیا، مجھ سے کہا کہ میں عربی میں اعلان کرتا ہوں کہ ابھی صبح صادق نہیں ہوئی، نماز فجر ادا نہیں ہوئی، تم اردو، انگریزی وغیرہ میں اعلان کردو۔ اعلان کیا گیا، مگر کسی نے سماعت نہیں کی، اور نماز پڑھ کر روانہ ہو گئے۔ یہی حال مزدلفہ سے منیٰ کی روانگی کے موقع پر ہوتا ہے، اس مرتبہ پھر یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ صبح صادق سے گھنٹے گھنٹے بھر پیشتر مختلف ملکوں کے لوگ نماز فجر (وہ بھی جماعت کے ساتھ) پڑھ کر منیٰ کی طرف چل پڑے، کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک رکن ادا کرنے آئے (جس میں سنن اور مستحبات تک کی رعایت کرنی چاہئے) اور اسلام کے رکن اعظم نماز کو اس طرح ضائع کیا کہ نیکی برباد گناہ لازم۔

مختلف اغراض کے لئے حج کرنے والوں کی کثرت اور اس کے مفاسد

دوسرا پہلو جو حج کے سلسلہ میں شدت کے ساتھ محتاج توجہ ہے، اور اس سلسلہ میں ایک عالمگیر کوشش، اور جدوجہد کرنے، اور ایک مستقل مہم چلانے کی ضرورت ہے، وہ نفلی حج ہی نہیں، مختلف اغراض ومقاصد کے لئے حج کرنے والوں کی کثرت ہے، جس نے فرض حج کرنے والوں اور حکومت دونوں کے لئے سخت دشواریاں اور ناقابل عبور مشکلات پیدا کردی ہیں، اور حج کے تقدس اور حرمت ہی کو نہیں، اس کی نیک نامی اور شہرت کو بھی سخت نقصان پہونچایا ہے، بلکہ اسلام کی شہرت وعزت کو داغ لگایا ہے، اور اسکو خویش اور اغیار کی نگاہ میں سخت بے وقعت اور مشکوک بنادیا ہے۔ ان دنیاوی اغراض کے علاوہ (جن کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں) نفلی حج کا معاملہ بھی قابل نظر ثانی، اور علماء اور اہل شعور کے لئے قابل غور اور قابل توجہ بن گیا ہے، وسائل سفر کی کثرت، دولت کی بہتات، سعودی عرب میں معیشت وحصول دولت کے ذرائع ومواقع کی فراوانی نے مسئلہ کو اور پیچیدہ بنادیا ہے۔

امام غزالیؒ نے اپنی زندۂ جاوید اور شہرۂ آفاق کتاب **"احیاء علوم الدین"** میں اس نفلی اور دنیاوی مقاصد سے بار بار حج کرنے کے رجحان پر (جو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ میں بھی پیدا ہو گیا تھا) بڑی حقیقت پسندانہ اور فقیہانہ تنقید کی ہے اور اس سلسلہ میں فقیہِ امت، صحابئ جلیل، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک حکیمانہ قول نقل کیا ہے، جس کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس زمانہ کو دیکھ کر فرمارہے ہیں۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں :۔۔۔

"ان دولت مندوں میں بہت سے لوگوں کو حج پر روپیہ صرف کرنے کا بڑا شوق ہوتا ہے، وہ بار بار حج کرتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو بھوکا چھوڑ دیتے ہیں اور حج کرنے چلے جاتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے صحیح فرمایا ہے کہ اخیر زمانہ میں بلا ضرورت حج کرنے والوں کی کثرت ہوگی، سفر ان کو بہت آسان معلوم ہوگا، روپیہ کی ان کے پاس کمی نہ ہوگی، وہ حج سے محروم و تہی دست واپس آئیں گے، وہ خود ریتوں اور چٹیل میدانوں کے درمیان سفر کرتے ہوں گے، اور ان کا ہمسایہ ان کے پہلو میں گرفتار بلا ہوگا، اس کے ساتھ کوئی سلوک اور غم خواری نہ کریں گے" (احیاء العلوم ج ۳ ص ۳۴۵)

عوام کی دینی وذہنی تربیت کی شدید ضرورت

یہ ایک پوری داستان ہے، بعض لوگوں نے بتایا کہ ایک غیر عرب مسلم ملک کے اخباروں میں چھپا ہے کہ آج سونے کا یہ نرخ ہے اور حاجیوں کے پہلے جہاز کے آنے کے بعد یہ نرخ ہو جائے گا۔ کسی کہنے والے نے سچ کہا کہ حج پر ڈاکہ ڈالا جارہا ہے اور حج کی مٹی پلید کی جارہی ہے۔ اس سے بھی گر کر بعض غیر اخلاقی مقاصد ومنافع کے لئے (جن کا نام بھی زبان پر لانا اچھا نہیں معلوم ہوتا) مستقل ایجنسیاں قائم ہیں۔ یہ ایک خاص موضوع ہے اور اس پر ایک خاص نظام کے ساتھ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی عوام میں دین کا کام کرنے، ان کی دینی

وذہنی تربیت کی کس قدر ضرورت ہے، یہ بھی یاد رہے کہ عوام میں دین کا رہنا اسلام کی بقا و حفاظت کے لئے آہنی حصار کا کام دیتا ہے۔اگر عوام میں دینی شعور، دینی حمیت اور دین سے محبت ختم ہوگئی، تو خواص کو (جن کے بڑے طبقے نے اپنی قسمت وقیمت اقتدار وکرسی سے وابستہ سمجھ رکھی ہے) کسی چیز کا خطرہ باقی نہیں رہے گا اور وہ کھیل کھیلیں گے، ''**سلطانی جمہور**'' کے اس دور میں ان کو خوفِ خدا نہیں، خوفِ عوام (جو خدا کے فضل سے ابھی اسلام سے وابستہ ہیں) اسلام کے خلاف کھلی محاذ آرائی اور اعتقادی ارتداد کی دعوت دینے سے روکے ہوئے ہے، جس دن یہ حصار ٹوٹا، اس دن یہ سیلاب سب کو بہا کر لے جائے گا

انبیاء نہ اپنی دعوت بدلتے ہیں نہ دعوت کی زبان

جہاں تک خواص اور تعلیم یافتہ طبقے، بلکہ اہل فکر واہل قلم کا تعلق ہے، اس کا سب سے بڑا ابتلا جس کی طرف بہت کم لوگوں کی نظر جاتی ہے (اور افسوس ہے کہ اہل نظر کی نظر بھی) وہ دین کو مادی طریقے سے سمجھنے اور سمجھانے کا انداز، اس کے مادی مقاصد اور فوائد پر زور، اور دین کو جدید سیاسی نظاموں کی اصطلاحات میں پیش کرنے کا رجحان ہے، یہ ایک ایسی نازک چیز ہے کہ اس کا ضرر بہت کم لوگوں کو محسوس ہوتا ہے۔عام طور سے کہا جاتا ہے کہ اگر کسی کے دل میں دین کی عظمت اسی راستہ سے بٹھادی جائے تو اس میں کیا خرابی ہے ؟ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ انبیاء علیھم السلام سے بڑھ کر کوئی حکیم، ان سے بڑھ کر اپنے زمانہ کی نفسیات کا سمجھنے والا، پھر اسی کے ساتھ اشاعت دین کا کوئی حریص نہیں ہوسکتا، قرآن مجید کی کتنی آیتیں ہیں جن میں ان کی اس فکرمندی، لوگوں کی ہدایت کی حرص اور ان کی موجودہ حالت پر، ان کی دردمندی اور دل سوزی کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔

سورۂ شعراء میں فرمایا گیا ہے :۔

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ اَلاَّ یَکُوْنُوا مُؤْمِنِیْنَ (آیت ۳)

(اے پیغمبر) شاید تم اس (رنج) سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے، اپنے تئیں ہلاک کردو گے

سورۂ فاطر میں آتا ہے :۔۔

فَلَاتَذْهَبْ نَفْسُکَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِمَا یَصْنَعُوْن (آیت ۸)

آپ ان پر افسوس کھا کھا کر ہلاک نہ ہو جائیں۔ اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

سورۂ توبہ میں فرماتا ہے :۔۔۔

لَقَدْ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنفُسِکُمْ عَزِیْزٌعَلَیهِ مَاعَنِتُّم حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَحِیْمٌ. (آیت ۱۲۸)

(لوگو!) تمھارے پاس تمہیں میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمھاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے، اور تمھاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

ایک طرف تو ان کو یہ فکر اور حرص ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان کی دعوت قبول کر کے جہنم سے نجات پائیں اور جنت کے مستحق بنیں، دوسری طرف ان کی وہ حکمت وبلاغت ہوتی ہے جس کی نظیر کسی طبقہ میں نہیں مل سکتی، اس کے باوجود انھوں نے اپنے مخاطبین کو کبھی کوئی ذہنی رشوت نہیں دی، انبیاء نہ اپنی دعوت کو بدلتے ہیں نہ دعوت کی زبان، اور نہ دعوت کی تفہیم کے طریقے کو بدلتے ہیں۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے الفاظ تک کا خیال کیا ہے جمعہ کا نام جاہلیت میں ''**العروبة**'' تھا، آنحضرت ﷺ نے اس کے استعمال کو منع فرمایا کہ

اس میں جاہلیت کی بو آتی ہے۔

اسلام کو بحیثیت ایک تحریک پیش کرنے کا سبب مغربی فلسفہ سے مرعوبیت

اسلام کو ایک نظام اور تحریک کے طور پر پیش کرنے، اس کے سیاسی، تنظیمی، تمدنی، فوائد بیان کرنے میں انہماک اور اسی پہلو پر زور دینے کے اسباب میں ان سیاسی حالات، نام نہاد مسلم حکومتوں کے رویے، اور ان کی ہر ایسی چیز سے وحشت اور خوف کو بھی دخل ہے جس میں سیاست کی بو بھی آتی ہے، اور جس سے کسی متوازی تنظیم یا قیادت کے ابھرنے کا وہم پیدا ہوتا ہے، اس کا دوسرا باعث ان مسلمان اہل قلم کی تحریریں، اور ان کی اسلام کی ترجمانی بھی ہے، جو مغربی فلسفوں ،سیاسیات، نظاموں کے مطالعہ اور وہاں کے تمدنوں و معاشرہ کی ناکامی کے مشاہدے اور تجربہ کی راہ سے اسلام کے مطالعہ اور ایمان و اعتقاد کی منزل تک پہنچے اور راس کی حقیقت نے ان کو اسلام کی صداقت اور عظمت کا قائل اور گرویدہ بنایا، عالم عربی میں خاص طور پر یہ بات کمزوری کی حد تک پہونچی ہوئی ہے۔

ان ملکوں کی صورت حال نے خواص اور دینی جماعتوں کے قائدین میں دین کی سیاسی تفہیم کا عمومی رجحان پیدا کر دیا ہے، وہ سمجھنے لگے ہیں کہ اس کے بغیر ہم نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو دین کی طرف متوجہ نہیں کر سکتے، اس کی عملی قدر و قیمت کا احساس نہیں کرا سکتے، اور ان میں نیا جذبہ اور حرکت نہیں پیدا کر سکتے۔ اس وقت وہاں ایک ایسی غیر اختیاری صورت پیدا ہو گئی ہے جو دین کی اصل روح کے لئے ایک ابتلاء ہے۔ "**فتنہ**" کی خاصیت یہ ہے کی وہ فتنہ نہ معلوم ہو، اس وقت کا فتنہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے عالم، بڑے سے بڑے مسلمان دانش ور، اور بڑے

سے بڑے مخلص دین کو اس انداز میں پیش کر رہے ہیں جس انداز میں انبیاء علیہم السلام نے پیش نہیں کیا۔

اس کی ایک مثال اور نمونہ حج ہے، بہت سے مسلمان اہل قلم اور دین کے داعی اور ترجمان کہنے لگے ہیں کہ حج ایک عالمی، بین الاقوامی، مؤتمر اسلامی (انٹر نیشنل اسلامی کانفرنس) ہے جس کا مقصد ملت کے مسائل پر تبادلہ خیال اور غور و فکر، اور ان کے حل کے وسائل تلاش کرنا ہے۔ میں سالہاسال سے دیکھ رہا ہوں کہ اس طرح بے محابا حج کو پیش کیا جاتا ہے، جب میں نے چار پانچ سال پہلے مسجد نمرہ میں عین عرفات کے خطبہ میں محترم خطیب صاحب کو یہ کہتے سنا کہ حج ایک "**مؤتمر اسلامی**" ہے، تو مجھے اندازہ ہوا کہ بات کہاں سے کہاں تک پہونچ چکی ہے اور اب مسلمان دانشوروں اور حج پر لکھنے والوں میں یہ عام ذہن بن چکا ہے۔

میرا اس سال منیٰ میں رابطۂ عالمِ اسلامی کی عمارت میں قیام تھا، جہاں رابطہ کے ارکان اور مختلف ممالک کے ممتاز ترین علماء اور حکومت کے بہت سے معزز مہمان ٹھہرے ہوئے تھے، مختلف ممالک کے حج کے وفود، اور امریکہ کے نو مسلم بلالی مسلمان بھی خاصی تعداد میں تھے، وہاں حج کے فوائد اور مناسک پر متعدد تقریریں ہوئیں، مگر کسی نے کوئی تقریر اس موضوع پر نہیں کی کہ حج کی روح کیا ہے اور اس کے اسرار و مقاصد اصلی کیا ہیں؟ اخیر میں مجھ سے فرمائش کی گئی کہ میں ان بلالی مسلمانوں کے سامنے حج کئے موضوع پر تقریر کروں وہ سب مشتاق ہیں۔ میں نے کہا کہ میں عربی میں تقریر کروں گا، اس موقع پر رابطہ کے ارکان، اور عالم اسلام کے چیدہ علماء اور معزز مہمان سب تشریف رکھتے ہوں تو بہتر ہے۔ اسی پر عمل ہوا۔ رابطہ کے جنرل سکریٹری (الامین العام) معالی الشیخ محمد دلی الحرکان بھی جو

خود بھی جلیل القدر عالم اور محدث ہیں، اور اپنے اس عہدہ سے پہلے مملکت سعودیہ کے وزیر العدل (وزیر قانون) رہ چکے ہیں، اور میرے پرانے دوست ہیں، تشریف رکھتے تھے، اقوام متحدہ (نیویارک) میں رابطہ کے آفس کے شعبۂ دعوت کے انچارج عزیزی مولوی مزمل حسین صدیقی ندوی نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا، جو امریکہ میں بھی میری تقریر کا ترجمہ کر چکے ہیں۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اس مرتبہ دل کھول کر حج کی حقیقت اور روح پر تقریر کروں گا

اسلام کے چار عملی ارکان

میں نے کہا کہ حضرات! اسلام کے چار عملی رکن ہیں، نماز روزہ، زکوٰۃ، حج ان میں سے ہر ایک کا ایک محور ہے، جس کے گرد وہ گھومتا ہے۔

نماز کا محور

نماز کا محور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ. (طه . ١٤) اور میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو

دوسری آیت:

وَقُوْمُوا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ. (بقرہ۔ ۳۸) اور خدا کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو

نیز ارشاد ہے:

قَدْاَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلٰوتِهِم خٰشِعُوْنَ. (مومنون. ١،٢)

بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے، جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔

یہ ہے نماز کا محور، نماز کی اصل روح، ادب، خشوع و خضوع، اور قیام و سکوت ہے۔

زکوٰۃ کا محور

زکوٰۃ کے متعلق ارشاد ہے:

خُذْمِنْ اَمْوَالِهِم صَدَقَةً تُطَهِّرُهُم وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ. (توبہ . ۱۰۳) ان کے مال میں سے زکوۃ قبول کرلو، کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں) پاک، اور (باطن میں) پاکیزہ کرتے ہو، اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمھاری دعا ان کے لئے موجب تسکین ہے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

دوسری جگہ زکوۃ کے مصارف بیان کئے گئے ہیں، فرمایا گیا ہے :--

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِينِ وَالعٰمِلِينَ عَلَيْهَا ،وَالمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالغَارِمِينَ وَفِی سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ. (توبہ. ۶۰) صدقات (یعنی زکوۃ و خیرات) تو مفلسوں، محتاجوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے، اور غلاموں کے آزاد کرنے میں اور قرض داروں (کے قرض ادا کرنے) میں اور خدا کی راہ میں، اور مسافروں (کی مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہئے) یہ حقوق خدا کی طرف سے مقرر کردیئے گئے ہیں، اور خدا جاننے والا، حکمت والا ہے۔

اس طرح زکوۃ کی تشریعی حکمت، اموال و نفوس کا تزکیہ و تطہیر، رضائے خداوندی کا حصول، رحمت الٰہی کا نزول، مساکین و فقراء کے ساتھ مواساۃ و غم خواری، ضرورت مندوں کی حاجت براری، اور مرض حرص و بخل اور اکتناز (دولت کی ذخیرہ اندوزی) سے حفاظت ہے۔

روزہ کا محور

روزہ کا محور ہے تقویٰ (احتیاط و لحاظ) کی عادت (پرہیزگاری)

يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ .(بقرہ. ۱۸۳) مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔

تم سے روزے اس لئے رکھوائے جاتے ہیں، تاکہ تم میں تقویٰ کا ملکہ پیدا ہو جائے، تمھیں لحاظ کرنا آجائے، بندہ خدا کا لحاظ کرنا سیکھ جائے، اس کو دانا وبینا اور ہر وقت میں کانگراں سمجھے، اور یہ اس کا مزاج بن جائے۔ جب اس نے خدا کے حکم اور اس کے خوف سے ایک خاص وقت میں مباحات وطیبات سے پرہیز کیا، اور ان سے باز رہا، توبدرجۂ اولیٰ محرمات ومکروہات سے ہمیشہ پرہیز کرے اور ان سے باز رہے۔

حج کا محور

حج کا محور کیا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوانُذُورَهُم وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ذٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ.(حج۔ ۲۹) پھر چاہئے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور نذریں پوری کریں، اور خانۂ قدیم (یعنی بیت اللہ) کا طواف کریں، یہ (ہمارا) حکم ہے اور ہر شخص ادب کی چیزوں کی جو خدا نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ پروردگار کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے۔

سارا حج اصل میں اس عشق وبے خودی کے اظہار کا ذریعہ ہے جو انسان کے اندر فطری طور پر موجود، اور شرعاً وعقلاً مطلوب ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ.(بقرہ. ۱۶۵) اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ .(مائدہ. ٥٤) اللہ ان سے محبت کرتا ہے، اور وہ اللہ سے محبت

کرتے ہیں۔

حج کا ایک بڑا مقصد محبوب حقیقی سے والہانہ محبت کا اظہار ہے

میں نے کہا کہ حج کا ایک بڑا مقصد اپنے خالق اور محبوب حقیقی سے والہانہ محبت کا اظہار ہے، جس طرح سے پروانہ شمع پر گرتا ہے۔ دوسرے طاعت مطلقہ اور امتثال امر ہے، مناسک اور ارکان حج کو ادا کرو اور اس کے عاشق و محبوب خلیل الرحمٰن کے عمل کی نقل کرو، اور یہ نہ پوچھو کہ کیوں؟ اس حج کے پورے ڈھانچے میں روح ابراہیمی سرایت کئے ہوئے ہے، یہ حج حضرت ابراہیمؑ کے عشق، اور حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی یادگار اور تمثیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت ہاجرہؓ کی پریشانی اور والہانہ کیفیت کے ساتھ دوڑنے پر پیار آیا، اس نے اس کو قیامت تک کے لئے پسند فرمالیا، اور ہمیشہ کے لئے اس کو محفوظ فرمالیا، اب دنیا کے بڑے بڑے دانشور آئیں، اپنے وقت کے غزالیؒ اور رازیؒ اور ابن سیناؔ و فارابی بھی آئیں تو وہ بھی صفا و مروہ کے درمیان اسی طرح چلیں گے، جیسے حضرت ہاجرہؓ چلی تھیں، اور جہاں حضرت ہاجرہؓ پریشان ہو کر دوڑنے لگی تھیں، وہاں وہ بھی دوڑیں، آج کوئی پوچھے کہ اب دوڑنے کی کیا ضرورت ہے، اس مقام پر حضرت اسمٰعیلؑ حضرت ہاجرہؓ کی نظر سے اوجھل ہو جاتے تھے، تو جلدی دوڑ کر اس جگہ پہونچنا چاہتی تھیں جہاں سے حضرت اسمٰعیلؑ نظر آتے تھے، کہ شیر خوار بچہ محفوظ ہے یا نہیں، کوئی جانور تو اسے نہیں لے گیا۔ اب ہمیں اور اس زمانہ کے بڑے سے بڑے شیخ السلام، شیخ الازہر، اور شیخ الحدیث کو دوڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہاں سے جواب ملے گا کہ ہمیں ان کا دوڑنا پسند آگیا ہے، اب اس عمل میں محبوبیت پیدا ہو گئی ہے، طواف میں شروع کے

تین شوط میں پاؤں اٹھا اٹھا کر اور سینہ نکال کر چلتے ہیں، جس کو رمل" کہتے ہیں۔ اب بھی اسی طرح پہلے طواف کرنا ہوتا ہے، یہ کیوں ؟ اس لئے کہ جب آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ عمرۃ القضاء میں آئے تو قریش جبل قعیقعان پر چلے گئے، کہ ہم مسلمانوں کے اس طرح آزاد نہ مکہ میں آنے اور طواف کا منظر دیکھ نہیں سکتے ،انھوں نے یہ بھی کہا کہ مسلمان مدینہ جاکر کمزور ہو گئے ہیں، اب ان سے چلا نہیں جاتا، حکم ہوا کہ یہاں پر اٹھ اٹھ کر، سینہ نکال کر چلو۔ یہ ادا اللہ کو پسند آئی اور یہ عمل سنت قرار پایا۔

حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کے لئے لے جارہے تھے، شیطان نے بہکایا اور اس عمل سے باز رکھنے کی کوشش کی تو حضرت ابراہیمؑ نے غصہ میں آکر شیطان کو کنکریاں ماریں، اللہ کو یہ ادا بھی پسند آئی اور اس کو زندہ جاوید بنادیا، سب کو یہ کرنا ہے، اگر کہیں کوئی رمی نہیں کر سکا تو قربانی کرنا پڑے گی۔

میں نے کہا کہ امتثال امر کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ عرفات میں مغرب کی نماز سب ترک کردیتے ہیں، اور مزدلفہ جاکر عشاء کے وقت میں مغرب، عشاء کو جمع کرکے پڑھتے ہیں، مجھے تو یاد نہیں کہ مجھ جیسے گنہگار اور قاصر الہمت سے بھی برسوں میں کبھی مغرب کی نماز بغیر عذر کے بے وقت پڑھی ہو، قربِ الٰہی کا عرفہ جیسا میدان جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ شیطان کو اتنا ذلیل اور مغموم کسی دن نہیں دیکھا گیا جتنا کہ عرفہ کے دن، شیطان کہتا ہے کہ میری ساری محنت برباد ہوئی، آج کتنے آدمیوں کی مغفرت ہوگئی، ایسے مقام قرب و رحمت میں حکم ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز یہاں نہ پڑھو، نماز نہ پڑھیں ؟ بازاروں میں نماز پڑھی، امریکہ، یورپ کے پارکوں، ہوٹلوں اور ٹرین و ہوائی جہاز پر نماز پڑھی اور آج

میدان عرفات میں نماز نہ پڑھیں قضا کر دیں؟ ہاں قضا کر دو، اس لئے کہ تم ہمارے بندے ہو، نماز کے بندے نہیں ہو، ہماری بات ماننی ہو گی، عادت پر چلنا نہیں ہو گا، خود منیٰ سے عرفات سے مزدلفہ اور مزدلفہ سے پھر منیٰ منتقل ہونا، تعمیل حکم اور امتثال امر کی واضح مثال ہے کہ کہیں کتنا ہی جی لگ جائے اور کیسا ہی مزہ آرہا ہو، اپنی خواہش اور ذوق کے مطابق قیام کی اجازت نہیں ہے، ہم جہاں کہیں، جاؤ اور جتنا کہیں اتنا ٹھہرو۔

حج کا دوسرا بڑا مقصد ملت ابراہیمی کو مزاج ابراہیمی سے مربوط کرنا

میرے محدود علم و مطالعہ میں حج کے مقاصد و فوائد پر حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے زیادہ جامع اور بہتر کسی نے نہیں لکھا، وہ فرماتے ہیں کہ حج کا ایک بڑا مقصد ملتِ ابراہیمی کو حضرت ابراہیمؑ کے مزاج سے مربوط کرنا ہے، اس کا مقصد یہ ہے، کہ قیامت تک یہ ملت حضرت ابراہیمؑ سے مربوط رہے جو اس دین کے بانی ہیں۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ. (حج. ۷۸) تمھارے باپ ابراہیم کا دین، اسی نے پہلے تمھارا نام مسلمان رکھا تھا۔

اور ان سے مربوط ہونے کا مقام مکہ اور اس کے نواحی واطراف ہیں، وہاں جا کر دیکھ آؤ کہ وہ کیا کرتے تھے، وہاں ان کا بنایا ہوا اللہ کا گھر (کعبہ) موجود ہے، وہ مسعیٰ ہے، یہ صفا و مروہ ہے، یہ عرفات و مزدلفہ و منیٰ ہیں جہاں انھوں نے اپنے عشق اور جذبہ قربانی اور ایثار و فدائیت کا اظہار کیا تھا، اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ ملت جہاں بھی رہے، ہمیشہ حضرت ابراہیمؑ سے مربوط و وابستہ رہے، اسی میں اس ملت کے

ابراہیمی و محمدی مزاج اور خمیر کی حفاظت اور ملتوں اور قوموں میں اس کا تشخص وامتیاز ہے

حج کا تیسرا بڑا مقصد امت کو تحریف سے بچانا

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے دوسری بات یہ لکھی ہے، اور یہ کیسا قیمتی نکتہ، اور کتنا عمیق فہم دین ہے کہ حج کا تیسرا مقصد، امت کو تحریف سے بچانا ہے، محلّہ کی سطح پر تحریف سے بچانے کا ذریعہ مسجد میں نماز باجماعت ہے، اگر کسی کی نماز میں کوئی بدعت شامل ہوگئی ہے، یا وہ کوئی غلطی کر رہا ہے تو اس کی تصحیح مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے سے ہو جائے گی، اور صحیح و غلط کا تقابل ہو جائے گا شہر اور بستی کی سطح پر اگر تحریف ہو تو اس کی اصلاح اور ناواقفیت یا مغالطہ کے ازلہ کی جگہ جامع مسجد ہے، اس سے بڑے پیمانہ پر ہو تو عیدگاہ، اور اگر اس سے بھی بڑے پیمانہ پر عالم اسلام کے کسی حصہ یا ملک میں تحریف رونما ہو تو اس کا علاج حج کے موقع پر حرمین شریفین کی حاضری ہے، وہاں آکر دیکھے کہ ہم کیا نماز پڑھتے تھے کیا غلط عمل کر رہے تھے، کیسا غلط عقیدہ رکھتے تھے، کونسا غیر اسلامی شعار اختیار کئے ہوئے تھے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نزدیک حج مرکز اسلام میں امتِ اسلامیہ کی سالانہ پیشی (عرضۃ) اور حاضری ہے، تاکہ اس کا عمومی جائزہ لیا جائے، اور اس کے متعلق اطمینان حاصل کیا جائے کہ وہ مسلکِ ابراہیمی و محمدی پر چل رہی ہے یا نہیں۔

میں نے کہا کہ اگر حج نہ ہوتا تو ایک امریکن اسلام ہوتا اور ایک یورپین اسلام، ایک ہندوستانی اسلام ہوتا اور ایک پاکستانی اسلام، اگر کوئی ٹوکتا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو تو کہا جاتا کہ ہمارے یہاں تو پشتیں اسی پر عمل کرتے ہوئے گزر گئی ہیں، لیکن حج کے اجتماع عام میں جاکر جہاں عوام و خواص، علماء و فقہاء جمع ہوتے ہیں،

سب قلعی کھل جاتی ہے، جس طرح کھیت میں کسان کے ارادے اور مرضی کے بغیر گھاس پھوس اگ آتی ہے اور بعض مرتبہ ایسے جھاڑ جھنکاڑ پیدا ہو جاتے ہیں جو اصل زراعت کے لئے مضر ہوتے ہیں (ان کو مصر میں **الحشائش الشیطانیہ** کہتے ہیں)، اسی طرح اسلام کی کھیتی میں، عالم اسلام کے دور دراز گوشوں میں ایسے جھاڑ جھنکاڑ پیدا ہو سکتے ہیں جو "**تحریف**"، "**بدعت**" اور "**اعمال محدثہ**" کہلاتے ہیں، ان جاہلی رسم ورواج، خود ساختہ عبادات، اور اوہام وخرافات کی حج میں بیخ کنی ہو جاتی ہے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے یہ بے نظیر بات لکھی ہے، کہ امت کو تحریف سے بچانے کے لئے حج بہترین انتظام ہے، اگر امت میں تحریف ہو جائے تو رہنے نہ پائے اس ملک کا (جہاں تحریف ہوئی ہے) کوئی نہ کوئی آدمی آئے گا اور دیکھ کر جائے گا، اور واپس جاکر کہے گا کہ تم کیا کر رہے ہو، ہم تو مکہ میں اس طرح دیکھ کر آئے ہیں۔

میں نے کہا کہ ہر لفظ اپنے ساتھ کچھ خصوصیات لے کر آتا ہے، اس کی ایک تاریخ، پس منظر (خلفیات) ہوتے ہیں، لفظ "**مؤتمر**" کا بھی ایک پس منظر ہے، اس کے ساتھ بہت سے تاثرات اور تجربات وابستہ ہیں، ان سے اس کو منقطع اور مجرد کرنا مشکل ہے بے شک ملاقات وتعارف اور موقعہ ملے تو مسلمانوں کے مسائل پر مشورہ اور تبادلۂ خیال ممنوع اور مکروہ نہیں بلکہ مستحسن ہے، مگر یہ حج کے بالکل ضمنی اور ثانوی فوائد میں ہے، اگر مشورہ اور تبادلۂ خیال، بحث ومباحثہ اور غور وفکر ہی حج کا اصل مقصد ہوتا، تو صرف اہل حل وعقد دانشوروں اور عالم اسلام کے ماہرین اقتصادیات وسیاسیات، اور وہاں کے زعماء وقائدین ہی کو حج کی دعوت دی جاتی، جیساکہ مؤتمرات وندوات، کانفرنسوں اور سیمیناروں میں دستور ہے، اور

دعوت میں اس تعمیم واطلاق سے کام نہ لیا جاتا کہ من استطاع الیہ سبیلا (جس کو زادوراحلہ کی قدرت ہو وہ حج کو ضرور آئے) پھر کہیں اطمینان سے چندروز رہنے کا نظام بنایا جاتا، حج کے اصل دن (۸رذی الحجہ سے ۱۲ر ۱۳رذی الحجہ تک) نقل وحرکت اور مناسک حج کی مشغولیت کا زمانہ ہے، وقوف عرفات، مزدلفہ میں شب گذاری، منیٰ میں رمی، قربانی، اور طواف زیارت وغیرہ کی مشغولیت، مؤتمر اور مجلس مذاکرہ کے ماحول ومزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔

اسلام کے ہر رکن اور ہر حکم کے مادی، سیاسی اور تمدنی فوائد بیان کئے جائیں، یہ بات بقدر ضرورت اور بوقت ضرورت ٹھیک ہے، اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا، اور علماء اسلام نے یہ خدمت تناسب اور توازن کے ساتھ ہر دور میں انجام دی ہے، لیکن اس کو اصل مقاصد اور فوائد کا درجہ دینا صحیح نہیں، اس سے خطرہ ہے کہ ذہن مادی بن جائے گا۔ رضائے الٰہی کے حصول کا شوق، اجروثواب کی لالچ، آخرت میں اس کے فائدے کا یقین، اور **"ایمان واحتساب"** (جو ہر عمل کی روح، اور اس میں وزن وقیمت پیدا کرنے کی شرط ہے) کا پہلو نہ صرف مغلوب بلکہ منفی اور معدوم ہو کر رہ جائے گا، یہ فرد وجماعت کے لئے بڑا خسارہ، اور دین کے لئے ایک بڑے تغیر وتحریف کا سرچشمہ ہے۔

دین کو اس طرح پیش کرنا چاہئے جس طرح انبیاء نے پیش کیا ہے

اس وقت کا بڑا عظیم الشان کام یہ ہے کہ دین کو اسی رنگ میں پیش کیا جائے جس رنگ میں انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا، البتہ اس کے لئے بہتر سے بہتر زبان، اور بہتر سے بہتر اسلوب اختیار کیا جاسکتا ہے، تاکہ وہ بات ذہن نشین ہو، اور

قلب ودماغ اس کو قبول کرلیں، یہ اہل دعوت مسلمان اہل فکر واہل قلم کے کام کرنے کا اصل میدان، اور وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے، جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علم صحیح کی دولت، فہم قرآن، دعوت وعلوم انبیاءؑ سے مناسبت، اور دین کی صحیح حمیت وغیرت عطا فرمائی ہے، پھر عصر حاضر کے ذہن پر اثر ڈالنے والے اسالیب بیان پر بھی قدرت رکھتے ہیں، ان کے لئے اس وقت حصول سعادت کا زریں موقع ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ سروش غیب کی آواز کانوں میں آئے ؎

گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں در نمی آید سواراں راچہ شد

وَآخِرُ دَعْوانا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالمین۔

امریکہ کی کوششیں اور فیاضیاں ضائع ہو رہی ہیں

اور وہ سخت خطروں سے دوچار ہے

اسکو آج نبوت کی دی ہوئی تعلیمات کی ضرورت ہے

وہ تقریر جو ۲۵ رجون کو اسلامک سنٹر واشنگٹن میں کی گئی (واشنگٹن کا یہ سفر سید مظہر حسین صاحب کی دعوت ومعیت میں ہوا تھا اور انہیں نے سامعین سے مقرر کا تعارف کرایا تھا، جلسہ میں ہندوستانی، پاکستانی اور عرب طلباء وفضلاء اور امریکہ کے دارالحکومت میں کام کرنے والے مسلمان اور خواتین موجود تھیں، جلسہ کا آغاز ایک مصری قاری نے سورۂ کہف کے رکوع "واضرب لهم مثلاً رّجلين جعلنا لاحدهما جنتين من اعناب الخ" سے کیا مقرر نے اسی کو اپنا موضوع بنایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امریکہ کی کوششیں اور فیاضیاں ضائع ہو رہی ہیں

اور وہ سخت خطروں سے دوچار ہے

اسکو آج نبوت کی دی ہوئی تعلیمات کی ضرورت ہے

میرے عزیزو، معزز بھائیو اور بہنو!

مجھے بڑی خوشی ہے کہ میں آپ کے درمیان اس وقت واشنگٹن شہر میں ہوں جس کا اس وقت پوری دنیا کے تہذیب و تمدن، رجحانات، فیصلوں اور طریقہ کار پر اثر پڑ رہا ہے، ہم اس صورت حال کو پسند کریں یا ناپسند کریں یہ ایک واقعہ ہے۔

یہاں کس چیز کی کمی ہے؟

یہ مقام اس نے کس طرح حاصل کیا، اور اس میں امریکی قوم کی قابلیت، جدوجہد، ذہنی صلاحیت تنظیم، اشتراک عمل، باہمی اتحاد اور اس کی سائنسی صنعتی اور تجرباتی ترقیات کا کتنا بڑا حصہ ہے، اور ہماری کوتاہیوں کو کتنا دخل ہے یہ ایک

تاریخ بحث ہے جس کا یہ موقع نہیں، مصنفوں، مورخوں اور موجودہ دنیا کا جائزہ لینے والوں نے اپنے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق اس پر بحث کی ہے، اور اس کا تجزیہ کیا ہے۔

یہ ملک مادی حیثیت سے دنیا کی جنت بنا ہوا ہے، اور معاف کیجئے یہی کشش آپ کو اپنے محبوب وطنوں ہندوستان اور پاکستان، مصر وشام اور دنیا کے گوشے گوشے سے یہاں کھینچ کر لائی ہے، اور یہ کوئی بری بات نہیں ہے، جہاں مقناطیس ہوتا ہے وہاں لوہے کے ٹکڑے ذرے کھنچ کر پہنچتے ہیں، جہاں دریا ہوتا ہے، وہاں پیاسے جمع ہوتے ہین، جہاں باغ ہوتا ہے وہاں خوشہ چینی کرنے والے پہونچ ہی جاتے ہیں، میں امریکہ کو دیکھتا رہا اور دیکھتا چلا گیا، ایک سرے سے دوسرے سرے تک، ایک متوسط درجہ کے انسان کی حیثیت سے بھی اور قرآن اور تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے بھی، میں نے یہاں جو کمی پائی وہ اس چیز کی ہے، جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے، جو ابھی پڑھی گئی ہیں۔

خدا ان قاری صاحب کو جنھوں نے سورۂ کہف کی آیتیں پڑھی ہیں، جزائے خیر دے اور ان کی عمر میں برکت دے کہ انھوں نے حقائق کی ایک دنیا آنکھوں کے سامنے کردی اور کم سے کم میری بہت مدد کی، میں سوچ رہا تھا کہ آپ سے کیا کہوں، کہنے کی باتیں تو بہت ہیں، آدمی کے لئے انتخاب مشکل ہوتا ہے، امریکہ میں میں آپ کو کیا پیغام دوں آپ مجھ سے کیا چیز سننے کے مشتاق ہوں گے؟ کہ اچانک قرآن نے دستگیری کی جو ہمیشہ کرتا رہا ہے اور کرتا ہے، اور مجھے ایسا معلوم ہوا گویا کہ میرے سامنے اس دور حاضر کی (جو اپنی مادی ترقی کے نقطۂ عروج تک پہونچ گیا ہے) تصویر ان آیتوں میں پیش کی گئی ہے۔ **كلتا الجنتين اتت اكلها**

ولم تظلم منه شيئاً وفجرنا خلالهما نهرا وكان له ثمره فقال لصاحبه وهو يحاوره انا اكثر منك مالا و اعز نفرا. دونوں باغ کثرت سے پھل لاتے اور اس کی پیداوار میں کسی طرح کمی نہ ہوتی اور دونوں میں ایک نہر بھی جاری کر رکھی تھی، اور اس طرح اس شخص کو ان کی پیداوار ملتی رہتی تھی تو ایک دن جبکہ وہ اپنے دوست سے باتیں کر رہا تھ، کہنے لگا کہ میں تم سے مال و دولت میں بھی زیادہ ہوں اور جتھے اور جماعت کے لحاظ سے بھی عزت والا ہوں

امریکہ کی تصویر اس سے بہتر کیا کھینچی جا سکتی ہے؟ (جنتین) آپ شمالی وجنوبی امریکہ کو لے لیجئے یا مشرق و مغرب کو لے لیجئے، "جنتین من اعناب" کہاں کس چیز کی کمی ہے، کہاں کون سا میوہ نایاب ہے؟ یہاں کس چیز کا فقدان ہے؟ یہاں خدا کی دی ہوئی ساری نعمتیں موجود، لیکن یہاں کس چیز کی کمی ہے؟ اس چیز کی کمی جس کی طرف ایک صاحبِ ایمان، صاحبِ بصیرت دوست نے متوجہ کیا۔ ولولا اذدخلت جنتك قلت ماشاء الله لا قوة الا بالله . اور بھلا جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کیوں نہ کہا؟

صرف ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کی یہاں کمی ہے، یہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ وہ چیز ہے، جو مٹی کو سونا بنا دے، یہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ وہ چیز ہے، جو مادیت کو اعلیٰ درجہ کی عبادت بنا دے، یہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ وہ چیز ہے، جو نفسِ انسانی کے سرکش گھوڑے کو اس طرح رام کرتی ہے کہ وہ مطیع و فرمانبردار مرکب اور منزل مقصود تک لے جانے والی ایک مبارک سواری ہوتی ہے، یہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ وہ شاہ کلید ہے، جس قفل پر آپ رکھ دیں یہ اس کو کھول دے گا، اس مغربی دنیا میں، اس مادی دنیا میں جس چیز کی کمی ہے، وہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کی کمی ہے سننے میں تو چند

لفظ ہیں، اور اپنی زندگی میں باربار استعمال کرتے ہیں، ماشاء اللہ آپ کب تشریف لائے، ماشاء اللہ آپ نے یہ سوٹ کب ہوایا ماشاء اللہ آپ کے لڑکے نے کب گریجویشن کیا۔ ماشاء اللہ آپ نے یہ موٹر کب خریدی، ماشاء اللہ آپ نے یہ مکان کب ہولیا۔

"ماشاء اللہ" کے اندر بلاغت کے جو دریا بہہ رہے ہیں اور جو ساری دنیا کو حاوی ہے، اور اس کے اندر مادیت کو، غرور کو، اور اپنی طرف نسبت کرنے والی طاقت کو یعنی انسان کو جو دھوکا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ وہی کر رہا ہے، اس کو دبانے اور مغلوب کرنے کی جو عجیب وغریب طاقت ہے، اس کا ہم کو اور آپ کو احساس نہیں رہا، اس لئے ہم اس کو موقع بے موقع استعمال کرتے ہیں، اور اتنے موقع پر پڑھتے ہیں کہ اس کی عظمت اور اعجاز کا احساس نہیں رہا، ماشاء اللہ کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے، خدا کے ارادہ اور قدرت سے ہو رہا ہے، اس میں انسان کا کوئی کمال نہیں ہے، اس میں انسان کی کوئی تعریف نہیں۔ **الحمد لله رب العالمين** ۔ سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے، اس میں جو حقیقت بیان کی گئی ہے اور **إنما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون**۔ اس کی شان ہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے، ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔ میں جو بات کہی گئی ہے، اور **رفع السموات**. میں جو فضیلت بیان کی گئی ہے، وہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ میں سمٹ کر آگئی ہے کہ اللہ جو چاہے گا وہی ہوگا اور لا قوۃ الا باللہ، اللہ کے سوا کسی میں کچھ طاقت نہیں ہے۔

اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ امریکہ میں سب کچھ موجود ہے، خدا نے اپنے خزانوں سے اس کو مالامال کر دیا ہے "**اسبغ عليكم نعما ظاهرة وباطنة**" کا مصداق "**یاتیھا رزقھا من کل مکان**" کی تصویر۔

اس بستی کی مثال جسکا رزق ہر جگہ سے آتا تھا، ہر جگہ سے اس کا رزق ابلتا تھا، برستا تھا، روزی کے بادل موسلا دھار بارش کی طرح برستے تھے، آج امریکہ کا حال یہی ہے، لیکن اگر پوچھا جائے کہ امریکہ دنیا کو امن و سکون کا پیغام کیوں نہیں دے رہا ہے، آج امریکہ دنیا کو ہدایت کا پیغام کیوں نہیں دے رہا ہے؟ وہ مادی تعاون کرتا ہے، معاشی احسانات کرتا ہے، لیکن........

امریکہ کا کوئی مخلص دوست نہیں

آج امریکہ ساری دنیا کا محسن بنا ہوا ہے، بہت سے لوگوں کے لئے (معاذ اللہ) یہ رزاق کا درجہ رکھتا ہے، لیکن آج کتنے ملک ہیں، جو امریکہ کے روپئے سے پلتے ہیں، جو اس کے روپئے اور اس کی امداد کی بدولت پسماندگی سے اٹھ کر ترقی یافتہ کہلانے لگے ہیں، کتنے ترقی پذیر ملکوں کی امریکہ مدد کر رہا ہے، لیکن اس احسان کی یہ قومیں اور ملک ممنون کیوں نہیں ہوتے ہم دیکھتے ہیں، امریکہ غلہ بھی دیتا ہے، مشینری بھی دیتا ہے، فوجی امداد بھی دیتا ہے۔

کتنے ملک ہیں جو امریکہ کی وجہ سے اپنے دشمن سے محفوظ ہیں، لیکن اس کے باوجود کوئی امریکہ کے گیت نہیں گا رہا ہے، جب موقع ملتا ہے، امریکہ پر تنقید کرتے ہیں، امریکہ کے خلاف مضامین لکھتے ہیں، کتابیں لکھتے ہیں، امریکہ سے بیزار ہیں، کوئی امریکہ کا دلی دوست نہیں، میں واشنگٹن میں آج وہائٹ ہاؤس کی دیوار کے سائے میں بیٹھ کر یہ اعلان کرنے کی عزت حاصل کر رہا ہوں اور خدا کی بارگاہ میں اس پر شکر ادا کرتا ہوں کہ خدا نے مجھے یہ توفیق دی کہ میں یہ حقیقت وہائٹ ہاؤس کے پہلو میں بیٹھ کر بیان کروں کہ آج امریکہ کا کوئی دوست نہیں، کوئی مخلص نہیں۔

کیاامریکہ کے عقلاء، فلسفی اوردانشوروں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی جو پانی کی طرح روپیہ بہاتے ہیں، جنھوں نے ملکوں کی جھولی بھر دی اور سچی بات تو یہ ہے کہ بڑی فیاضی کے ساتھ بڑی فراخدلی بلکہ دریادلی کے ساتھ بھری لیکن کیابات ہے کہ آج یہ ملک امریکہ کے ممنون نہیں، یہ امریکہ کے سچے دوست نہیں، جب ان کو موقع ملتاہے، کبھی یہ مشرقی بلاک کی طرف پھسل جاتے ہیں، کبھی امریکہ کی بالاستی اور خیالات سے بغاوت کرتے ہیں، اور اگر ایسا نہیں کرتے تو وہ امریکہ سے زیادہ خوش نہیں، امریکہ کی محبت ان کے دل کے اندر پیوست نہیں، اس کی وجہ کیا ہے ؟وجہ ہے یہ ہے اس پورے عمل میں خلوص نہیں، امریکہ سب کچھ دیتاہے، لیکن امریکہ کی دادودہش میں خلوص نہیں، قوموں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا جذبہ اس کے اندر کارفرماہے۔

مختلف یونیوسٹیوں کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے، تحقیق کاکام کرنے والے، علمی، ادب، فکری صلاحیت کے لوگ ہیں، آپ امریکہ میں رہتے ہیں، آپ کی نظر وسیع ہے، آپ یہاں بیٹھ کر ساری دنیاکا مطالعہ کرتے ہیں، آپ غور کیجئے کیابات ہے، امریکہ جن قوموں کو اپنے احسانات سے مالامال کر رہاہے، اس کے جواب میں اس کو کیاملتاہے ؟

اس کے جواب میں تصنع ملتاہے، دنیاسازی، دھوکابازی اور نفاق مل رہاہے، آج امریکہ پر کوئی بر اوقت آئے تو کیاکوئی ہمدردی کریگا ؟ کوئی چار آنسو بہائے گا ؟ میں سمجھتاہوں کوئی نہیں، سب انتظار کررہے ہیں، اس کی تباہی کااس کے زوال کا۔

پیغمبروں اور انکے پیروؤں نے خلوص کے ساتھ انسانیت کی خدمت کی اور محبوب بن گئے

خدا کے پیغمبروں نے محنت کی انسانیت پر، انھوں نے ایمان کا تحفہ دیا، خلوص کا تحفہ دیا، صداقت کا تحفہ دیا، مساوات انسانی کا سبق پڑھایا، اخوت بنی آدم کا سبق دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ قومیں ان کی غلام بن گئیں، ان قوموں نے اپنی زبان، اپنا کلچر، اپنی دودو چار چار ہزار سال کی تہذیبوں کو خیرباد کہا، مصریوں، شامیوں، عراقیوں نے عربوں کی بلکہ عرب مسلمانوں کی حکومت قبول کی ان کی زبان بھی قبول کی، آج انگریزی کے خلاف ہمارے مشرقی ملکوں میں ایک تحریک جاری ہے، سائن بورڈ سے انگریزی کھرچی جارہی ہے، لیکن آج تک عربی زبان ختم کرنے کی کوئی تحریک عالم عربی میں نہیں اٹھی، حقیقت یہ ہے کہ عربی بولنے والے ممالک میں اسلامی ثقافت کے خلاف کوئی بغاوت کوئی رد عمل نہیں لیکن شاید دنیا کے کونے کونے میں مغربی تہذیب کے خلاف رد عمل پایا جاتا ہے، وہ دن دور نہیں جب سب اس کا جوا اتار کر پھینک دیں گے، اور مشرقی تہذیب یا اپنی ملکی تہذیب کو زندہ کریں گے۔

امریکہ صحیح آسمانی مذہب سے محروم ہے

امریکہ میں سب کچھ ہے لیکن وہ کتاب الٰہی اور آسمانی تعلیمات کی نعمت سے محروم ہے، یہ سمجھنا کہ یہ کارخانہ خدا چلا رہا ہے، اور ہم نے یہ جو کچھ کیا ہے، خدا نے کیا ہے، اور ہم کو یہ سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق صرف کرنا چاہئے اور ہم کو یہ سب کچھ اس کی بندگی میں صرف کرنا چاہئے اور ہم خدا کے غلام ہیں، اسی سے وہ یکسر نا آشنا ہے، ملک میں اگر کسی چیز کی کمی ہے تو اسی چیز کی کمی ہے۔

"جنتین من اعناب" تو ہیں، لیکن "ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ" نہیں لیکن جنت ارضی کا مالک وہی ہو سکتا ہے، جس کی نشاندہی قرآن نے کی مثل الرجلین" میں سے احد الرجلین جو ہے وہ خالص مادہ پرست ہے، باغی ہے، خدا کا ناشکرا ہے، مادہ پرست اور

خود پرست ہے ،اور دوسرا انسان مومن ہے ،وہ کمزور ہے، اس کے پاس "جنتین من اعناب" نہیں ہے وہ باغات سے محروم ہے، لیکن وہ مومن ہے خدا نے اس کو ایمان کی دولت دی ہے۔

"کلتا الجنتین اتت اکلها" دونوں باغوں نے کوئی کمی نہیں کی، جیسے کوئی چیز ابل پڑی ہے، دونوں باغ اس طرح ابل پڑے جیسے چشمے ابلتے ہیں، ان کے اندر کی طاقتیں اور شادابی ابل پڑی، انھوں نے کوئی کمی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

اب دوسرے بھائی کی باری آتی ہے ،وہ کہتا ہے کہ یہ سب کچھ صحیح ہے، لیکن اس میں صرف اس کی ضرورت ہے کہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کا اضافہ کرلیا جائے "لو لا اذدخلت جنتك قلت ماشاء الله" جب تم نے اپنے باغ میں قدم رکھا تھا تو کہتے ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ یہ سب خدا کا فضل، اس کی دین اس کی رحمت وقدرت کا کرشمہ ہے۔

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

اگر امریکہ ایمانی ذہن رکھتا؟

امریکہ یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، کیوں نہیں کہہ رہا ہے، اس کی تفصیل طویل بھی ہے دل خراش بھی، اور ہمارے اور آپ کے لئے شرمناک بھی، طویل اس لئے ہے کہ یہ صدیوں پر مبنی ہے، دل خراش اس لئے ہے کہ آج یہاں اس کی کمی نہ ہوتی اگر امریکہ کے دامن میں ایمان ہوتا اگر آج امریکہ ایمانی ذہن رکھتا ہوتا تو آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا، دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی، آج جنگ کے بادل ہمارے سر پر نہ منڈلاتے، ایٹمی توانائی سے اندیشہ نہ ہوتا،

شرمناک اس لئے کہ مسلمانوں نے اس ملک کو اسلام کا پیغام دینے میں کوتاہی کی، خدا نے بہت موقع دیا تھا، مسلمان قومیں یہاں آئیں جب اس ملک نے ایک نوخیز بچہ کی طرح سر اٹھایا تھا اس وقت نظر آ رہا تھا کہ یہ بچہ کتنا ہونہار ہے، اس وقت ہمارے مسلم ممالک سو رہے تھے، خواب خرگوش میں مبتلا تھے، اس سے پہلے بھی اصل موقع کھو دیا گیا جب اسپین موجود تھا، اسپین یورپ میں تھا، اس وقت بجائے الحمراء اور قصر الزہراء بنانے کے اور بجائے بڑی بڑی عمارتیں اور شاندار مسجدیں بنانے کے اسلام کا پیغام یورپ کے دل و جگر میں داخل کرنے کی کوشش کی ہوتی، اسلام کے مبلغ اور داعی سارے یورپ کا چکر لگاتے اور جائزہ لیتے لیکن ایسا نہیں ہوا، اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ داستان شرمناک بھی ہے، بہر حال جو کچھ ہوتا تھا، ہوا، اب اس ملک میں اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو یہ کہ اس کا رشتہ نبوت سے قائم کیا جائے، افسوس کہ مسیحیت اس فرض کی تکمیل سے قاصر ہے۔

مسیحیت کی ناکامی

مسیحیت صدیوں پہلے اس فرض کے انجام دینے سے قاصر ہو چکی تھی، اگر آپ مسیحیت کی تاریخ پڑھیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ مسیحیت یا تو انتہا پسند، رہبانیت سے کم کسی چیز پر راضی نہیں تھی، یا اس کے اندر بیجا جمود و عصبیت کا ایسا مادہ تھا کہ وہ علم و تحقیق کے رواں دواں قافلے کا راستہ روک کر کھڑا ہونا، اس کی منزل کھوٹی کرنا، اس کے درپے آزار ہو جانا ضروری سمجھتی تھی، مسیحیت اس ملک کو راہ پر لگانے کے لئے کسی طرح موزوں نہیں تھی، مسیحیت میں وہ طاقت نہیں کہ امریکہ اور یورپ کے نئے عزم و حوصلے سے بھرپور، پرجوش سرگرم انسان کو اعتدال کی راہ دکھائے اس کو جامعیت کی راہ دکھائے، وہ کہے "اهدنا الصراط

المستقیم "پھر وہ کہے "ربنا اتنا فی الدنیا حسنة" یہ تعلیم دینا مسیحیت کا کام نہیں، مسیحیت "ربنا اتنا فی الدنیا حسنة" کہنے کے لئے تیار نہیں اس لئے کہ وہ ترک دنیا کی قائل ہے۔

اہل امریکہ کے نام پیغام

اے امریکہ کے رہنے والو! اے وہائٹ ہاؤس کے ذریعہ سے ساری دنیا پر حکومت کرنے والو! یہ سب تم کو مبارک ہو، ہم اس کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، ہم صرف اتنا کہتے ہیں کہ اس میں "ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ" کا اضافہ کرو، اس سب کو خدا کی مرضی کے تابع بنادو، اس سب کو خدا کے احکام کے تابع کردو، اس سب کو انسانی تعمیر، اخوت انسانی فرض اور انسانی مساوات کے جاری ہونے کے لئے استعمال کرو دنیا میں امیر و غریب کا تفاوت نہ ہو، حاکم و محکوم کا امتیاز نہ ہو، یہاں مشرقی مغربی کا فرق نہ ہو، اپنی دولت نئی دنیا کی تعمیر میں صرف کرو، اگر ایسا کروگے تو اپنے حق میں بھی، اچھا کروگے کیونکہ اس کے بغیر یہ تہذیب زندہ نہیں رہ سکتی، سن لیجئے! آج میں واشنگٹن میں بیٹھ کر اس وہائٹ ہاؤس سے چند گز کے فاصلے پر یہ کہہ رہا ہوں کہ اس تہذیب کی زندگی عارضی ہے، یہ تہذیب ہمیشہ باقی رہنے کی صلاحیت نہیں رکھتی بقول اقبال ؎

وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بیتاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

آج اس سائنس کی بیتاب بجلیاں کوندرہی ہیں اور کچھ خبر نہیں کس وقت وہ اسی آشیانہ پر گرجائیں۔

اسلام کا پیغام پہونچایئے

میں ان الفاظ کے ساتھ اپنی تقریر ختم کرتا ہوں کہ آپ خوش قسمت ہیں کہ اللہ نے آپ کو دنیا میں وہ جامعیت عطا فرمائی ہے کہ آپ دنیا کی قدر و قیمت سمجھتے ہیں لیکن اسکو ایک عبوری منزل اور آخرت کو اپنی اصل اور آخری منزل سمجھتے ہیں، آپ کا عمل اس آیت پر ہے۔ تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا في الارض ولافسادا والعاقبة للمتقين . وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے (تیار) کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے، اور انجام (نیک) تو پرہیزگاروں ہی کا ہے

میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ اپنے ایک مسلمان بھائی کی محبت میں تشریف لائے اور بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ آپ نے بات سنی اللہ آپ کی اور آپ کے ایمان کی حفاظت فرمائے اور آپ کی آئندہ نسل بھی مسلمان رہے۔

فلاتموتن الا وانتم مسلمون ، مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔ پر عمل رہے، آپ جب تک اس دنیا میں ہیں، خدا کے سامنے سر جھکاتے رہیں، نمازوں کے پابند رہیں، کلمہ کے آپ حلقہ بگوش ہوں، جب آپ اس دنیا سے جائیں تو اس حالت میں کہ آپ کے دل کے اندر نور ایمان ہو، اور آپ کی زبان پر کلمۂ شہادت۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين .

رحم کا کوئی شاکی، کوئی فریادی نہیں

یہ تقریر مدھ پردیش کے مہو
نامی شہر کے ایک جلسہ سیرت النبیؐ میں
۱۹۷۷ء میں کی گئی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحم کا کوئی شاکی، کوئی فریادی نہیں

وما ارسلنٰك إلا رحمة للعالمين.

سب سے زیادہ پیارالفظ

میرے بھائیو اور دوستو! دنیا کی زبانوں کے لغتوں میں اور انسانی زبان پر چڑھے ہوئے الفاظ میں، کتابوں میں، ادب و شاعری میں خدا کی یاد، اس کی تعریف اور حمد و ستائش میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ان میں اگر یہ سوال کیا جائے، دنیا کے ادیبوں، شاعروں، فلسفیوں، انسانی نفسیات کے ماہروں، نباضوں، دل کی دھڑکن سننے والوں، کان رکھنے والوں، بے زبانی کی زبان والوں جس میں بچوں کی غوں غاں مریض کی کراہ، مجنوں کی بڑ، سب شامل ہے، ہر ایک اپنے دل کی کہانی سناتا ہے، تڑپنے والا الفاظ سے بے نیاز ہو کر اپنی کرب و بے چینی کو ظاہر کرتا ہے، دل کی، روح کی بھی زبان ہوتی ہے، زبان کے ذخیروں میں اور اس ذخیرے میں بھی جس کا کوئی نام نہیں۔

بسیار شیوہ ہاست بتاں راکہ نام نیست

بہت سی ادائیں ایسی ہوتی ہیں، حسن والوں، محبت والوں کی، خلوص والوں کی، جن

کا ابھی تک کوئی نام ایجاد نہیں ہوا، ابھی تک ان کے لئے کوئی نام ایجاد نہیں ہوا، ابھی تک ان کے لئے کوئی لفظ تلاش نہیں کیا جاسکا، جس سے وہ کیفیت ادا ہو، انسان محسوس کرتا ہے کہ زبان سے کہتا ہے، قلم سے لکھتا، شاعری کرتا ہے، تقریر کرتا ہے، اکثر خاموش رہتا ہے، اس خاموش نطق و تکلم کی کوئی کیمرہ مصوری نہیں کر سکتا، کوئی ٹیپ ریکارڈ گرفت نہیں کر سکتا، خود آدمی اسے پوری طرح محسوس نہیں کرتا محسوس کرتا ہے تو ادا نہیں کر سکتا، ان سب کو اگر سامنے رکھ کر پوچھا جائے، انصاف کا نام لے کر پوچھا جائے خدا کا واسطہ دے کر پوچھا جائے کہ سب سے زیادہ محبوب صفت، سب سے زیادہ محبوب لفظ، جو ساری دنیا کو، خواہ متمدن ہو یا وحشی، نیم برہنہ ہو یا مہذب۔

اس آسمان کے شامیانے کے نیچے، زمین کے فرش پر، آفتاب کو قندیل بنا کر، چاند کو شمع بنا کر ایک سوال کیا جائے کہ بتاؤ سب سے زیادہ پیارا لفظ کون سا ہے تو میں سمجھتا ہوں اور دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سب کی طرف سے جواب ہوگا "رحم"۔

رحم کا کوئی شاکی، کوئی فریاد نہیں

قدرت بھی بڑی چیز، علم بھی بڑی چیز، سخاوت بھی بڑی چیز، صنعت بھی بڑی چیز، ذہانت اور دانائی بھی بڑی چیز، مال و دولت بھی بڑی چیز، حکومت و سلطنت بھی بڑی چیز، مگر یہ کسی کے مخالف ہوں گے، کسی کے موافق، ان سے ایک نے زندگی پائی ہوگی تو سیکڑوں نے موت کا پیغام، ہزاروں ان کے زندہ کیئے ہوئے ہوں گے تو لاکھوں ان کی تعریف کرنے والے ہوں گے تو لاکھوں کو ان سے گلہ ہوگا، حکومت کو لیجئے، حکومت کتنے لوگوں کی محافظ، لیکن کتنے لوگوں کی زندگی

سے کھیلتی ہے، اس نے کتنے خون کے دریا بہائے، کشتوں کے پشتے لگائے، کتنی کھیتیاں اس نے جلا کر سیاہ کر دیں، کتنے ملکوں کے چراغ گل کر دیئے، کتنے خاندانوں کا بیج دنیا سے ختم کر دیا، علم کو لے لیجئے تو علم نے کہیں روشنی پیدا کی، کہیں ظلمت پیدا کی، علم نے کہیں حفاظت کا گُر سکھایا، کہیں قفل شکنی، اور نقب زنی کا فن سکھایا، علم نے کہیں تعمیر کا پیغام دیا تو اس سے کہیں زائد تخریب کا پیغام دیا، علم نے اگر سپر بنائی تو علم نے تلوار بھی بنائی۔

علم نے اگر گرتوں کو سنبھالا تو کتنے ٹھہرے ہوؤں کو گرایا، کوئی ایسی چیز نہیں جس کے دو پہلو نہ ہوں، اور جس کی دو دھار، جس کا عمل بالکل صحیح اور تول پر بالکل پورا اترے۔

لیکن ایک چیز جس کا اس دنیا میں کوئی شاکی نہیں، کوئی اس کا فریادی نہیں، کوئی اس پر تنقید کرنے والا نہیں، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کا مارا ہوا ہوں، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کا زخمی ہوں۔ وہ ہے صرف رحم دل، وہ ہے صرف رحم۔

رحم کا ہر ایک محتاج ہے

کون ہے دنیا میں جو آج بتا دے، مخالفوں میں بتا دے، ہمنواؤں میں بتا دے، فاتحوں اور مفتوحوں میں بتا دے، جاہلوں اور عالموں میں بتا دے، غبی اور ذہین انسانوں میں بتا دے، پسماندہ اور ترقی یافتہ قوموں میں بتا دے؟ کہ اس کو رحم کی ضرورت نہیں، اس کو رحم سے انکار ہے، اس کو رحمت نہیں چاہیے؟

ایسا وقت آتا ہے کہ آدمی کو طاقت کی ضرورت نہیں ہوتی، علم کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن کوئی ایسا وقت نہیں کہ جس میں آدمی کو رحم کی ضرورت نہ ہو، رحمت کی ضرورت نہ ہو، رحم کا ہر ایک محتاج، ہر ایک قدردان، اللہ تعالیٰ کے

خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں۔

کس چیز کی کمی ہے مولیٰ تیری گلی میں

خود حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں، وہاں شرافت تھی، وجاہت تھی، شہنشاہیت کا تاج بھی تھا، آپؐ تو عظیم ہستی ہیں، آپؐ کے غلاموں کے قدموں میں دنیا تھی، ان کے غلاموں کے غلام فاتح اور کشور کشا ہوئے، بادشاہ اور شہنشاہ بنے، کہاں عرب کا صحرا اور کہاں ہندوستان اور مالوے کی سرزمین، کہاں افریقہ اور کہاں امریکہ، ہر جگہ محمد عربیؐ کے غلاموں نے اپنی کامیابی کے پرچم لہرائے، جس نے پایا آپؐ کی غلامی کی بدولت پایا، روحانیت پائی، طاقت پائی ، علم پایا، امن پایا، سلطنت تک پائی، آپؐ کے غلاموں نے یہاں آکر اپنی ذہانت، حسنِ انتظام، فن تعمیر، مذاقِ سلیم کے کتنے نمونے قائم کیے۔

کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پاکی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

جو بھی سیاح ہندوستان آتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہاں مذاقِ سلیم رکھنے والے کچھ لوگ گذرے ہیں، یہاں ایسے لوگ گذرے ہیں جنھیں کچھ اور ملا ہو یا نہ ملا ہو، لیکن ذوقِ جمال، رعنائی خیال، قوتِ ارادی، سلیقہ مندی ملی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں، کیا اللہ تعالیٰ نہیں کہہ سکتا تھا کہ "آپ کو ہم نے دنیا کا فاتح بنا کر بھیجا" ایسا فاتح جس کے غلاموں نے دنیا کا سب سے بڑا امپائر قائم کیا، انھوں نے مشرق و مغرب، جنوب و شمال میں اپنی کامیابی کے پرچم لہرا دیئے، ان کا جھنڈا چاہے نہ لہراتا ہو، سکہ چاہے نہ چلتا ہو لیکن غلامانِ محمدؐ کے محبت کی فتوحات، محبت کے قلمرو مین ساری دنیا شامل تھی۔

"جو دلوں کو فتح کرلے ، وہی فاتحِ زمانہ"

جو تہذیب انھوں نے پھیلائی، جو علوم انھوں نے پیدا کیے، علم کے جو دریا بہائے، محبت کے جو چشمے رواں کیے، اس کے بعد آپ کو انسانیت کا سب سے بڑا فاتح، سب سے بڑا معلمِ اخلاق، سب سے بڑا معلم کہنا بالکل صحیح ہے اگر خدا یہ کہتا ہے کہ اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو دنیا کا مصلح اور معلم بنا کر بھیجا تو دنیا کے کسی گوشے سے یہ آواز نہیں اٹھتی کہ "ہمیں اس میں شک ہے" ساری دنیا کے علماء فضلا، فلاسفہ، مفکرین، مورخین، ناقدین سر جھکا کر کہتے کہ آمنا و صدقنا، بے شک آپ دنیا کے سب سے بڑے معلم اور سب سے بڑے مصلح ہیں۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب

ہمارے عزیز اسحٰق جلیسؔ صاحب نے آپ کو جو واقعہ سنایا اس سلسلے کی چند مثالیں دیتا ہوں۔

لڑکیاں زندہ در گور کی جاتی تھیں، اس رسم کے تمام قبیلے شکار تھے، حضرت عمرؓ کو جب اپنی اس بچی کا خیال آتا جس کو انھوں نے خود زندہ در گور کیا تھا، تو آنسو رواں ہو جاتے، وہ کہتے ہیں کہ جب اسے دفن کرنے کے لئے گڑھا کھود رہا تھا تو وہ معصوم کہتی کہ ابا! آپ کے داڑھی میں مٹی لگ گئی ہے اور وہ اسے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے جھاڑنے لگتی، اس کی معصوم اور سلیم فطرت، باپ کے چہرے پر گرد و غبار برداشت نہیں کر سکتی تھی، لیکن باپ کا دل نہ پسیجا، اسے ترس نہ آیا، اس نے اسے گڑھے میں دھکا دے کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔

عرب کے دورِ جاہلیت، دورِ بربریت کا یہ ایک نمونہ تھا، لیکن اس کے بعد کیسا انقلاب آیا، معلمِ اخلاق ہو تو ایسا ہو، انقلاب لانے والا ہو تو ایسا ہو، چند برسوں

میں اس قوم کا حال یہ ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ جب عمرہ ادا کرنے کے لئے صلح حدیبیہ کے موقع پر جانے لگے تو ایک بچی دوڑی ہوئی آئی، اور بھائی صاحب بھائی صاحب کہہ کر آپ سے لپٹ گئی، یہ حضرت حمزہؓ کی بچی تھی، جو آپ کے چچا تھے، اور جنگِ احد میں شہید ہوئے تھے، اب صحابہ کرامؓ میں اس بچی کی پرورش اور سرپرستی کے لئے مقابلہ شروع ہو گیا، حضرت علیؓ نے فرمایا یہ بچی مجھے ملنا چاہئے، میں اس کی پرورش کروں گا، حضرت جعفرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ! یہ بچی میرے گھر میں آرام سے رہے گی، اس کی خالہ میرے یہاں ہے، میں اس کی پرورش کا زیادہ حقدار ہوں، ایک آزاد شدہ غلام زید بن حارثہؓ آگے بڑھے انھوں نے کہا کہ اسلام کے رشتہ سے میں اس کا بھائی ہوں، یہ بچی مجھ کو ملنی چاہئے۔

جو لوگ اپنی بچیوں کو زندہ در گور کیا کرتے تھے، ان میں ایسا انقلاب آیا کہ ایک یتیم بچی کی پرورش و پرداخت کے لئے ان میں مسابقت ہونے لگی، قرعہ اندازی ہونے لگی۔

اللہ تعالیٰ فرما سکتا تھا "وما ارسلنا ك الا معلما للعٰلمین" "ہم نے آپ کو سارے جہانوں کا معلم اور مصلح بنا کر بھیجا، اس طریقہ سے اور بہت سی صفات ہو سکتی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی صفات اور اس سے جو کام لینا ہے اس کی حقیقت جس لفظ میں سمٹ کر آسکتی ہے وہ استعمال فرماتا ہے "وما ارسلنٰك الا رحمة للعٰلمین".

صفتِ رحمت، اللہ تعالیٰ کی محبوب صفت ہے، سورۂ فاتحہ کا آغاز بھی اس نے اپنی اسی صفت سے کیا ہے، بسم اللہ میں بھی یہی صفت غالب ہے، بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله رب العٰلمين. الرحمن الرحيم

قرآن مجید میں ہے "رحمتی وسعت کل شیء"(میری رحمت سب پر حاوی ہے)دنیا کو رسول اللہ ﷺ کے دامن سے جو کچھ ملا، جو انعام ملا، جو تحفہ ملا، جو زندگی ملی، اس کے لئے اس سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہو سکتا تھا، ومآارسلنٰک إلارحمة للعٰلمین"

سب سے اہم، سب سے بنیادی، سب سے عزیز، سب سے محبوب، سب سے زیادہ فراوانی کے ساتھ جو چیز ہر برادری، ہر طبقہ، ہر ملک کی ہر قوم کو پوری فیاضی سے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ملی وہ ہے "رحمت"آپ کے ذریعہ اللہ کی رحمت کے دروازہ کھل گئے، ساری نسل انسانی ہری ہوگئی ؎

رہے اس سے محروم ، آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

مردوں پر آپؐ نے احسان کیا، عورتوں پر آپ نے احسان کیا، غلاموں پر آپ نے احسان کیا، غریبوں پر آپ نے احسان کیا، جانوروں پر تک آپ نے احسان کیا، اگر ان احسانات کا ذکر کروں تو پوری رات گذر جائے، قرآن مجید اور سیرت کی کتابوں کا آپ مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ آپؐ کی شفقت واحسان سے ہر طبقہ زیربار ہے۔

جس نے ظلم کرنے سے روکا، مزدور کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دینے کا حکم دیا، جس نے سچے تاجر کو پیغمبروں کے قرب کی شہادت دی، جس نے یتیم کے پرورش کرنے والے کی فضیلت بیان کی، جس نے عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی ہدایت فرمائی، جس نے غلاموں کو آقا کا ہمسر بنایا، جس نے رنگ ونسل کے امتیاز کو ختم کیا، جس نے قیدیوں کے ساتھ رحم کا معاملہ فرمایا، وہی ہے

رحمتِ عالمؐ، اس کا پرتو زندگی کے ہر شعبے میں آپ کو نظر آئے گا، فوجیوں کو ہدایت کی کہ زخمیوں کا کام تمام نہ کرنا، عابدوں زاہدوں پر ہاتھ نہ اٹھانا، عورتوں اور بچوں کو ایذا نہ پہونچانا، پھلدار درختوں اور ہرے بھرے کھیتوں کو نہ اجاڑنا، کسی بھی قوم کی عبادت گاہ کو نقصان نہ پہونچانا۔

وہ تو سراپا رحمت ہے، اس وقت کی دنیا اور موجودہ نسلِ انسانی آپ کو خدا کا پیغمبر مانے یا نہ مانے، لیکن سب کے سب آپ کے احسان کے سائے تلے ہیں، سب آپ کے احسانات کے مقروض ہیں، چھٹی صدی مسیحی میں پوری نسلِ انسانی اپنی افادیت کھو چکی تھی انسانوں سے آباد ملک، جانوروں کے جنگل بن گئے تھے، بڑی مچھلی چھوٹی کو نگل رہی تھی، طاقتور کمزور کو کھا رہا تھا، عام انسان غلامی کے لئے اور شہنشاہ اور امراء عیش و عشرت کے لئے زندہ تھے، آپ "تاریخ زوالِ روما" پڑھئے، آپ "تاریخ اخلاق یورپ" پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ ظلم وسفاکی اور عیش و عشرت کے کیا نقشے تھے امیروں کی دعوت میں رات کے وقت غریبوں کے جسموں سے چراغاں ہوتا تھا، انسانوں کی جسم کی مشعلیں جلتی تھیں، چند امیر لذتِ کام ودہن میں مصروف رہتے تو چند غریب انسان جل کر، تڑپ تڑپ کر وہیں دم توڑتے، ہماری اس دنیا میں ظلم کی کیسی کیسی داستانیں، کیسے کیسے واقعات ہوئے، کوئی سکندر اور سیزر بن کر دنیا کو تہہ تیغ کر رہا تھا، کوئی نیرو کے روپ میں روم کو آگ لگا رہا تھا، ہوشِ ملک گیری میں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کبڈی کھیلی جارہی تھی، دنیا نے خدا کے دربار میں نالش کر دی تھی کہ ہمیں ختم کر دیا جائے، وہ زبانِ حال سے کہہ رہی تھی کہ ہماری اب ضرورت نہیں، ہم وحشی بن گئے ہیں، خدا کو سب بھلائے ہوئے تھے، انسان انسان کا معبود بن گیا تھا، ساری دنیا میں فساد عام تھا،

بڑی بات یہ تھی برائیوں کو ہنر سمجھا جارہا تھا، جیسا کہ ہمارے عزیز مولوی اسحاق جلیسؔ صاحب نے کہا، برائیاں تو ہر زمانے رہی ہیں، لیکن یہ دور ایسا تھا کہ برائیوں سے لڑنے والا، ان سے پنجہ آزمائی کرنے والا کوئی نہیں تھا، بے شک شاعری تھی، ذہانت تھی، ایران میں بڑے بڑے پہلوان تھے، لیکن بُرائی کی کلائی موڑنے والا کوئی نہیں تھا، ہر شخص پر مایوسی طاری تھی، یہ دنیا کسی کی بات ماننے والی نہیں تھی، یہ آسانی سے بُرائی چھوڑنے کو تیار نہیں تھی، بادشاہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے، فلسفی کسی کو وقعت نہ دیتے، شاعر کسی کا نام نہ لیتے، سب سہمے ہوئے تھے، ڈرے ہوئے تھے، ایسے ٹھٹھرے ہوئے تھے گویا برف اور سخت سردی پڑ رہی ہو کہ رحمتِ الٰہی کو جوش آیا۔

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نویدِ مسیحا

وہ نبی رحمت تشریف لائے جن کو قرآن مجید نے کہا "وما ارسلنٰک الا رحمة للعٰلمین"

بھائیو! ہم اسی نبی رحمتؐ کے امتی ہیں، ہم کو بھی رحمت کا مظاہرہ کرنا چاہئے، جو نبیؐ سارے عالم کے لئے رحمت کا پیام بن کر آیا ہو، اس کے ماننے والوں میں شفقت و محبت نہ ہو، سخاوت اور نرم دلی نہ ہو، انسان کی توقیر اور غریبوں کی مدد کا جذبہ نہ ہو، ظالموں کو ظلم سے روکنے کا حوصلہ نہ ہو، انصاف پر عمل نہ ہو، یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔

بھائیو! ہمیں رحمة للعالمین کی نسبت کی لاج رکھنی چاہئے، انسانیت کے دکھ درد پر ہمارا دل گداز اور آنکھیں نم ہونا چاہئے۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیؔر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

رحمۃ للعالمین کی امت کے دل میں سارے جہاں کے لئے رحم کا جذبہ اور درد کا مادہ ہونا چاہئے، میں اقبالؒ کے ان اشعار پر اپنی تقریر ختم کر کے اجازت چاہتا ہوں، اسلام کیا ہے، اس نے کیا خدمت انجام دی ہے، شیطان کی زبان سے وہ بیان کرتا ہے ؎

الحذر آئینِ پیغمبر سے سوبار الحذر
حافظِ ناموس زن مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیرِ رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

امتِ مسلمہ کی دوہری ذمہ داری

عالمی رابطۂ ادب اسلامی کی مجلس مذاکرہ منعقدہ حیدرآباد (۷ تا ۹ اکتوبر ۱۹۸۹ء) کے (جس کا عنوان "تحریک آزادی اور اصلاح عوام میں ادب اسلامی کا حصہ تھا) اختتامی جلسہ ۹ر اکتوبر کی شام کی آخری تقریر جو ایک موقر اور کثیر مجمع کے سامنے کی گئی۔ جس میں نہ صرف حیدرآباد کے متعدد و ممتاز دانشور، اہل فکر و نظر اور اہل قلم، معززین اور صاحب وجاہت احباب شریک تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امتِ مسلمہ کی دوہری ذمہ داری

حمد و صلوٰۃ کے بعد

حضرات ! ہماری اس مجلس مذاکرہ کا عنوان تھا "تحریک آزادی و اصلاح عوام میں ادب اسلامی کا حصہ" میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ ادب و شاعری سے متعلق اس موضوع کا حق ادا نہیں کر سکا، اس کی تلافی کے لئے آج کی اس مجلس کا افتتاح غزل کے اس شعر سے کرتا ہوں :

مکتب عشق کا دیکھا یہ نرالا دستور
اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

میں سمجھتا ہوں کہ یہ شعر دبستان محبت سے متعلق نہیں، بلکہ مذاہب و ادیان، اقوام و ملل، اصلاحی تحریکات، اخلاقی فلسفوں، آزادی کی جدو جہد اور تعمیر انسانیت کی تمام کوششوں کی تاریخ بلکہ تقدیر کا فیصلہ اور ایک حقیقت ہے کہ جس سبق یاد ہو گیا، دوسروں کے مقابلہ میں اس پر زیادہ ذمہ داریاں عائد ہو گئیں۔

امت اسلامیہ اور سابقہ امتوں کا حقیقت پسندانہ اور بے لاگ جائزہ لیجئے اور ان کا منصب و مقام معلوم کیجئے ، تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ جن امتوں اور ملتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اپنے وقت پر اپنے پیغام کا حامل بنا کر اس دنیا میں مامور

فرمایا ان کو دو رشتوں اور رابطوں (اور عام فہم اردو زبان میں) دو مضبوط دھاگوں سے باندھ دیا، ایک وہ دھاگا ہے جو ان کو آسمانی تعلیمات سے باندھتا اور ان کا رشتہ قائم کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے ساتھ عبودیت (بندگی) اور اطاعت (فرمانبرداری) کا رشتہ، اس سے زندگی گزارنے کے لئے تعلیمات وہدایت اخذ کرنے کا رشتہ، دعا واستمداد کا رشتہ، اور اس کو خالق کل ومالک مطلق سمجھنے کا رشتہ۔

دوسرا رشتہ یا دھاگا وہ ہے جو اس امت کو بقیہ انسانی آبادی سے مربوط ومنسلک کرتا ہے، قرآن مجید نے اس امت (اسلامیہ) کے لئے "اخراج" کا لفظ استعمال کیا ہے، جو ایک طرح سے "بعثت" کے مفہوم کے قریب تر ہے لیکن وہ انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے، یہ نیابت انبیاء، اتمام حجت، وسیع وعمومی پیمانہ پر دعوت اور مخلوق کا خالق کے ساتھ ربط قائم کرنے کا کار عظیم ہے، جو نبی ﷺ کی امت کے سپرد کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله .(سوره آل عمران . ١١٠) تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

حدیث شریف میں صاف لفظوں میں ایک جگہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو خطاب کرتے ہوئے "**بعث**" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، ارشاد ہے:

انّما بُعِثْتُم مُيَسّرِينَ وَلَم تُبعَثُوا مَعَسّرِين .(١) تم آسانی پیدا کرنے کے لئے مقرر ومبعوث کئے گئے ہو دشواری پیدا کرنے کے لئے نہیں۔

جب ایران کے سپہ سالار افواج رستم نے مسلمانوں کے معتمد سفیر

حضرت ربعی بن عامر سے سوال کیا: ما الذی جاء بکم ؟ (تمہیں کون سا مقصد یہاں لایا ہے ؟) تو انھوں نے فرمایا:

الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الی عبادة الله وحده ومن ضیق الدنیا الی سعتها ومن جور الادیان الی عدل الاسلام (ترمذی)

اگر ہم اپنی مرضی سے آتے تو کبھی کے آچکے ہوتے) ہم کو تو اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے بھیجا ہے کہ (جس کے لئے اس کی مرضی ہو) ہم اس کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف لائیں، دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی بے کراں وسعتوں سے آشنا کریں، تحریف شدہ مذاہب عالم کی ناانصافیوں سے نجات دے کر اسلام کے نظام عدل سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیں۔

حضرت ربعی بن عامر نے یہ نہیں کہا "من ضیق الدنیا الی سعة الآخرة اگر وہ ایسا کہتے تو تعجب کی بات نہ ہوتی، اس لئے کہ اسلام کی ابتدائی تعلیمات میں یہ ہے کہ دنیا وآخرت کی مساحت مکانی ومساحت زمانی، دونوں کی نعمتوں، لذتوں، عزتوں اور آزادی میں کوئی تناسب نہیں، لیکن انھوں نے ایسی بات کہی جس سے ایران کے قائد افواج (جو سلطنت کی دوسرے نمبر کی شخصیت تھی) کے دماغ پر چوٹ لگے اور وہ سوچنے پر مجبور ہو جائے "من ضیق الدنیا الی سعتها " ہم تم کو دنیا کی تنگنائی سے نکال کر اس کی وسعتوں میں لے جانے کے لئے آئے ہیں، اس لئے کہ تم حقیقت میں ایک قفس زریں کے اسیر ہو، تم ایک ایسے بلبل ہو جس کو سونے کے پنجرے میں رکھ دیا گیا ہے اور جس کو راتب کی شکل میں دانا پانی دیا جاتا ہے، ہم اس لئے آئے ہیں کہ تم کو ان تنگیوں سے نکال کر لامحدود فضاؤں اور حقیقی آزادیوں سے آشنا کریں، اور مذاہب کی ناانصافیوں سے نکال کر اسلامی عدل وانصاف سے تم کو

متعارف و مستفید ہونے کا موقع دیں، ہم اپنے حال پر ترس کھا کر جزیرۃ العرب سے نہیں نکلے کہ باہر کی دنیا جو مزے لوٹ رہی ہے ہم بھی اس میں اپنا حصہ لگائیں، ہم تمھارے حال پر ترس کھا کر نکلے ہیں کہ تم کو اس پنجڑے سے، تعیشات و عادات کی غلامی سے، خود ساختہ پابندیوں کے جال اور خدم و حشم کی محتاجی سے نکال کر خدائے واحد کی معرفت و طلب کے حدود و ثغور عالم میں پہنچائیں، اور حقیقی آزادی سے لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کریں۔

حضرات! یہی دو رشتے اور رابطے تھے جو دینی امتوں کو عطا ہوئے تھے، ایک رشتہ تھا جو آسمانی تعلیمات سے مربوط کرتا تھا، خالق کائنات سے مربوط کرتا تھا، ایسی جگہ سے اس کو باندھتا تھا، جہاں سے شریعت آتی ہے، احکام ملتے ہیں، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ توحید کیا ہے، شرک کیا ہے؟ کیا کفر ہے، کیا ایمان ہے؟ جنت کی طرف کون سا راستہ لے جاتا ہے اور جہنم کی طرف کون سا، اور ایک وہ دھاگا ہے جو انسانوں کو انسانوں سے، ایک امت کو دنیا کے تمام انسانوں بلکہ تقدیر انسانی سے وابستہ کرتا ہے، اور اقوام عالم کے حال و مستقبل پر اثر انداز ہوتا ہے، اور اقوام و ملل کے صحیح طور پر زندگی گزارنے کی ذمہ داری سپرد کرتا ہے۔

اب میں واقعات و حقائق، تجربہ و مشاہدہ، ماضی و حال کی تاریخ کی روشنی، طویل سیاحتوں اور سفروں اور تقابلی مطالعہ کی روشنی میں اس تلخ حقیقت کا (قدرے معذرت لیکن وثوق و اعتماد کے ساتھ) اظہار کرتا ہوں کہ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت جتنی مذہبی امتیں اور قومیں اور قدیم آسمانی مذاہب ہیں ان سب کا دھاگا آسمانی تعلیمات سے تقریباً ٹوٹ چکا ہے، اور اگر ہے بھی تو برائے نام ہے، اگر اس کو حرکت دی جائے یعنی مذہب کے نام سے اپیل کی جائے اور اس کا حوالہ دے کر اصرار سے

کوئی بات کہی جائے تو اس کا اندیشہ ہے کہ وہ رہا سہا دھاگا بھی ٹوٹ جائے جس کا ان کو دعوی ہے، صرف ایک امت ہے جس کا دھاگا اس وقت تک آسمانی تعلیمات سے مضبوط اور بندھا ہوا ہے، اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا، وہ صرف امت مسلمہ ہے، یہ امت اپنی ساری کمزوریوں کے ساتھ اب بھی شریعت کا احترام کرتی ہے، اس کے دل میں اب بھی اللہ کے نام کا ادب، اس کی عظمت، اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے، اب بھی یہ امت اس آسمانی کتاب کو سینہ سے لگائے ہوئے ہے جو آخری پیغمبر کے ذریعہ اس کو ملی ہے، یہ امت ہے، جس کے لئے سب سے زیادہ سحر انگیز، سب سے زیادہ پر کشش، سب سے زیادہ اس کے اعصاب پر، دل ودماغ پر اثر انداز ہونے والی چیز خدا کا نام ہے، آج بھی اس گئی گزری حالت میں روئے زمین پر صرف امت مسلمہ ہے جس کو صرف خدا کے نام پر بلایا جا سکتا ہے، جس کو خدا کے نام پر جگایا جا سکتا ہے، جس کو خدا کے نام پر اٹھایا جا سکتا ہے، جس کو خدا کے نام پر میدان کارزار میں لایا جا سکتا ہے، آج بھی اس کے لئے خدا کا نام اثر رکھتا ہے ہے، جو کسی چیز میں نہیں ہے، دنیا کہ وہ ساری قومیں، اور ملتیں جن کو دنیا کا محتسب بنایا گیا تھا، جن کے ذمہ نسل انسانی کی صلاح وفلاح کی ذمہ داری عائد کی گئی تھی، اور جن مذہبی پیشواؤں اور عالموں کو اس بات کا ذمہ دار ٹھرایا گیا تھا، کہ وہ قافلۂ انسانی کو منزل سے ہٹنے اور بھٹکنے نہ دیں، ان سب کا رشتہ آسمانی تعلیمات سے تقریبا ٹوٹ چکا ہے، اور برائے نام رشتہ ہے بھی تو وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں محاذ آرائی کے لئے ہے، ایسے موقع پر وہ قومیں مذہب کا نام استعمال کرتی ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آسمانی مذہب کی گرفت ڈھیلی ہی نہیں پڑی، بلکہ بالکل چھوٹ چکی ہے، ان قوموں کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب تک آپ ان مذاہب کے ذریعہ ان کی مرغوبات کو نہ چھڑائیے، آپ ان

مذاہب کو ان کے امتحان کا ذریعہ نہ بنایئے، آپ ان مذاہب کو اپنے طریق زندگی کو بدلنے، اپنے تہذیب و تمدن کو تبدیل کرنے اور مرغوبات چھڑانے کی دعوت نہ دیجئے، اس وقت تک وہ قومیں اپنے اپنے مذہب کی پیرو ہیں، لیکن اگر آپ ان کو ان کے مرغوبات و منافع سے دست بردار ہونے کے لئے ان کو مذہب کی دہائی دیں گے اور مذہب کا نام لیں گے تو وہ مذہب سے قریب ہونے کے بجائے اور دور ہو جائیں گی، بلکہ اس بات کا امکان ہے کہ وہ مذہب سے باغی ہو جائیں، مذاہب کی گرفت ان انسانوں کے دل و دماغ سے چھوٹ ہی نہیں ٹوٹ چکی ہے۔

اب صرف ایک امت باقی ہے جس کا رشتہ کسی نہ کسی طرح حق کے ساتھ قائم اور آسمانی کتاب سے باقی ہے، حلال و حرام کے درمیان فرق کا اس کو احساس و اقرار ہے، ایمان بالآخرۃ اس میں کسی نہ کسی درجہ میں موجود ہے، اس کو آج بھی جہنم کے نام سے ڈرایا جا سکتا ہے، آخرت، جنت اور جہنم کا نام لے کر قدیم مذاہب میں سے کسی کو متحرک کر کے دیکھ لیجئے، آپ اس کو متاثر کیا متوجہ بھی نہیں کر سکتے، آپ اگر ان کے سامنے جنت کی تمام نعمتوں اور لذتوں کو کھول کر بیان کر دیجئے تو آپ ان کے چہرہ اور پیشانی پر خوشی و مسرت کی ہلکی سے ہلکی لکیر یا سایہ بھی نہیں دیکھیں گے، اگر آپ ان کے سامنے جہنم اور عذاب کی دھمکیوں کا ذکر کریں تو ان کے چہرہ پر ایک شکن بھی نمودار نہیں ہوگی، آنکھوں میں آنسو کا قطرہ تو بڑی چیز ہے، پسینہ کا ایک قطرہ بھی ان کے بدن پر دکھائی نہ دے گا۔

دوسری طرف یہ حقیقت ہے کہ دوسری قوموں کا رشتہ آسمانی تعلیمات کے علاوہ نسل انسانی اور دنیا کے حال و مستقبل سے بھی ٹوٹ چکا ہے، صرف سیاسی و معاشی فوائد ہی ان کی زندگی میں اہمیت و معنویت رکھتے ہیں، اور وہی ان کو ان سے

مربوط رکھے ہوئے ہیں، صرف اقتدار اور سیاسی قوت و مرکزیت یا معاشی فراغت و رفاہیت ہی ان کی زندگی کے لغت (Dict ionary) میں ایک بامعنی لفظ اور ایک مفہوم حقیقت ہے، ان کو اس سے کوئی مطلب نہیں کہ نسل انسانی کس طرف جارہی ہے، دوزخ کی طرف جارہی ہے یا جنت کی طرف، وہ خود پرستی وخود فراموشی، خودکشی وخود سوزی، انسان کشی وآدم خوری کی طرف جارہی ہے، یا انسان دوستی، امن پروری اور خیر سگالی کی طرف؟ ''ہدایت'' و''ضلالت'' کے الفاظ جن کو آسمانی صحیفوں اور مذاہب نے فیصلہ کن حقیقتوں کی طرح استعمال کیا ہے، اور ان پر اپنی تعلیمات اور وعدوں کی بنیاد رکھی ہے، ان قوموں کے لئے بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں، آج ان قوموں کا حال یہ ہے کہ آپ دنیا کی خدا فراموشی کا حوالہ دے کر، بلکہ خدا سے بغاوت کا حوالہ دے کر اور اس کی مثالیں اور اس کے دل خراش اور لرزہ خیز مناظر دکھا کر متاثر نہیں کر سکتے، آپ یورپ جائیے اور ان سے کہئے کہ وھسکی (WHISKY) اور بیر (BEER) کی قیمت بڑھ گئی ہے، بلکہ نیند کی فلاں دوا کی قیمت بڑھ گئی ہے تو یقین مانئے ان کے نزدیک اس کی کہیں زیادہ اہمیت ہے، بہ نسبت اس بات کے کہ آپ ان سے کہیں کہ آپ کے ملک میں فسق وفجور بہت پھیل گیا ہے، لوگ خدا کو بھولتے جارہے ہیں، تعیش اور جائز وناجائز طریقہ پر لذت اندوزی اور مطلب برآری عام ہو رہی ہے، ان پر ان باتوں کا کوئی اثر محسوس نہ ہوگا، آج یورپ کا حال یہ ہے کہ خدا کو ناراض کرنے والے عمل، خدا کے عذاب کو دعوت دینے والے عمل، بلکہ نسل انسانی پر عذاب الٰہی نازل کرنے والے عمل کی کوئی اہمیت نہیں، درآمد برآمد (AMPORT AND EXPORT) کی رفتار و کیفیت اور اس کی ترقی و تنزلی سے امریکہ، روس، برطانیہ، جرمنی، فرانس کو

دلچسپی ہے، ملک کی آمدنی میں اضافہ وکمی سے ان پر اثر ہوتا ہے، لیکن اگر آپ ان سے کہیں کہ گناہ بڑھ رہے ہیں، ظلم وجارحیت میں اضافہ ہو رہا ہے، تو یہ بات ان کے لئے بالکل ناقابل التفات ہے، اگر آپ ان سے کہیں اے علم وادب اور ذرائع ابلاغ کے ذمہ دارو! اے شاعرو اور ادیبو! اے یورپ کے اہل قلم! بڑے ڈرنے کا مقام ہے کہ دنیا ہلاکت وبربادی کی طرف جارہی ہے، دنیا میں ظلم وستم عام ہو رہا ہے، سود کا جال پھیلتا جارہا ہے، دنیا محض تجارت کی ایک منڈی بن گئی ہے، جس میں صرف خریدار وگاہک کا وجود ہے، تو اس کی ہزار درجہ میں بھی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہ ہوگی۔

اب صرف ایک امت رہ گئی ہے جس کے نزدیک خالق ومخلوق اور ان کے باہمی ربط کے معنی باقی ہیں، اور ساری زندگی، (عقائد واعمال، باہمی تعلقات واخلاقیات، اور اقتصادیات وسیاست میں) اس کے تابع ہے، علامہ اقبال نے ابلیس کے حوالہ سے ایک بہت بڑی عالمی حقیقت کا اظہار کیا ہے جو اس نے ابلیسی مجلس شوریٰ کی صدارت کرتے ہوئے اپنے مشیروں سے کہی تھی اس نے اس امت کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے کہا:

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

احتسابِ کائنات کا فریضہ اس امت کے ذمہ کیا گیا ہے، دنیا کس طرف جارہی ہے کیا رجحانات کام کر رہے ہیں؟ اس کی فکر اسی امت کو ہونی چاہئے، یہ دین ان اصولوں اور تعلیمات پر مبنی ہے، اور اس شریعت پر مشتمل ہے جو ابلیسی نظام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور "**سدِّ سکندری**" ہے۔

صدر مجلس ابلیسی اس دین محمدی وشرع اسلامی کی ان خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے (جو اس کے لئے چیلنج کا درجہ رکھتے ہیں) کہتا ہے :

الحذر آئین پیغمبر سے سوبار الحذر — حافظ ناموس زن، مرد آزما مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لئے — نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیر رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف — منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب — بادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں

حضرات! ہمیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہئے، اور جیسا کہ میں نے اس مجلس مذاکرہ کے خطبۂ صدارت میں کہا تھا کہ ہمارا کام ابھی ختم نہیں ہوا، ہم نے اس سے پہلے آزادی ملک کے لئے سرفروشانہ و مجاہدانہ کردار ادا کیا ہے، اب ہمیں اس ملک میں مصلحانہ و مفکرانہ ذمہ داریوں کو ادا کرنا چاہئے، ہم خدا کے یہاں مسئول ہیں میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اگر ہم بھی دنیا کی موجودہ قوموں کی طرح زندگی گزارتے رہے، اور کھانے پینے اور معاشی وسیاسی مفادات، اور صرف اپنے اور اپنے خاندانوں کی پرورش میں منہمک رہے تو یاد رکھئے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا دست مبارک ہوگا اور ہمارا گریبان، ہم سے دریافت کیا جائے گا کہ تمھاری موجودگی میں ملک میں کیوں خون خرابہ ہو رہا تھا، کیوں شراب خانے عام ہو رہے تھے، دنیا میں انسانی حقوق غصب کئے جارہے تھے، قوموں کو غلام بنایا جارہا تھا، انسانی جان و مال اور عزت وآبرو کی کوئی قیمت نہیں تھی، تمھارے ہوتے ہوئے خدا کے احکام سے کھلی ہوئی سرتابی کیسے کی جارہی تھی، تمھاری موجودگی میں یہ بہیمانہ وحیوانی تمدن کیسے فروغ پارہا اور پھل پھول رہا تھا، اور خدا فراموشی سکھا رہا تھا، تمھاری موجودگی میں یہ فحش ادب کیسے گھر گھر پھیل رہا تھا، اور بے حیائی کی کھلی

ہوئی تلقین کر رہا تھا۔

میں صاف کہتا ہوں کہ آپ اپنی ساری کمزوریوں اور مشکلات و مسائل کے ساتھ اس ملک کو تباہی سے بچانے کی اب بھی صلاحیت رکھتے ہیں، دنیا کے فلاسفرس، دانشوروں، نکتہ آفریں و سحر انگیز ادیبوں اور اہل قلم کا میں احترام کرتا ہوں کہ میں خود علمی دنیا کا آدمی ہوں، لیکن اس احترام کے باوجود میں کہتا ہوں کہ یہ سب قابل احترام عناصر، گروہ واشخاص، اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں، اور کسی کو ملک و معاشرہ کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں، رحمۃ للعالمین ﷺ کی امت کی موجودگی میں اس ملک میں جہیز کے نام پر بے گناہ و بے زبان لڑکیوں کو جلایا جائے، زبان کے مسئلہ پر ٹرینوں سے بے قصور و ناواقف مسافروں کو پکڑ پکڑ کر مارا جائے، اس ملک میں محض خیالی مفروضات پر یا مشکوک تاریخی واقعات پر امن وامان کو تباہ کیا جائے، اس ملک میں بجائے اس کے کہ امن وامان ہو، بجائے اس کے کہ انسان انسان کو دیکھ کر خوش ہو، انسان کے اندر انسان کو دیکھ کر نفرت کا جذبہ پیدا ہو، میں نے ناگپور کی ایک پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ "آپ اس ملک کے متعلق کیا رائے قائم کیجئے گا، جہاں انسان اپنے معصوم بچوں کو دیکھ کر خوش نہ ہو، ان معصوم اور شگفتہ کلیوں کو دیکھ کر بجائے بشاشت کے اس کے چہرہ پر فکر و پریشانی کی پرچھائیں اور سائے نظر آئیں، اور وہ جب گھر سے نکلے تو یہ سوچ کر نکلے نہ معلوم نہیں کب ہسٹریا اور فرقہ وارانہ جنون کی ایک لہر آئے اور جنون کا ایسا دورہ پڑے کہ ان معصوم کلیوں اور مسکراتے پھولوں کو مسل کر رکھ دے" اور کیا فرقہ وارانہ فسادات میں ایسا نہیں ہوا؟

رسول اکرم ﷺ آخری شب میں اپنے مالک و خالق سے جو باتیں کرتے

تھے ،او جن حقیقتوں کی گواہی دیتے اور اقرار فرماتے تھے ،ان میں ایک جملہ یہ بھی سنا گیا کہ "انا شهید ان العباد کلهم اخوة "(میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سب بندے بھائی بھائی ہیں)آپ تمام مخلوق میں تنہا اس بات پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ سارے انسان خدا کی مخلوق ہیں ،سب خد کے بندے اور ایک ہی انسانی کنبہ ہیں، پھر اس ملک کو ڈوبنے سے بچانے کی ذمہ داری سب سے زیادہ کس کے سر ہے ؟یہ خدا کی نعمت کی ناشکری ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ملک پر کسی شکل میں عذاب آئے ،زن سوزی، خودسوزی کی شکل میں عذاب آئے ،اور انسان کو مارنے اور پیسے کی حد سے بڑھی ہوئی محبت کی شکل میں عذاب آئے ،سب کو یقین ہو کہ پیسے سے ہر کام کرایا جاسکتا ہے ،آج ملک کا کیا حال ہو گیا ہے ؟دفاتر میں ،بسوں میں ،ٹرینوں میں ،بے تکلف مجلسوں میں ،ہر جگہ روز مرہ حقیقت کے طور پر بے تکلف کہا جاتا ہے کہ پیسہ سب کچھ قوت ہے ،اس سے ہر صحیح وغلط کام کرایا کا سکتا ہے۔

کیا امت مسلمہ کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ یہ بتائے کہ نہیں ایک ہستی ایسی بھی ہے ،جس کو ساری سلطنتیں مل کر بھی خرید نہیں سکتیں ،اور واقعی ایسا ہوا ہے ،اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حکمراں عباسی خلیفہ منصور کے پاس ابن طاؤس بیٹھے ہوئے تھے ،دوات ان کے پاس رکھی ہوئی تھی، ان سے خلیفہ نے کہا کہ ذرا دوات اٹھا دیجئے !ابن طاوس نے اٹھانے سے یہ کہ کر انکار کر دیا کہ مجھے اس بات کا اطمینان نہیں کہ آپ اس سے کیا لکھیں ؟اس لئے اس خطرناک اور مہم کام میں آپ کا مددگار نہیں بن سکتا۔

حدیث شریف میں آتا ہے :۔

افضل الجهاد کلمة حق عند سلطان جائر ۔سب سے بڑا جہاد صاحب اقتدار

کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔

آج صحافت (Press) نے سلطان جائر کی حیثیت اختیار کرلی ہے اور اس کو (His Excellency) بھی کہا جاتا ہے، آج سیاست کے میدان نے، الیکشن کے طریق کار نے، جمہوریت نے۔ "**سلطان جائر**" کی حیثیت اختیار کرلی ہے، ان کے سامنے کلمۂ حق کہنے والے کتنے ہیں؟ آپ یاد رکھئے! طرز عمل کا بڑا اثر ہوتا ہے، سارا انڈونیشیا، اور ملیشیا مسلمان تاجروں اور بے لوث داعیان دین کے خلوص وکردار اور طرز عمل سے مسلمان ہو گیا، انھوں نے ایک نیا تجربہ کیا کہ مسلمان تاجر دیانتدار ہوتا ہے، کوئی شخص اس کی دوکان سے سامان خرید کرلے گیا، وہ تاجر خریدار کو ڈھونڈتا اور تلاش کرتا پھرتا ہے اور اس کو بتاتا ہے کہ میرے فلاں سامان میں فلاں خرابی تھی، وہ سامان واپس کر کے اپنی قیمت لے لیجئے، تاریخ بتاتی ہے کہ ایک بھی مسلمان سپاہی وہاں نہیں گیا، سپاہیوں اور فوجی خدمت کرنے والوں کا حال یہ تھا، جن کے متعلق حالی کا یہ کہنا بر محل ہو گا کہ :-

سزاوار ہے ان کو جو ناسزا ہے

جب ایران کا عظیم الشان ملک فتح ہورہا تھا اور وہاں کے خزانے مسلمانوں کے قبضہ میں آرہے تھے، تو ایک غریب مسلمان کے ہاتھ شہنشاہ کسریٰ کا تاج لگ گیا، جس کی قیمت اس وقت لاکھوں روپے تھی، آج کے حساب سے توکئی ارب روپۓ اس کی قیمت لگے گی، وہ مسلمان سپاہی جس نے شاید صبح کا ناشتہ بھی نہ کیا ہوگا، اس کو اپنے دامن میں چھپا کر قائد لشکر حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس لے گیا، اور ان کے سپرد کر دیا، ان کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں کہ ایسے لوگ بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں، جو لاکھوں کی مالیت کو ہاتھ نہیں لگاتے، اگر یہ چھپا کر گھر

لے جاتا تو کون پوچھتا اور کس کو معلوم ہوتا؟ امیر لشکر نے نام پوچھا تو اس نے کہا کہ "میں نے جس کے لئے یہ کام کیا وہ میرا نام جانتا ہے" اور سلام کر کے رخصت ہوا، اس کے پیچھے ایک آدمی بھیجا جاتا ہے کہ وہ کس قبیلہ کے خیمہ میں جاتا ہے، تب جا کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کون اور کس قبیلہ کا آدمی تھا، اگر آپ دفاتر میں ہیں تو، کارخانوں میں ہیں تو، بازاروں میں ہیں تو، آپ اپنا امتیاز ثابت کیجئے :۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ.

(سورہ انفال . ۲۹) اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمھیں ایک فیصلہ کی چیز دے دے گا اور تمھارے گناہ دور کر دے گا۔

تم اگر اللہ سے شرم ولحاظ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک امتیازی شان عطا فرمائے گا، ایک نور عطا فرمائے گا جو آگے آگے چلے گا اور بتائے گا کہ یہ مسلمان جارہا ہے، انگلیاں اٹھیں گی کہ یہ مسلمان جارہا ہے، آج برملا یہ کیوں نہیں کہا جارہا ہے کہ انصاف دوستی، انصاف پسندی اور ہمدردی دیکھنا ہو تو کسی مسلمان کو دیکھو، وہ غریبوں کی مدد کر رہا ہے، یتیموں کو سہارا دے رہا ہے، بیواؤں اور مسکینوں کی خبر گیری کر رہا ہے، راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کر رہا ہے، چاہئے تو یہ تھا کہ آپ کے تصور کے ساتھ اخلاق کا تصور آئے، خدا کے خوف کا تصور آئے، شرافت اور اخلاقی بلندی کا تصور آئے، حب الوطنی اور انسان دوستی کا تصور آئے، اور آپ کے ہوتے وہ کشتی جس پر آپ خود سوار ہیں، اور ملک کا نہیں آپ کا صدیوں کا تہذیبی، علمی، ثقافتی، دعوتی اور تاریخی بیش قیمت سرمایہ ہے جس پر بہترین ذہانتیں، انسانی توانائیاں، اور خلوص وصداقت اور اخلاق وروحانیت کا جوہر صرف ہوا ہے، رکھا ہوا ہے، وہ ڈوبنے نہ پائے۔

یہی نہیں بلکہ اس عہد میں اور خدا کی وسیع دنیا میں اور دور و قریب ممالک میں (جہاں آپ کے دینی بھائی کسی تعداد میں رہتے ہیں، یا آپ وہاں اپنی آواز پہنچا سکتے ہیں) سچی خدا پرستی، انسان دوستی ، ہدایت خلق اور دعوت الی اللہ کی آواز بلند ہوتی رہے، اور دنیا اس ازلی و ابدی سبق کو جس کو اس کے پیغمبر اپنے اپنے وقت میں اور آخر میں اس کے آخری پیغمبر خاتم النبیین ﷺ ہمیشہ کے لئے لے کر آئے اور ان کی امت کے داعی اور ان کے نائب اپنی اپنی طاقت کے مطابق پہنچاتے رہے ، یکسر فراموش نہ ہونے پائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (سورۃ البقرہ.۱۴۳) اور اسی طرح ہم نے تمھیں بنا دیا ایک امت عادل تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور رسول گواہ رہیں تم پر۔

یہ ہے امت مسلمہ کی دوہری ذمہ داری، جس کو ادا کرنا اور اس سے عہدہ برآ ہونا، اس کا دینی، انسانی اور اخلاقی فرض ہے، اور جس کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن.

امت کی بقا

اور

عقیدۂ ختمِ نبوت

ختمِ نبوت کانفرنس کانپور منعقدہ
۹، ۱۰، ۱۱، اکتوبر ۱۹۹۸ء کے جلسۂ عام میں
۱۱ر اکتوبر کو حلیم ڈگری کالج گراونڈ میں کی
گئی مفکرؒ اسلام کی ایک اہم اور مؤثر تقریر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امت کی بقا

اور

عقیدۂ ختمِ نبوت

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلیٰ اَشرَفِ المُرسَلِینَ وَخَاتَمِ النَّبِیّیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحبِہٖ وَ ذُرِّیّتِہٖ اَجمَعِینَ وَمَنْ تَبِعَھُم بِاِحسَانٍ وَّدَعَابِدَعْوَتِھِمْ اِلیٰ یَوْمِ الدِّینِ وَبعدُ!

اَعُوذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیْم

"اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم وَاَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی وَرَضِیتُ لَکُمُ الاِسلَامَ دِیناً(المائدہ. ۳)

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَااَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُم وَلٰکِنْ رَّسُولَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّیْنَ"(الاحزاب. ٤٠)

حضرات! قادیانیت کے موضوع پر بڑی فاضلانہ، مفکرانہ، متکلمانہ اور تحلیل و تجزیہ کے ساتھ اہم اور وقیع تقریریں آپ نے سنی ہوں گی، میں ان

تفصیلات میں نہیں جا سکتا، وقت کی کمی کی وجہ سے بھی اور عمر و صحت کے تقاضے سے بھی، اور اس لئے بھی کہ اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھتا، لیکن تاریخ کے نہ صرف ایک طالب علم بلکہ ایک مصنف اور تاریخ عالم کے ایک واقف کار کی حیثیت سے اور پھر اس کے ساتھ دنیا کے مختلف ممالک اور دنیا کے ایک بڑے حصہ کی سیر وسیاحت کرنے والے ایک داعی کی حیثیت سے بھی آپ کے سامنے کچھ خصوصی باتیں رکھنا چاہتا ہوں، ایسی باتیں جو اس موضوع پر فیصلہ کن ثابت ہوں گی۔

پہلی بات تو یہ کہنی ہے کہ ابھی جو ہم نے آپ کے سامنے آیتیں پڑھیں، یہ ہم نے اور آپ نے قرآن مجید میں ایک دوبار نہیں سیکڑوں ہزاروں بار پڑھی ہوں گی، اللہ توفیق دے کہ ساری عمر پڑھتے رہیں، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ان آیات سے جو نتیجہ نکلتا ہے، اور ان آیات سے جو حقیقت ظاہر ہوتی ہے اور حقیقت تک پہنچنے کی جو توفیق ہوتی ہے، اس کی اہمیت پر بہت کم لوگوں نے غور کیا۔

پہلی آیت جو ہم نے آپ لوگوں کے سامنے تلاوت کی وہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُم وَاَتْمَمْتُ عَلَيكُمْ نِعْمَتِى وَرَضِيْتُ لَكُم الاِسْلَامَ دِيناً (سورۂ مائدہ. ۳) آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت کو تمہارے لئے پوار کر دیا، اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کر چکا۔

دوسری آیت کریمہ جو تلاوت کی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ آبا آحَدٍمِّن رِّجَالِكُمْ وَلٰكِن رَسُوْلَ اللهِ وَخَاتَم النبيين (سورۂ احزاب ۰ ۴۰). محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور آخری نبی ہیں۔

امت مسلمہ کی سب سے بڑی دولت اور خصوصیت

ان آیات سے اس امت کو نہیں بلکہ عالم کو جو دولت ملی ہے، اور جو نعمت ملی ہے، جو خصوصیت عطا ہوئی ہے، اس پر بھی بہت کم لوگوں نے غور کیا، ایک بات تو یہ ہے کہ ان آیتوں سے حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے اختتام کا اعلان کیا، کہ آپ خاتم النبیین ہیں، نبوت کا سلسلہ آپ کی ذات پر ختم ہوتا ہے، اب کوئی نبی نہیں آئے گا، اب کوئی درجہ مزید تعلیم واصلاح کا باقی ہی نہیں رہا کہ کسی نئے نبی کی ضرورت باقی رہتی، دعوئی نبوت کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دین (یعنی اسلام) کو مکمل فرمادیا، اور اپنی نعمت پوری کردی، اس اکمال دین واتمام نعمت کے بعد یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو جاتی ہے کہ اب دین میں کسی ترمیم، اضافہ اور تصرف کی گنجائش باقی نہیں رہی، اور نہ ہی کسی نبی کی بعثت کی حاجت وضرورت۔

یہ اس امت پر اللہ کا ایک عظیم احسان وانعام ہے اور اس کی خصوصیت کہ رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے رحلت فرمانے سے پہلے ہی، یہ کھلا اور برملا اعلان کر دینا تھا، کہ نبوت کا محمد ﷺ پر اختتام ہو گیا، اور دین اور خدا کی نعمت عظیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچادیا گیا، اب نہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی ملت اسلامیہ کے بعد کوئی ملت ہوگی (۱)

اس اعلان ربانی سے جو پوری صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں فرمادیا گیا ہمیں بڑا سبق اور پیغام ملتا ہے، اس اعلان سے ہمیں وحدت عقائدی اور وحدت ارکانی کی دعوت ملی، وحدت زمانی اور وحدت مکانی کی دعوت ملی، پہلی بات تو یہ صاف طور پر اس سے عیاں ہوتی ہے کہ قیامت تک کے لئے اب اس امت اسلامیہ، امت محمدیہ، کے عقائد بھی ایک ہوں گے، ارکان بھی ایک ہوں گے، دوسری بات یہ کہ ہر زمان

ومکان میں، ہر عہد اور ہر دور میں اور ہر اس جگہ جہاں مسلمان آباد ہیں، وہاں پر ایک وحدت پائی جائے گی، دینی وحدت، اعتقادی وحدت، عملی وحدت۔

وَحدتِ عقائد

"**وَحدتِ عقائد**" یہ ہے کہ اس "**امت**" کے (جو اپنے کو مسلمان کہتی ہے، قرآن کا کلمہ پڑھتی ہے، اسلام کا دعویٰ کرتی ہے) عقائد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت تک ایک رہیں گے، توحید کامل رہے گی، پیغمبروں کی رسالت اور انبیاء کی نبوت پر ایمان جنھیں اللہ نے اپنے اپنے وقت اور اپنی اپنی جگہ اس نازک اور عظیم کام کے لیے انتخاب کیا، اور پھر آخری پیغمبر اور آخری نبی ﷺ کہ جن کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا، پچھلے پیغمبروں کی رسالت پر بھی ایمان اور آپ ﷺ کی رسالت ونبوت اور اس کی خاتمیت پر بھی ایمان، اور اس طرح ایمان کہ نبوت ورسالت آپؐ پر ختم ہے، نبوت کے ساتھ نبوت کی خاتمیت پر بھی ایمان کہ اب کسی کو بھی تا قیامت نبوت نہیں ملنی ہے، یہ کوئی معمولی اور ہلکی بات نہیں ہے، دنیا میں کسی بھی امت کو یہ فضیلت نہیں ملی۔

اسی طرح ہم نبی اور رسول کی رسالت ونبوت کے اقرار اور ان کے شرف ومرتبہ کے اعتراف کے ساتھ یہ کہتے ہیں، کہ کسی بھی نبی ورسول کی امت کو یہ خصوصیت نہیں حاصل ہوئی کہ یہ وحدتیں (وحدت عقائد بھی ہو اور وحدت ارکان بھی ہو) ملی ہوں جو اس امت کو ملیں، یہ امتیاز اللہ رب العالمین نے صرف امت محمدی کو ہی عطا کیا۔

وحدتِ ارکان

"**ارکانی وحدت**" یہ ہے کہ دین کے ارکان میں ذرا بھی فرق نہیں آنے دیا جائے گا، نہ کسی زمانہ میں نہ ہی کسی علاقہ میں، کہ حالات کو دیکھ کر کے نماز تین وقت

کی کر دی جائے ،یا کوئی اور تبدیلی لائی جائے ،یا یہ کہ روزے کے ایام بدل دیئے جائیں، ایک لطیفہ یاد آیا، بڑے منصب پر فائز ایک محترم شخصیت نے (میں نام نہیں لوں گا) ہم سے کہا کہ مولانا صاحب! آپ لوگ اتنے سخت موسم میں روزے رکھتے ہیں، رمضان جاڑے میں کیوں نہیں کر لیتے، تو یاد رکھئے !! ارکان جیسے تھے ویسے ہی رہیں گے، اور اسی طرح ادا کئے جائیں، نماز وہی پانچ وقتوں کی، روزے وہی رمضان کے مبارک مہینے کے، نہ جاڑے سے اس میں فرق آئے گا نہ گرمی سے، زکوۃ اسی طرح اپنے نظام اور نصاب کے مطابق جو بنایا گیا ہے، اور جس کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے، ''حج'' ٹھیک اسی طرح ''بیت اللہ شریف'' کا اپنے تمام مناسک کے ساتھ بغیر کسی فرق اور تبدیلی کے اور اس کے تمام مناسک ہمیشہ ایک ہی رہیں گے، قیامت تک اس میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا اور نہ ہونے دیا جائے گا، یہ جو وحدت ہے اسے وحدت ارکانی کہتے ہیں۔

ختم نبوت کا اعلان اس امت کی حفاظت وبقا کا ضامن ہے

آپ تاریخ کا مطالعہ کریں، ہم نے تاریخ کا الحمد للہ خوب مطالعہ کیا ہے، اور ہمیں اس کی اپنے علمی کاموں اور تصنیفی کاموں میں برابر ضرورت بھی پڑتی رہتی ہے، ہم نے یہودیت وعیسائیت کی مستند کتابیں بھی پڑھی ہیں، آپ کو صاف نظر آئے گا کہ ان کی پوری تاریخ مد وجزر کی تاریخ ہے، نشیب و فراز کی تاریخ ہے، مشرق ومغرب کی تاریخ ہے، محبت واختلاف کی تاریخ ہے، عقائد میں اختلاف، ارکان کے ادا کرنے میں اختلاف، یہ جو میں آپ سے کہہ رہا ہوں محض امت کے ایک فرد ہونے کے ناطے نہیں، تاریخ ومذاہب کا مطالعہ رکھنے والی کی حیثیت سے بھی، ذرا آپ بھی مطالعہ کیجئے، فرنچ کی کتابیں پڑھئے، جرمن کتابیں پڑھئے، انگلش

کتابیں پڑھئے، مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے، مذاہب کی جو تاریخ لکھی گئی ہے، آپ ان مؤرخوں کو اس کا اقرار کرتے نہیں بلکہ شرم سے گویا منھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بلکہ ایسے احساس کمتری کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے دیکھیں گے، اور آپ دیکھیں گے کہ اسلام سے پہلے کے مذاہب میں سے کوئی مذہب بھی ایسا نہیں کہ اس کے پیغمبر نے جس طرح اعلان کیا اور جو باتیں بتائیں، وہ مذہب ان کی بتائی ہوئی تعلیمات کے مطابق صدیوں چلتا رہا ہو، صدیوں کیا بلکہ بعض مرتبہ تو نصف صدی اور دہائیوں تک بھی چلنا مشکل ہو گیا۔

ان مذاہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہاں اتمام نبوت کا اور ختم نبوت کا اعلان نہیں کیا گیا تھا یہ کہیں نہیں ملتا کہ ان مذاہب کو جو لوگ برحق مانتے ہیں اور ان پر پورا یقین رکھتے ہیں اور فخر کرتے ہیں وہ بھی جہاں تک ہماری معلومات ہیں ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ نبی و رسولؑ نے اپنی خاتمیت خاتم الرسل و خاتم الانبیاء ہونے کا دعویٰ کیا ہو، کسی نے بھی ایسا نہیں کیا، نہ ہی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ایسا اعلان ہوا۔

آپ ان تمام مذاہب کی تاریخ میں پڑھیں گے، ذرا کشادہ نظری کے ساتھ اور کشادہ ذہنی کے ساتھ آپ دیکھیں تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ ان میں صرف اختلاف ہی نہیں بلکہ تضاد پایا جاتا ہے، یہ مذہب شروع میں یہ کہتا تھا اور اب یہ کہتا ہے، اس مذہب کے پیشوا اگر یہ نہ کہیں تو کم از کم احتیاط کے لئے یہ کہتے ہیں، اس مذہب کے پیشوا اور ترجمان اور اس کے مستند عالم پہلے یہ کہتے تھے، اب ان کی رائے وہ نہیں رہی وہ اب یہ کہتے ہیں، یہ صحیح عقیدہ ہے اب ان کا کہنا یہ ہے کہ صحیح عقیدہ وہ نہیں یہ ہے، عبادت یہ ہے، نہیں یہ عبادت نہیں تھی بدعت ہے، یہ ثابت ہے، نہیں یہ ثابت نہیں، مفروضہ ہے، آپ دیکھیں گے کہ ان مذہب میں

عقائد کا اختلاف ملے گا، ارکان کا اختلاف ملے گا، زمانہ کے ساتھ وہ بدلتے رہیں گے، اختلاف زمانی بھی ہے اور اختلاف مکانی بھی، اس لئے آپ کو صاف صاف نمونے ملیں گے ایسے نمونے ملیں گے ایسے نمونے کہ اس مذہب کی اشاعت کا جو دائرہ ہے اور علاقہ ہے، جو اس کی دنیا ہے، مذہبی دنیا اس کے کسی حصے میں کچھ ہو رہا ہے، کسی حصہ میں کچھ، یہ سب اس کا نتیجہ تھا کہ وہاں ختم نبوت کا اعلان نہیں ہوا تھا ان لوگوں کے لئے اس کا موقع تھا، اور گنجائش تھی، جائز و ناجائز کی امکانی گنجائش تھی کہ وہ جو چاہیں دعویٰ کریں، آج یہ بات کیوں ہے کہ ساری دنیا کے انقلابوں کے باوجود، سیاسی انقلابات بھی، اجتماعی انقلابات بھی اور اخلاقی انقلابات بھی یہ بعثت محمدی ﷺ سے پہلے نہیں پیش آئے، یہ تاریخی شہادت ہے، اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا، علمی انقلابات کے ساتھ، علمی ترقیات کے ساتھ، علمی تحقیقات کے ساتھ اور نئے نئے اکتشافات کے ساتھ اور نئے نئے فوائد حاصل ہونے کی امید کے ساتھ جو اس میں تغیر و تبدل کرنے سے اور نیا دین اور نیا عقیدہ پیش کرنے سے ہو سکتے ہیں، یہ جو بعثت نبوی کے بعد ہوا ہے اس کے پہلے کبھی نہیں ہوا، میں ایک تاریخ داں کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ اس کی کوئی مثال نہیں ملے گی۔

لیکن اس کے باوجود یہ دین اب تک ایک چلا آرہا ہے، انبیاء اور رسل جو گزر گئے ہیں ان پر ایمان باقی ہے، ابھی بھی اللہ تعالیٰ کی برتری اور قدرت کاملہ کہ "انما امره اذا أراد شيئا ان يقول له كن فيكون " اور اس کی ذات کی وحدت کہ پورے عالم کو چلانے والا وہی ہے، جو اس کائنات کہ یہ کائنات اس کے قبضہ اور دست قدرت میں ہے، "انما امره اذاارادشيئا ان يقول له كن فيكون" ان سب کے باوجود یہی ایک چیز ہے جو ابھی تک بنیادی اور اساسی عقائد پر،

میں ان چیزوں کو نہیں کہتا جو کسی نے جیسے کہ ابھی آپ نے نظم سنی اپنے کسی دنیاوی مفاد کے خاطر یا کسی رشوت کے نتیجے میں یا کسی مفاد کے سلسلے میں عزت وجاہ کے سلسلہ میں پیدا کر دیا، دین میں وہ چیز بالکل نہیں چلنے پائی، آج تک دین بالکل صاف اور منقیٰ مجلی موجود ہے، اور سب جانتے ہیں کہ اگر نیت خراب نہیں ہے، اور خدا کا اگر خوف کسی بھی درجہ میں باقی ہے، تو وہ بدعت وسنت کو سمجھتا ہے کہ یہ سنت ہے اور یہ بدعت ہے، بدعت کو کوئی بھی سنت ثابت نہیں کر سکتا، معصیت کو کوئی بھی طاعت ثابت نہیں کر سکتا، شرک کو کوئی توحید ثابت نہیں کر سکتا، کوئی اللہ کی رضا کا ایسا طریقہ جس میں رسم ورواج کی بو آتی ہو، دنیاوی مفاد ہو، نہیں جانا جا سکتا، یہ کس بات کا نتیجہ ہے، یہ نتیجہ ہے اتمام نبوت اور ختم نبوت کے اعلان کا۔

آج آپ یورپ وامریکا کے آخری سرے تک چلے جائیے، معذرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ کم لوگوں کو اتنی سیر وسیاحت کا اتفاق ہوا ہوگا جتنا ہمیں ہوا، اس میں ہماری قابلیت اور لیاقت کو دخل نہیں یہ محض اللہ کا فضل وانعام ہے، کہ کم سے کم عالم اسلام کو لے لیجئے عالم غیر اسلامی کی بھی ہم نے خوب سیر کی ہے، یورپ وامریکا وافریقہ سب ہم نے دیکھے ہیں، عالم اسلام کا تو شاید ہی کوئی کونہ ہم سے بچا ہو، مراکش جس کو عربی میں مغربی اقصیٰ کہتے ہیں (انتہائی مغربی کونہ) اور صرف مغرب اقصیٰ مراکش تک ہی نہیں وہاں کے آخری حصہ اور آخری سرے تک یعنی وجدہ تک میں گیا ہوں، اور پھر اس کے بعد ادھر تاشقند بخاریٰ اور سمرقند بھی جانا ہوا ہے، وہاں نمازیں بھی پڑھی ہیں، بزرگوں کے مزارات کی زیارت بھی کی ہے، وہاں خطابات بھی ہوئے ہیں، وہاں کے ارباب حل وعقد سے ملاقاتیں بھی ہوئی ہیں، اس کے علاوہ عالم عربی کا کوئی ملک نہیں جہاں میں نہیں گیا، عراق، شام، مصر، لیبیا،

شرق اردن، ترکی، خلیج کا علاقہ اور صرف یہ ملک ہی نہیں شہر شہر گیا ہوں لیکن کوئی جگہ ایسی نہ پائی جہاں دین کی بنیادی باتوں میں فرق پاتا، یہاں دین کے ارکان کچھ ہوں وہاں کچھ ہوں، نماز پڑھیں بھی اور اللہ کے فضل سے پڑھائیں بھی، لیکن اس کے لئے ہمیں کوئی گائڈ بک تک نہیں دی گئی کہ آپ نمازیں پڑھانے جارہے ہیں یہاں آپ کے ملک کی طرح نماز نہیں ہوتی، یہاں وضو کے بعد یہ یہ کرنا اور پڑھنا ہوتا ہے، یہاں کھڑے ہو کر ایک خاص دعا پڑھنی ہوتی ہے، یہاں دیوار پر یوں ہاتھ لگانا ہوتا ہے، یہاں نماز شروع کرنے سے پہلے یہ الفاظ کہنے پڑتے ہیں، یہ عبارت سنانی پڑتی ہے، کچھ کہنا پڑتا ہے، خاص قسم کی تعلیم دینی پڑتی ہے، اگر قبر ہے تو اس کے آگے جھکنا پڑتا ہے، بے جان سے حاجت براری کرنی پڑتی ہے، یہ کتنی وسیع دنیا ہے چپہ چپہ میں مسلمان آباد ہیں لیکن ایک طرح کی نماز ہر طرف ہو رہی ہے، جا کر آپ کہیں دیکھ لیجئے ،افغانستان ، ترکستان ،انگلستان مراکش ، مصر، اندلس، (اسپین) روس، چین، جاپان، کہیں چلے جایئے ادھر لیبیا، سوڈان، الجزائر جا کر دیکھ لیجئے آپ اطمینان سے نماز پڑھ سکتے ہیں اور پڑھا بھی سکتے ہیں خدا کے فضل سے یہ شرف وعزت بھی ہمیں حاصل ہوئی مگر کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت نہ سمجھی اور نہ ہم نے کچھ پوچھنے کی، وقت ہوا تو کہا گیا آگے بڑھئے آگے بڑھ گیا بعد میں بھی کسی کو کوئی اشکال واعتراض نہیں ہوا، اور نہ کوئی کمی لگی۔

سب فیض ہے ختم نبوت کا!

آخر یہ کس بات کا نتیجہ ہے، یہ نتیجہ ہے ختم نبوت کا، اتمام نبوت کا، اکمال شریعت کا اگر یہ ختم نبوت کی دولت نہ ہوتی تو اس امت کو یہ اعزاز اور یہ امتیاز نہ ملتا، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ یہ جو آپ کانپور میں بیٹھے اتنے وسیع میدان میں کثیر

تعداد میں اکٹھا ہوئے دین کی باتیں سن رہے ہیں یہی نماز، یہی روزی یہی زکوٰۃ، یہی حج سارے ارکان اسی طرح باقی ہیں، کتنے سیاسی انقلابات آئے اور کتنے موانع پیدا ہوئے، سمندر کا سفر کتنا خطرناک بن گیا لیکن حج کا سفر اسی طرح چلا آرہا ہے، کوئی بھی اس کو روک نہ سکا بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے، ہنگامے برپا ہوئے، کچھ فرق نہ پڑا، کیسے کیسے انقلابات آئے حکومتیں ہٹ گئیں، ماحول بدل گیا، لیکن حج جیسا کل فرض تھا آج بھی فرض ہے، آج ویسے ہی لوگ بیت اللہ شریف جارہے ہیں جیسے پہلے جاتے تھے بلکہ اب تو بہت بڑی تعداد میں جارہے ہیں، کوئی اس کو روک نہ سکا، سیاسی انقلابات آئے ، حجاز مقدس میں تو سیاسی نظام میں ٹھہراؤ رہا ہی نہیں، پہلے ترکوں کی حکومت تھی، ان سے پہلے کسی اور کا اقتدار پھر شریف مکہ آئے وہ گئے تو اب آل سعود حکمراں ہیں۔

انتظامی وسیاسی تغیرات جو ہوں لیکن ارکان دین میں کوئی تغیر وانقلاب نہیں، حج کی ادائیگی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا، کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی، اللہ کے فضل سے حرمین شریفین سے عمرہ کر کے ابھی چند روز ہوئے آرہا ہوں، وہی بیت اللہ شریف، وہی مطاف، وہی حرم شریف وہی طواف، وہی اشواط، اشواط تک میں اضافہ نہیں، یا زمانہ کے ساتھ طواف میں کمی یا زیادتی کی جاتی یا اس کا مشورہ دیا جاتا یا ترتیب میں فرق لایا جاتا ایسا کچھ نہیں ہوا، جیسا آنحضور ﷺ کر گئے اور بتا گئے ویسا ہی آج جاری ہے، خدا معاف کرے کہ جرأت کی بات ہے آج اگر دنیا میں صحابی بھی اٹھ کر آئیں خدا کو یہ منظور ہو اور ایسا پیش بھی آجائے، صحابی اگر نہیں تو کوئی بڑے سے بڑا تابعی اور بڑے سے بڑا ولی اللہ بزرگ آجائے، تابعین میں حضرت حسن بصریؒ یا امام علی زین العابدینؒ، حضرت سعید بن المسیبؒ اور حضرت اویس قرنی تک آجائیں، ولیوں اور بزرگوں میں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ تک آجائیں، امام

غزالیؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی آجائیں یا پھر ہندوستان کے بزرگوں اور اقطاب میں خواجہ معین الدین چشتیؒ قبر سے اٹھ کر آجائیں، بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ اور کوئی بھی بڑے سے بڑا بزرگ اور امام آجائے دین کو بدلا ہوا نہیں دیکھیں گے، دین کو ویسا ہی پائیں گے جیسا سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور سیدنا فاروق اعظمؓ کے دور میں تھا، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علیؓ مرتضی کے دور میں تھا اگر بعض چیزوں کو بدلا ہوا دیکھیں گے بھی اور نئی چیزیں پائیں گے تو یہ نتیجہ ہے جہالت کا، غفلت کا، نفس پرستی کا، خواہش پرستی کا، دعویٰ کوئی نہیں کر سکتا کہ یہی صحیح ہے، قرآن میں نہ کوئی تحریف کر سکتا ہے نہ یہ سن سکتا ہے اور دیکھ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (سورۂ الحجر. ۹). (اس) نصیحت نامہ (یعنی قرآن) کو ہم نے، ہاں ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

شریعت میں اضافہ کرنے والا گستاخ ہے

ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہئے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے فخر کرنا چاہئے اور امت اسلامیہ کو اس پر فخر کا پورا کا پورا حق ہے کہ اس کا دین مکمل ہو چکا ہے، پوری شریعت اب ہمارے سامنے ہے اب اس شریعت میں کوئی اضافہ نہیں ہونا ہے، اور اگر کوئی ایسا کرنے کی جسارت کرتا ہے تو وہ گستاخ رسول ﷺ ہے، ہم کسی بھی یورپین انگریز اور کسی بھی دوسرے مذہب کے ماننے والے سے یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ کسی گوشہ یا چپہ میں چلے جایئے یہی شریعت ملے گی جو یہاں ہے، یہی احکام ملیں گے جو یہاں ہیں، یہی ارکان ملیں گے جو آپ یہاں دیکھ رہے ہیں، نماز کے جو اوقات یہاں ہیں وہی دوسری جگہ وہی لندن میں، وہی نیویاک میں، وہی ماسکو میں، وہی پیرس میں، کہیں کیسے بھی حالات ہوں، موسمی حالات ہوں،

سیاسی حالات ہوں، خطرات ہوں، سفر کرنا ہو، گرم علاقے ہوں یا ٹھنڈے علاقے ہوں اس میں کوئی تغیر نہیں، چھوٹے یا بڑے دن کی وجہ سے نماز پانچ وقت سے گھٹا کر تین وقت یا پانچ وقت سے بڑھا کر سات وقت کی نہ کر دی جائے یا مغرب کی عصر کے وقت یا عصر کی ظہر کے وقت کر دی جائے یہ سب کچھ بھی نہیں، نہ کہیں ایسا ہے نہ کبھی ہو سکتا ہے، یاد رکھئے یہ اس کا فیض ہے اور عطیہ ہے ختم نبوت کے اعلان کا۔

قادیانی مذہب خالص برطانیہ زادہ ہے

اس کے بعد اب میں آپ سے ایک بات اور کہتا ہوں، ایک مؤرخ کی حیثیت سے کہ اس عالمگیر دین اور اس دائمی و ابدی دین کے خلاف دنیا میں خاص طور سے غیر اسلامی حلقوں میں، غیر دینی مملکتوں میں اور غیر اسلامی معاشروں میں یہ بڑی تشویش رہی کہ اس دین میں کس طرح تبدیلی کی جائے کہ کوئی کمی آجائے اور دین پر سے اعتماد متزلزل ہو جائے، اس کے لئے ان لوگوں نے جتن بھی کئے، سازشیں رچیں، لوگوں کو کھڑا کیا، خاص طور سے مسیحی قوم جو زیادہ بیدار مغز اور تعلیم یافتہ بھی ہے اور اسلام اور مسلمانوں سے اس کا واسطہ بھی زیادہ پڑا ہے، اس کے لئے بڑی کوشش کی کہ اس دین کی وحدت اور جامعیت اور اس کی عالمیت اور ابدیت ختم ہو، تاریخ میں بہت سی ایسی چیزیں دبی ہوئی ہیں، دفن ہیں، کھوئی ہوئی ہیں ان کا پتہ نہیں چلا، ورنہ یہ ثابت کر دیا جاتا کہ مسلیمہ کذاب کے پیچھے مسیحی دماغ، عیسائی سازش کام کر رہی تھی، اسو عنسی کے پیچھے کوئی غیر اسلامی طاقت کام کر رہی تھی طلیحہ و سجاح کے دعویٰ نبوت کے پیچھے ایسا ہی تھا، اور یہ قادیانی مذہب تو خالص برطانیہ زادہ ہے، میں اس کو سیدھے لفظوں میں کہوں گا کہ برطانیہ ساختہ ہے، مرزا صاحب نے صاف صاف خود لکھا ہے کہ "میں اور میرا خاندان حکومت

برطانیہ کا خود کاشتہ پودا ہے" یعنی ساختہ نہیں خود کاشتہ پودا ہوں، ہاتھ سے لگایا ہوا پودا ہوں اور وہ کہتے ہیں :

"کہ میں نے جہاد کے خلاف اور حمیت دین کے خلاف اور
برطانیہ کی مخالفت کے خلاف، اتنی کتابیں اور رسالے لکھے ہیں
کہ اگر انھیں جمع کر دیا جائے تو پچاس الماریاں بھر جائیں۔"

ہماری تو یہاں تک تحقیق ہے، افسوس ہے کہ اس کے ثبوت کے لئے پورا سامان نہیں مل سکا اور یہ کہ جب سر سید مرحوم نے جو کہ سنی العقیدہ تھے، ختم نبوت کے قائل اور توحید کے قائل تھے، ان کی والدہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی مرید تھیں اور ان کا نام سید احمد حضرت سید احمد شہیدؒ کے نام نامی ہی پر رکھا تھا، جب وہ تفسیر لکھ رہے تھے تو انھوں نے کہیں کہیں قادیانیت پر جرح کی اور تنقید کی تو اس پر ان کے پاس اس وقت کے گورنر کا خط آیا اور بہت دنوں تک علی گڑھ کے میوزیم میں اس خاص حصہ میں جس میں سر سید احمد مرحوم کی ذات کے متعلق ان کے کاغذات، نوادرات اور قلمی چیزیں تھیں موجود تھا، اس میں یہ صاف صاف تحریر تھا کہ **"آپ قادیانیوں کے خلاف کچھ نہ کہئے، یہ تحریک ہمارے مفاد میں ہے"** سر سید مرحوم سے یہ صاف صاف انھوں نے کہا، اور یہ بات بالکل ثابت ہو چکی ہے کہ قادیانیوں نے اس جذبہ کو جو مسلمانوں میں پیدا ہو گیا تھا حکومت برطانیہ کی مخالفت کا جذبہ اور یہ میں تاریخ کے اور اس موضوع کے ایک طالب علم کی حیثیت سے بیان کرتا ہوں کہ جب انگریزوں کے قدم ہندوستان میں آگئے اور ان کا قبضہ شروع ہوا، تو سب سے پہلے مسلمانوں میں ایک جذبہ اور عزم پیدا ہوا انگریزوں سے مقابلے کا، اور انھوں نے ہی

سب سے پہلے خطرہ محسوس کیا اور مقابلہ شروع کیا۔

انگریزی طاقت کے خلاف سلطان ٹیپو شہید کا جہاد

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سب سے پہلے جو خاندان میدان میں آئے اور جو طاقت میدان میں آئی وہ ٹیپو سلطان تھے، اور ان کا خاندان، اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ ٹیپو سلطان اور ان کا خاندان حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے ماموں شاہ ابو اللیثؒ اور ان کے نانا حضرت شاہ ابو سعید حسنی کا دامن گیر تھا، اور بیعت تھا، اور یہ بات کلکتہ میں حضرت سید صاحبؒ سے ٹیپو سلطان کے بیٹوں نے کہی، جب حضرت سید صاحب وہاں گئے ہوئے تھے کہ ہمارا خاندان تو آپ کے خاندان کا دست گرفتہ ہے، تو جاننا چاہئے کہ سب سے پہلے ٹیپو سلطان شہیدؒ نے انگریزوں سے مقابلہ کیا اور شہید ہوئے، یہی نہیں بلکہ جس وقت وہ ہو گئے تو انگریزوں کو یقین نہیں آتا تھا، جب انھوں نے یہ دیکھ لیا کہ شہادت واقع ہو چکی ہے تو جنرل ہارس (HORSE) ان کی نعش مبارک کے پاس آیا اور کھڑے ہو کر کہا کہ **"آج سے ہندوستان ہمارا ہے"** اور ٹھیک کہا اس نے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی تحریک جہاد

میں آپ سے صاف طور پر کہتا ہوں کہ ٹیپو شہیدؒ ہی ہیں جنھیں سب سے پہلے انگریزی حکومت کے خطرے کا احساس ہوا، اور انھوں نے اسے اسلام اور مسلمانوں کے لئے ہی نہیں ملک کے لئے بھی پُر خطر سمجھا اور پھر انھوں نے حمیت دینی اور غیرت اسلامی پیدا کی اور غیرت وطنی بھی، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سید احمد شہیدؒ کو جو اتر پردیش میں رائے بریلی کے ایک دیہات کے رہنے والے تھے کھڑا کیا، اور ۱۸۳۱ء میں حضرت سید صاحبؒ کی شہادت ہو گئی، اس سے پہلے آپ نے

مہاراجہ گوالیار کو خط لکھا، ذرا ملاحظہ کیجئے کہ زمانہ کون ہے، لکھنے والا کون ہے اور لکھا کسے جارہا ہے، رائے بریلی کے ایک دیہات کا رہنے والا اور ایک بوریہ نشین اور ایک فقیر ریاست گوالیار کے تخت نشین اور راجہ کو خط لکھ رہا ہے کہ :

”بررائے سامی روشن ومبرہن است کہ بیگا نگاں بعید الوطن، ملوک زمین وزمن گردیدہ وتاجران متاع فروش بپایۂ سلطنت رسیدہ امارتِ امرائے کبارو ریاست رؤسائے عالی مقدار برباد نمودہ اند، وعزت واعتبار ایشاں بالکل ربودہ۔“

جناب کو خوب معلوم ہے کہ یہ پردیسی سمندر پار کے رہنے والے، دنیا جہاں کے تاجدار اور یہ سودا بیچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے ہیں، بڑے بڑے اہل حکومت کی حکومت اور ان کی عزت وحرمت کو انھوں نے خاک میں ملادیا۔

اسی طرح ۵۷ء میں جو جوش وولولہ تھا وہ بھی انھیں کا پیدا کیا ہوا تھا، سرولیم ہنٹر نے صاف لکھا ہے کہ :۔

”انھوں نے ہندوستان میں ایک ایسا مذہبی انقلاب برپا کردیا، جس کی مثال اس کی گذشتہ تاریخ میں نہیں ملتی، یہی انقلاب ہے، جس نے پچاس سال سے انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کی روح کو دبنے نہ دیا“۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ دہلی سے مراد آباد تک کوئی سفر کرتا تو درختوں پر مسلمانوں کی لاشیں لٹکی نظر آتیں اور ان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جن کا تعلق حضرت سید احمد شہیدؒ کی جماعت سے تھا۔

مرزا قادیانی کو کھڑا کرنے کا اصل مقصد جذبۂ جہاد

اور حمیت دینی ختم کرنا تھا

اب انگریزوں کو اس کی ضرورت تھی کہ کون ایسا آدمی پیدا ہو جو ان کی دینی حمیت کو ختم نہ کر سکے تو کم از کم ٹھنڈا کر دے، ختم نہ کر سکے مگر کمزور کر دے تو اس کے لئے انھوں نے قادیان کے رہنے والے مرزا صاحب کا انتخاب کیا اور بہت صحیح انتخاب کیا کیونکہ ان کا خاندان ان کا بہت دنوں سے وفادار چلا آرہا تھا، خود ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور وہی لوگ ان کے بہترین داعی مبلغ بن گئے تھے۔

خود مرزا صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں: کہ

"میں نے انگریزوں کی حمایت اور جذبۂ جہاد وحمیت دینی کی تردیدیں اتنی کتابیں لکھیں ہیں کہ پچاس الماریاں بھر جائیں"۔

اس پر کم لوگوں کی نظر ہے کہ حقیقت میں یہ انگریزوں کی ایک سازش تھی، جو اس لئے رچی گئی تھی کہ مسلمانوں کے اندر سے جذبۂ جہاد کم ہو، حمیت وغیرت اسلامی ختم ہو، ادھر ترکی سلطنت کا بھی اثر تھا ادھر مسلمان بالکل کمر بستہ اور نبرد آزما تھے، انگریزی حکومت سے ان کے دلوں میں شدید نفرت اور کراہت تھی، جو کسی دوسری قوم میں نہ تھی، یہاں پر میں ایک بات آپ سے کہوں گا کہ ایسی نفرت میں جب تک دینی عقیدت شامل نہ ہو، خدا کا خوف شامل نہ ہو تو اس میں وہ گہرائی وہ جوش پیدا ہو ہی نہیں سکتا، یہ بات صرف مسلمانوں کو حاصل تھی، اور انگریز اس کو خوب سمجھتے تھے، وہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ مسلمانوں کی مخالفت دوسری مخالفتوں کے مقابلے میں ہمارے لئے زیادہ خطرناک ہے، وہ یہ سمجھتے تھے کہ دوسری قوموں کی ہم سے مخالفت میں کوئی گہرائی نہیں ہے، اور اس میں استحکام نہیں ہے، اور اس میں کوئی گہرائی نہیں ہے، اور اس میں استحکام نہیں ہے وہ شامل

نہیں ہے، اس لئے ان کے یہ بات سمجھ میں آئی کہ ان کے مقابلے کے لیے کسی مسلمان ہی کو آلۂ کار بنا کر کھڑا کیا جائے، کیونکہ ان کا مقابلہ کوئی مسلمان مدعی نبوت ہی کر سکتا ہے، اس طرح انگریزوں نے مرزا غلام احمد کو قادیان سے کھڑا کیا، اور ان کی پوری سرپرستی و حمایت کی۔

عقیدۂ ختم نبوت اور مسلمان

یہ بات اچھی طرح یاد رکھئے کہ یہ جو دین صحیح شکل میں آج تک موجود ہے کہ آج آپ عشاء کی نماز پڑھ کر آئے ہیں امید ہے کل بھی اسی وقت نماز پڑھیں گے، آج جو آپ نے عشاء کی نماز پڑھی ہے یہ وہی نماز ہے جو صحابہ کرام نے پڑھی تھی، جو مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ میں پڑھی گئی اور آج یہاں بھی پڑھی جارہی ہے، یہ کس بات کا نتیجہ ہے؟ یہ کسی ذہانت کا؟ کسی منصوبہ بندی کا، کسی اجتہاد کا، کسی عبقریت کا، اور مافوق البشر اور مافوق الفطرت لیاقتوں و صلاحیتوں کا نتیجہ نہیں، یہ نتیجہ ہے اور نتیجہ ہی نہیں احسان ہے، صرف اور صرف اعلان ہے ختم نبوت کا اور اتمام نبوت کا، اب نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے، حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں، اب نہ اس کی ضرورت ہے اور نہ کوئی تقاضا کہ یہ کہا جائے خاصے دن ہو چکے ہیں، ایک زمانہ بیت چکا ہے، اس لیے اب عشاء کا وقت تبدیل ہو کسی اور وقت نماز ہونی چاہئے، یہ چار رکعت زیادہ ہیں کیونکہ یہ دور بڑی مصروفیتوں کا ہے، اور دوسری طرف لوگوں کے اعضاء و جوارح بھی اب ویسے نہیں رہے جیسے پہلے لوگوں کے تھے، اس لئے اب دو رکعت پڑھی جانی چاہئے، اور کوئی یہ کہنے لگے کہ اب وتر کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ یہ توحید راسخ کرنے کے لئے تھی اب یہ کام ہو چکا۔

یاد رکھئے عالم اسلام کا بڑے سے بڑا مجتہد اور بڑے سے بڑا عالم مصلح اور

ریفارمر (REFORMER) کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایسا ہونا چاہئے یہ تبدیلی ہونی چاہئے، یہ سب نتیجہ ہے ختم نبوت کا، اس لئے ہم کو اس کو مضبوطی سے پکڑنا اور دانتوں سے دابنا چاہئے ''عروۃ الوثقی'' بنا کر کے ہم اس پر قائم ہی نہ رہیں بلکہ ہمارے اندر اس سلسلے میں شدید غیرت ہونی چاہئے نبوت کا دعویٰ کرنے کا کسی کو موقع نہ دیا جائے، کسی کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ رہی، اس سلسلے میں ایسا رد عمل اور ری ایکشن ہو تو پھر کسی کو جرأت ہی نہ ہو، افسوس ہے کہ جب انھوں نے یہ دعویٰ کیا تو اس وقت دینی حمیت وغیرت اس درجہ کی نہ تھی جیسی ہونی چاہئے تھی ایسے لوگ بھی اٹھتے جارہے تھے جو اس وقت اس کی زبان منھ سے کھینچ لیتے، بنیادی بات یہ ہے کہ انگریزوں کی انھیں سرپرستی حاصل تھی اور جو کچھ وہ کہہ رہے تھے اور کر رہے تھے وہ سب انگریزوں کے سایہ تلے۔

اب میں زیادہ وقت آپ کا لینا نہیں چاہتا اور بات کو طول دینا نہیں چاہتا بس یہ کہتا ہوں کہ آپ اس فتنہ کو اسلام کے لئے پھر سے سب سے بڑا خطرہ سمجھیں، اور اس کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی سازش اور بغاوت سمجھیں، یہ حقیقت ہے کہ ختم نبوت کے عقیدے میں ایک اطمینان ہے، ایک سکون ہے، ختم نبوت کا اعلان نہ ہوتا تو آدمی آسمان کی طرف دیکھتا رہتا کہ شاید پھر کوئی وحی آرہی ہو اور کوئی روشنی ظاہر ہو رہی ہو، پھر کوئی نبی آنے والا ہو، اور جگہ جگہ لوگ نبی کے منتظر ہوتے اور لوگوں کو دعویٰ کرنے کا موقع ملتا لیکن ایسا اس لئے نہ ہو سکا کہ مسلمانوں کا اجتماعی طور پر ایمان وعقیدہ تھا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً.

آخر میں ہم شاعر اسلام علامہ اقبالؒ کی ایک بڑی ہی حکیمانہ، فلسفیانہ اور

متکلمانہ بات ذکر کر کے اپنی بات ختم کریں گے۔ یہ ایسی بات ہے جو بڑے سے بڑا متکلم اور فلسفی کہتا تو اس کو زیب دیتی، بہت خوب بات کہی ہے بڑے پتہ کی بات اللہ نے ان کی زبان سے نکلوائی، یہ ایسی بات ہے کہ اس کی شرح میں ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے، انھوں نے کہا ہے کہ :

"دین و شریعت تو قائم ہیں کتاب و سنت سے، دین و شریعت کی بقاء اور دین و شریعت کا استمرار اور وجود مربوط ہے کتاب و سنت سے جب تک کتاب و سنت ہے دین باقی ہے، دین و شریعت باقی ہے لیکن امت کی بقاء ختم نبوت کے عقیدے سے ہے۔"

امت امت اس وقت تک ہے جب تک کہ ختم نبوت کا عقیدہ موجود ہے، ختم نبوت کا عقیدہ نہیں رہا تو یہ امت امت نہیں پھر امت نہیں امتیں جنم لیں گی، امتیں بھی کیا گروہ و جماعتیں بنیں گی اور کھیل تماشہ ہو جائے گا کہ آج کوئی اس کونہ میں نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے کوئی اس گوشہ میں بیٹھا اپنے کو نبی بتا رہا ہے، کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ میرے پاس اردو میں وحی آ رہی ہے، کوئی باور کرا رہا ہے کہ میرے پاس بلدی بلدی ہندی اور انگریزی میں وحی آ رہی ہے، یہاں تک کہ ایک شہر سے کئی کئی نبوت کے دعویدار ہو سکتے ہیں، اس اس میں منافست چل جائے گی، کس کا دعویٰ زیادہ مؤثر ہوتا ہے، کسی کے دعویٰ پر کتنے زیادہ لوگ لبیک کہتے ہیں، اس کے نتیجہ میں ہماری توانائی، ہماری طاقت و زور، ہمارا ذہن و دماغ، ہماری ذہنی غیرت و حمیت، ہمارا دینی فکر و عمل بجائے تعمیر کے، بجائے دین کی دعوت دینے کے اور اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت میں لگنے کے اپنی خود ساختہ تعلیمات کی اشاعت اور اپنے بنائے ہوئے دین کی دعوت میں لگیں گی۔

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمین۔

اس خطۂ زمین کو دین فطرت کی نعمت ملتی تو دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی

امریکہ بیک وقت خوش قسمت بد قسمت ملک

یہ تقریر ٦ جون ١٩٧٧ء کو ہار
ورڈ یونیورسٹی (امریکہ) کے ڈیونیٹی
کالج (DIVINITY COLLEGE)
کے ہال میں کی گئی، جلسے میں یونیورسٹی
کے اساتذہ، اسکالرز اور طلبہ نیز مختلف
علاقوں سے آئے ہوئے تعلیم یافتہ
نوجوانوں کی کثیر تعداد شریک تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس خطۂ زمین کو دین فطرت کی نعمت ملتی تو دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی

امریکہ بیک وقت خوش قسمت بد قسمت ملک

بڑا خوش قسمت اور بڑا بد قسمت

"لَقَدْ خَلَقْنَا الانسانَ فِی اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاہُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ"

دوستو اور بھائیو! میں اپنی آج کی گفتگو کا آغاز ایک ایسے مضمون سے کرنا چاہتا ہوں جس کی طرف رہنمائی ان ہی آیتوں سے ہوئی، جو ابھی پڑھی گئیں، اس کو ایک طرح کا القاء کہئے کہ مجھے اس سے آپ سے بات کرنے کا راستہ مل گیا، میں اپنی تقریر کا آغاز ایک ایسے جملہ سے کرتا ہوں جو شاید آپ کے لئے اور بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کے لئے خلاف توقع اور چونکا دینے والا ہو، مغرب کا یہ خطہ جو یورپ سے امریکہ تک پھیلا ہوا ہے، یہ بڑا خوش قسمت ہے اور بڑا بد قسمت، آپ ایک ہی جملے میں اتنے بڑے تضاد کو سن کر تعجب کریں گے لیکن ابھی آپ کے سامنے جو

آیات پڑھی گئی ہیں وہ خود ایک بہت بڑی حقیقت کو بیان کرتی ہیں، اور وہی واقعہ اس خطۂ زمین کا ہے جس کو خدا نے دنیا کی قیادت عطا کی، بہت سے ایسے اسباب کی بنا پر جس کی تفصیل مشکل ہے، اور میں نے اپنی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" (انگریزی ترجمہ ISLAM AND THE WORD) میں تفصیل سے بیان کیا ہے کہ مغرب کو قیادت کیسے حاصل ہوئی، جو انسان کا معاملہ ہے وہی تقریباً اس خطۂ زمین کا معاملہ ہے، ایک ہی وقت میں یہ بڑا خوش قسمت بھی ہے، اگر واقعہ اتنا ہی ہوتا کہ یہ اپنی ذات سے خوش قسمت اور بد قسمت ہوتا تو کوئی بڑی ٹریجڈی اور کوئی بڑا سانحہ نہ ہوتا، تاریخ انسانی میں ہمیں ایسی بہت سی قوموں اور ملکوں کا سراغ ملتا ہے، جو اپنی ترقی کے نقطۂ عروج پر پہنچ گئے تھے، پھر اس کے بعد ان کا زوال شروع ہوا اور وہ بام ثریا سے گر کر تحت الثریٰ میں پہنچ گئے، اگر یہ ایک تنہا ملک کا معاملہ ہوتا تو ہمیں اس سے دلچسپی کی کوئی وجہ نہ تھی، لیکن جب کسی ملک کو قیادت کا مقام حاصل ہو اور وہ دنیا کے حالات پر اثر انداز ہو اور اس کی خوش قسمتی اور بد قسمتی کسی خاص خطے تک محدود نہ ہو بلکہ اس کا اثر انسانیت اور انسانیت کی قسمت پر پڑے تو واقعہ کی سنگینی بہت بڑھ جاتی ہے۔

آپ غور کریں گے کہ میں ایک وقت ہی میں نہیں بلکہ ایک سانس میں امریکہ کو خوش قسمت بھی کہہ رہا ہوں اور بد قسمت بھی، آپ کو اس کی وجہ پوچھنے کا پورا حق حاصل ہے، سنئے خوش قسمت اس وجہ سے کہ خدا نے اس کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کیا، یہاں کے رہنے والوں کو ایسی قوت ارادی، ایسا جوش عمل، ایسی ذہانت، ایسا کام کرنے کا جذبہ، ایسی توانائی عطا کی کہ اس نے اس زمین کو جنت کا نمونہ بنا دیا، خدا کی قدرت کے رازوں کا انکشاف کیا، کائنات کی قوتوں کو مسخر کیا، اقبال کے

الفاظ میں سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا، ستاروں کی گذرگاہوں کو دریافت کیا، اس نے اس مٹی کو سونا بنادیا، اب یہ زمین سونا اگلتی ہے، یہاں کی فضا سے ہن برستا ہے، اور یہاں (بائبل کی زبان میں) دودھ اور شہد کے دریا بہتے ہیں، یہ نتیجہ ہے، ان قوموں کے جوش عمل کا، ان کے جذبہ مسابقت کا، ان کی بے چین فطرت کا، اور ان کے نہ تھکنے والے نہ ہارنے والے عزم کا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس خطۂ زمین کو جو یورپ سے یہاں تک پھیلا ہوا ہے، قدرتی دولتوں سے مالا مال کیا خدا کی نعمتوں کے بہتیرے خزانے یہاں موجود ہیں اور پھر موجود ہی نہیں بلکہ یہاں وہ ہاتھ بھی موجود ہیں، جو ان خزانوں کو برآمد کریں اور قدرت کی دولت سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں، اس لحاظ سے یہ ملک بڑا خوش قسمت ہے، اور اس نے اپنی خوش قسمتی کا سکہ صرف اس ملک کے رہنے والوں پر نہیں بلکہ ساری دنیا پر بٹھادیا ہے، آج ساری دنیا ان کی دریوزہ گر ہے، دنیا کی ہر قوم ان کے سامنے جھولی پھیلائے بلکہ ہاتھ پھیلائے کھڑی ہے، اور بھیک مانگ رہی ہے، انھوں نے اپنی ذہانت سے، اپنے حسن تنظیم سے زندگی کو اس طرح منظّم کرلیا ہے کہ ساری دنیا اس سے فیض پا رہی ہے، انھوں نے مادی اور اقتصادی طور پر اپنی افادیت اور ذہنی صلاحیت کا سکہ دنیا پر بیٹھا دیا ہے، اس لحاظ سے آپ ان کو خوش قسمت کہیں، اس میں ذرا مبالغہ نہیں، اگر ہم ہندوستان میں، مصر میں، عراق میں، سعودی عرب میں، مشرق کے کسی ملک میں ہوتے تو اس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت تھی، مگر ہم اور آپ اس وقت جہاں بیٹھے ہیں اس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

عیاں راچہ بیاں"

آپ اس کی خوش قسمتی پر جتنا رشک کریں اور اس خوش قسمتی کی جتنی

داد دیں اور اسکو جتنا سراہیں سب بجا ہے،اس بارے میں، میں کسی عصبیت کو جائز نہیں سمجھتا نہ مذہبی تعصب، نہ ایشیائی تعصب، نہ قومی تعصب، نہ نسلی، یہ ایک حقیقت ہے جو روز روشن کی طرح ہمارے سامنے ہے۔

لیکن اس کے باوجود یہ ملک بد قست ہے یہ الفاظ میں پوری جرائت اور صفائی کے ساتھ کہہ رہا ہوں، بہت سے بھائیوں کے لئے یہ اجنبی اور نامانوس ہوں گے، لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، یہ واقعہ ہے کہ یہ ملک بڑا بد قسمت ہے۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا

اس ملک کی نہیں بلکہ انسانیت کی بد قسمتی ہے کہ اس ملک نے تنہا مادی میدان میں فتوحات حاصل کیں اور اسمیں رکارڈ قائم کردیا اسنے اس زمین کو گلزار لالہ زار بنادیا بڑی خوش قسمتی کی بات ہوتی اور دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی اگر اس خطۂ زمین کو صحیح رہنمائی حاصل ہوتی اور اس کو دین صحیح کی نعمت ملی ہوتی اور جس طرح اس نے مادیات کی طرف توجہ کی اخلاقیات کی طرف توجہ کرتا،اور جس طرح اس نے آفاق میں خدا کی نشانیاں دیکھی ہیں، اور ''سنریھم اٰیا تنا فی الا فاق'' پر عمل کیا ہے ویسے ہی ''انفس'' خدا کے پیدا کیے ہوئے دل، عطا کی ہوئی روح، اور لطیف احساسات میں بھی خدا کی نشانیاں دیکھتا اور خدا کو دکھاتا،اس کی ذہانت صرف اس پر مرکوز نہ رہتی کہ وہ قدرت کے رازہائے سربستہ فاش کرے بلکہ وہ اپنے دل اور روح کے اسرار اور انسانی دل کی گہرائیوں بھی واقف ہوتا اور اس کو معلوم ہوتا کہ جتنی یہ کائنات وسیع نظر آتی ہے اور سیاروں کا اس نے جو رقبہ و حجم دریافت کیا، جن جن چیزوں کا اس نے انکشاف کیا اور اب آخر میں چاند پر پہنچ کر ایک اور نئی فتح حاصل کی ہے، اگر اسی تناسب سے یا اس سے بہت کم تناسب سے وہ انسانی روح کی

حقیقت کی طرف توجہ کرتا اور اسے خدا کی صحیح معرفت حاصل ہوتی اور انسانی قلب کی وسعت، طاقت، حرارت، محبت اور اس کی لطافت اور معصومیت، بے لوثی اور بے غرضی کو بھی معلوم کرتا، وہ قلب کو بیدار کرنے کی کوشش کرتا اور اس کے اندر کی طاقتوں سے آشنا ہوتا اور ان سے کام لینے کی اس کو توفیق ہوتی، اس وقت اس کو معلوم ہوتا کہ یہ پوری کائنات اگر دل کے اندر ڈال دی جائے تو گم ہو جائے جس طرح ایک حقیر کنکری بحرِ اوقیانوس میں ڈال دی جائے اور پتہ بھی نہ چلے کہ وہ کہاں گئی، اس کو انسانیت کا مقام معلوم ہوتا کہ انسان کیا ہے، اس کو جمادات، حیوانات، نباتات کا مقام معلوم ہے، کیمسٹری پر، بیالوجی پر، زیالوجی پر اس نے جو محنتیں کی ہیں، اور اپنی ذہانت صرف کی ہے، اور جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے، اس لئے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔لیس للانسان الا ماسعیٰ وان سعیه سوف یریٰ ثم یجزاہ الجزاء الا وفیٰ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی، پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

فرمایا۔ کلا نمد ھئولاء وھئولاء من عطاء ربک وماکان عطاء ربک محظورا ہم ان کو اور ان سب کو تمھارے پروردگار کی بخشش سے مالامال کر دیتے ہیں اور تمھارے پروردگار کی بخشش کسی سے رکی ہوئی نہیں۔

انسان اپنی کوشش کے لئے جو میدان بھی انتخاب کرے گا خدا کامیابی دے گا یہاں کوئی راشننگ نہیں ہے کوئی بندش نہیں ہے کہ یہاں سے آگے ترقی نہیں کر سکتے قوانین قدرت اور طبعیاتی کائنات پر مغرب نے جو محنت صرف کی ہے، اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ یہ کائنات سمٹ کر رہ گئی ہے، اور انسان نے اپنے مقاصد و مفادات کے لئے اس کو مسخر کر لیا ہے اسی طریقے سے روح، قلب

اور ایمان اور یقین پر اگر یہ ملک محنت کرتا اور اپنی ذہانت صرف کرتا تو اس کو انسانیت کا صحیح مقام معلوم ہوتا ایک درخت پر جب اس نے محنت کی تو اس نے درخت سے وہ برآمد کیا جس کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، اسی طریقے سے علم الکیمیا (CHEMISTRY))طبعیات(PHYSICS)نباتات(BOTANY) پر جب اس نے محنت کی تو نئے عالم دریافت کیے، پہلے تو اس عالم کے علاوہ دوسرے عالم ماننے میں بھی لوگوں کو بہت ہی اشکال تھا، اور جو لوگ یہ کہتے تھے کہ اس دنیا کے علاوہ اور بھی دنیائیں ہیں تو کلیسا نے انھیں بڑی سخت سزائیں دیں، لیکن اب ہر چیز میں نئی نئی دنیا دریافت ہو رہی ہے، اسی طرح اگر اس کو انسانیت کا مقام معلوم ہوتا، اگر شرفِ انسانی سے یہ واقف ہوتا کہ خدا نے انسان کو کیا درجہ دیا اور اس کا کیا مقام ہے، تو آج دنیا کی قسمت کچھ اور ہوتی، دنیا کے حالات کچھ اور ہوتے۔

مناسب ترین مذہب

اس دنیا کی تاریخ میں دو واقعات ایسے پیش آئے جنھوں نے اس ملک کو اس نعمت سے محروم کردیا، اور یہ المیہ پیش آیا، نہ صرف مغرب کے لئے بلکہ ساری دنیا کے لئے، ایک تو یہ کہ اس خطۂ زمین کو عیسائیت ملی، اس میں ہم مسلمانوں کی کوتاہی کو بھی دخل ہے ہم اس کا جتنا بھی ماتم کریں وہ بالکل حق بجانب ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس ملک کے لئے اس خطۂ زمین کے لئے مناسب ترین مذہبِ اسلام تھا جو انسانی قوتوں کو بیدار کرتا ہے، جو عقلِ انسانی کی ہمت افزائی کرتا ہے جو عقل سے کام لینا سکھاتا ہے، وہ انسان میں خود اعتمادی پیدا کرتا ہے، اپنی عزت کا احساس پیدا کرتا ہے، وہ کہتا ہے۔لقد خلقنا الا نسان فی احسن تقویم ہم نے انسان کو بہتر اندازہ میں پیدا کیا۔

وہ کہتا ہے۔

ولقدکرمنامنی ادم وحملناهم فی البروالبحرورذقناهم من الطيبات وفضلنهم علی کثير ممن خلقنا تفضيلا ہم نے انسان کو بڑا اعزاز بخشا ہم نے اس کا بڑا رتبہ بلند کیا، ہم نے اس کو زمین اور آسمانی طاقتوں کا راکب بنایا، شہسوار بنایا اور ہم نے اس کو بڑی نعمتیں عطا کیں اکثر مخلوقات پر فضیلت بخشی۔

وہ کہتا ہے ۔

انی جاعل فی الارض خليفة میں زمین میں انسان کو خلیفہ بنانے والا ہوں وہ انسان کے سر پر خلافت کا تاج رکھنے والا ہے جو آخری چیز ہو سکتی ہے، اسلام کی بنیاد توحید پر ہے وہ یہ کہتا ہے کہ انسان "خليفة اللة" ہے اس دنیا میں خدا کا نائب ہے اور پھر انسان کا مرتبہ اتنا بڑھایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے آگے انسانیت کی بلندی کا تصور نہیں ہو سکتا چنانچہ ایک حدیث قدسی ہے کہ خدا تعالیٰ انسان سے کہے گا کہ اے انسان میں بیمار ہوا تھا تو مجھے دیکھنے نہیں آیا؟ تو وہ کہے گا کہ بار خدایا! آپ کو بیماری سے کیا مطلب ؟ آپ ان سب چیزوں سے بالاتر ہیں! تو ارشاد ہو گا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو اس کی عیادت کے لئے جاتا تو مجھے وہیں پاتا، اے میرے بندے میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا وہ کہے گا کہ آپ کو بھوک سے کیا نسبت اور اس سے آپ کا کیا واسطہ ؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا تو اگر اس کو کھلاتا تو مجھے پہونچتا۔ اے میرے بندے مین برہنہ تھا تو نے مجھے کپڑے نہیں پہنائے تو وہ کہے گا آپ کیا کہہ رہے ہیں ارشاد ہو گا کہ میرا فلاں بندہ برہنہ تھا اگر تو اس کو کپڑے پہناتا تو مجھے پہونچتا۔

اس سے بڑھ کر انسانیت کو اعزاز نہیں بخشا جا سکتا اور اس سے بلند تصور

نہیں کیا جا سکتا پھر اسلام یہ بتاتا ہے کہ، انسان پیدائشی طور پر بے گناہ ہے۔ اس کی فطرت صالح ہے اس کی تختی بالکل سادہ ہے "کل مولود یو لد علی الفطرة فابوا ہ یھو دا نہٖ و ینصرا نہ ویمجسا نہ" ہر بچہ ماں کے پیٹ سے بالکل معصوم اور بے گناہ پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ کا یہ کارنامہ ہے کہ کبھی اس کو یہودی بنا دیتے ہیں، کبھی عیسائی بنا دیتے ہیں، اور کبھی مجوسی اس پر اپنا رنگ چڑھا دیتے ہیں لیکن انسان جو پیدا ہوتا ہے وہ "صبغۃ اللہ" خدا کا رنگ لے کر آتا ہے اور اسلام یہ بتاتا ہے کہ انسان کی اصل جو ہے وہ طاعت ہے انسان کی فطرت نیں سلامتی لکھی ہوئی ہے اس کی فطرت میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن یا کجی نہیں ہے چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن میں آتا ہے (اور بہت کم لوگوں کو غور کرنے کا اتفاق ہوا ہوگا) "لھا ماکسبت وعلیھا ما اکتسبت" یعنی انسان کے لئے وہ چیز مفید ہے جو اس نے کمائی اور انسان کے لئے وہ چیز مضر ہے، جو اس نے بتکلف کمائی، یعنی انسان کو نیک کام کرنے کے لئے کسی تکلیف کی ضرورت نہیں اس کو اپنی فطرت سے لڑائی لڑنے کی ضرورت نہیں (لھا ماکسبت) میں "کسبت" یہ مجرد کے صیغے سے آیا ہے، اور "اکتسبت" مزید فیه باب افتعال کے صیغے سے آیا ہے جس میں تکلف شامل ہے اس نے جو اچھا کام کیا اور جو خدا کی مرضی کے مطابق ہے، وہ عین فطرت کے موافق تھا، اور جو اس نے غلط راستہ اختیار کیا وہ فطرت کے خلاف تھا، اس کو اپنی فطرت سے لڑائی لڑنی پڑی اپنی فطرت سے انحراف کرنا پڑا، اس کو ایک مجاہد کا کام کرنا پڑا، اس سے بڑھ کر انسانی فطرت کے متعلق کیا سند ہو سکتی ہے کہ جو انسان کا صحیح کام ہو وہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے، اور جو اسنے غلط کام کیا تو گویا اس نے اپنی فطرت سے بغاوت کی۔

تواس ملک کے لئے مناسب ترین مذہب اسلام تھا،اگر اس ملک کا اوراسلام کا سنجوگ ہو جاتا یعنی ایک جائز رشتہ قائم ہو جاتا تو دنیا کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی،ایک طرف اس خطۂ زمین کی توانائی،ابلتی ہوئی طاقتیں جو جوش مارتی ہیں،جس طرح فوارہ ابلتا ہے،ان کے اندر کام کرنیکی لامحدود طاقت،ان کو کسی چیز پر چین نہیں ہے،یہ سیاروں تک پہونچنے کی کوشش کررہے ہیں،سمندر کھنگال کر اس سے موتی نکالنا چاہتے ہیں،سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں،مٹی سے سونا برآمد کرنا چاہتے ہیں،انھوں نے بے جان چیزوں میں جان ڈالدی ہے،ایک طرف انکی توانائیاں،انکی بے چین فطرت،ان کے ملک کی شادابی،اور قدرتی نعمتیں،دوسری طرف اسلام کی راہ اعتدال،اسلام کی حوصلہ افزائی اسلام کا دین فطرت ہونا،اسلام کا اپنے اوپراعتماد پیدا کرنا کہ انسان اپنی ذات سے بے گناہ ہے وہ ماں کے پیٹ سے بالکل بے گناہ پیدا ہوتا ہے،اوراگر وہ گناہ کرتا ہے تو وہ ایک عارضی چیز ہوتی ہے جیسے ہی وہ توبہ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ زنگ جو اسپر لگ گیا ہے وہ نکل جاتا ہے،توبہ کوئی مجبوری کی چیز نہں بلکہ وہ عین اسکی فطرت کا تقاضا ہے،اور اندر سے وہ چیز ابھرتی ہے باہر سے نہیں آتی اسلئے توبہ کرنے والوں کا بڑا مقام بتایا گیا ہے،اسلام انسانیت کی ہمت افزائی کرتا ہے،وہ انسانی قوت کو ابھارتا ہے،وہ دین توحید ہے،اس میں کہیں تخیلات پروری نہیں ہے،وہ حقائق پر مبنی ہے وہ ایسا عام فہم اوربدیہی مذہب ہے جس کو ہر سلیم الفطرت آسانی سے سمجھ جاتا ہے،وہ انسانی زندگی کو بیڑیاں نہیں پہناتا کہ انسانی زندگی مقید ہو کررہ جائے وہ علم کی راہ نہیں روکتا،بلکہ علم کو ایک مقدس عبادت قرار دیتا ہے،وہ انسان کو دعوت فکرومطالعہ دیتا ہے،وہ کہتا ہے،

وفی انفسکم افلا تبصرون اور خود تمھارے نفوس میں (بہت سی نشانیاں ہیں) تو کیا تم دیکھتے نہیں ؟

وہ کہتا ہے۔

الذین یتفکرون فی خلق ا لسمٰوٰت وا لارض ربنا ماخلقت ھذا باطلا جو آسمان وزمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے) ہیں کہ اے پروردگار! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا۔

اور۔

سنریھم اٰیتنا فی الاٰفاق وفی انفسھم ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی نشانیاں دکھائیں گے۔

وہ انسان کو عقل سے کام لینے کو کہتا ہے اور قوائے فکریہ اور عقل ودماغ کو معطل ومفلوج کرنے کی مذمت کرتا ہے، وہ کہتا ہے۔

وا لذین اذا ذکرو بأیاتِ ربھم لم یخرو ا علیھا صما وعمیانا اور وہ کہ جب ان کو پروردگار کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور سے سنتے ہیں)

لیکن صرف اس ملک کی ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کی نوعِ انسانی کی اور خاص طور پر ہمارے اس دور کی بد قسمتی ہے، اس ملک نے جس مذہب کا انتخاب کیا وہ اس ملک کو بتاتا ہے کہ انسان پیدائشی طور پر گنہگار ہے، وہ انسان کے اندر ایک قسم کی مایوسی پیدا کرتا ہے کہ گناہ، یہ اس کی قسمت ہے اور قسمت بدل نہیں سکتی، یعنی اس کا یہ جنم کا روگ ہے، وہ جنم کا گنہگار ہے، ایک تو یہ ہوتا ہے کہ اس سے غلطی ہو جائے اور وہ سمجھے غلطی ہوئی اور اس کی وہ تلافی کر دے، لیکن انسان کے اندر یہ

عقیدہ بٹھادیا جائے کہ انسان پیدائشی طور پر گناہ گار ہے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کیسا احساس کمتری پیدا ہوگا۔

تو ایک تو اس ملک کی بد قسمتی یہ تھی کہ اس نے جس مذہب کا انتخاب کیا وہ مذہب اس کی انسانیت کا شرف نہیں بڑھاتا بلکہ اس کی انسانیت پر دھبہ لگاتا ہے، اور اس کو داغدار بنا کر پیش کرتا ہے، اور اس کو باور کراتا ہے کہ اس کو ایک ایسی ہستی کی ضرورت ہے جو اس کا کفارہ بن کر اس کے گناہوں کو معاف کروائے، غضب یہ ہوا کہ پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد اس میں رہبانیت اور ترکِ دنیا کا رجحان پیدا ہو گیا۔

کلیسا نے علم وعقل کی راہ روکی

دوسری بد قسمتی یہ تھی کہ جب کلیسا صاحب اقتدار تھا تو کلیسا نے علم و عمل کی راہ روکی جب یورپ بیدار ہو رہا تھا اور وہ زنجیریں توڑ رہا تھا جو اس کے پاؤں میں ڈالدی گئی تھی تو کلیسا ایک دیوار بن کر کھڑا ہو گیا اس نے ہر چیز کو اپنے فیتے سے ناپنا شروع کیا اور ہر چیز کی سند بائبل سے تلاش کرنا شروع کی، اس نے زمین کی کرویّت کا خیال پیش کیا تو کلیسا نے اس کی مخالفت کی، اس نے تعددِ عوالم کا نظریہ پیش کیا کہ یہی دنیا نہیں بلکہ اور دنیائیں بھی ہیں تو کلیسا نے اس کو کفر قرار دیا، ارتداد قرار دیا، اس نے بتایا کہ زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے تو کلیسا نے کفر کا فتویٰ لگایا پھر کلیسا نے احتساب کی عدالتیں (INQUISTIONS) قائم کیں جو لوگ اس کا نشانہ بنے ان کی تعداد گذشتہ جنگِ عظیم کے مقتولین کی تعداد سے کسی طرح کم نہیں ہے، یہ دو چیزیں ایسی جمع ہو گئیں جن سے اس ملک کا رخ یکسر مادیات کی طرف ہو گیا، اس کے اندر ایک مذہب سے نہیں بلکہ مطلق مذہب کی طرف سے بے اعتمادی اور ایک طرح کا کینہ اور انتقامی جذبہ پیدا ہو گیا، اس نے یہ سمجھا کہ علم

میں اس وقت تک ترقی نہیں ہو سکتی، جب تک مذہب کی بیڑی کو کاٹ کر پھینکا نہ جائے اور کلیسا سے آزادی حاصل نہ کرلی جائے، چنانچہ اس نے کلیسا سے بغاوت کی اور اس کے بعد اس نے یہ مادی سفر شروع کیا جس کے نتائج آج آپ کے سامنے ہیں۔

حضرات! یہ داستان طویل بھی ہے، اور بڑی دردناک بھی، دل پر پتھر رکھے بغیر نہ سنائی جاسکتی ہے، اور نہ سنی جاسکتی ہے، تاریخ آپ کے سامنے ہے، آپ سب اہل علم ہیں، آپ کا وسیع مطالعہ ہے، آپ تاریخ کے طالب علم بھی ہوں گے اور تاریخ کے فاضل اور اسکالر بھی، میں اس وقت یہ گفتگو ایسی یونیورسٹی کے دیوار کے سائے میں کر رہا ہوں جو دنیا میں بڑی شہرت رکھتی ہے، اور اس کا بہت بلند مقام ہے، اس لئے مجھے تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔

مغربی تہذیب نے اپنا عمل پورا کرلیا ہے

مغرب کی مادی تہذیب اپنے نقطۂ عروج (CLIMAX) پر پہونچ گئی ہے، کائنات کے مضمرات کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اس لئے کوئی ہم دعویٰ نہیں کر سکتے کہ اس کے بعد کوئی جہاں نہیں۔ ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

لیکن اس وقت یہ تہذیب اپنے جو بہترین پھل لاسکتی تھی اور جو بہترین نتائج دنیا کے سامنے پیش کر سکتی تھی، وہ اس نے دنیا کے سامنے پیش کر دیے اس وقت ہم ایک ایسے موڑ پر آکر کھڑے ہو گئے ہیں کہ تہذیب نے تقریباً اپنا عمل پورا کرلیا ہے، اور امریکہ جو اس تہذیب کا بڑا مرکز ہے، وہ اس وقت اپنی ان ترقیات کے جھولے میں جھولا جھول رہا ہے، وہ فخر سے یہ کہہ سکتا ہے، (اور کہنے والے کہہ بھی رہے ہیں) کہ ہم نے قدرت کے چہرے کا ہر نقاب اٹھادیا ہے، ہم نے کوئی راز رراز

نہیں رکھا ہر راز کو فاش کر دیا ہے، اور اس کے نتیجے میں جو ہونا چاہئے وہ اس وقت حاصل ہے، اس وقت فاصلے سمٹ کر رہ گئے ہیں، اور انسان کو جو آسانیاں میسّر آسکتی تھیں، وہ حاصل ہو گئیں اب اس کو کوئی دشواری نہیں، اب کسی کی تکلیف کی ضرورت نہیں، اب وہ تکلیف کا مزہ خود چکھنا چاہے تو چکھ سکتا ہے، لیکن وہ تکلیف اٹھانے پر مجبور نہیں۔

لیکن اس کے باوجود انسان کو نہ سکون حاصل ہے، اور نہ دنیا میں امن وامان قائم ہے، انسان ایسے مقام پر پہونچ گیا ہے، جہاں وہ بالکل مبہوت ہو کر کھڑا ہو گیا ہے، زندگی اسکو بے مقصد معلوم ہوتی ہے، چیزیں موجود ہیں لیکن ان کا اصلی مزا اس کو حاصل نہیں ہو رہا ہے، اس وقت تو ضرورت اس کی تھی کہ خود اس ملک میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو اس ملک کو اس دلدل سے نکالیں جس میں وہ پھنس گیا ہے، اس ملک کو ایک نیا پیغام دیں، اس ملک میں ایک نئی زندگی پیدا کر دیں لیکن افسوس ہے کہ اب زندگی اس رفتار سے جارہی ہے کہ اس کی باگ اب انسان کے ہاتھ میں نہیں رہی، اب انسان زندگی پر سوار نہیں بلکہ زندگی اس پر سوار ہے، اب انسان راکب نہیں بلکہ مرکب بن کر رہ گیا ہے، اب اس کو یہ تہذیب سرپٹ لئے جارہی ہے، منزل نامعلوم، باگ ڈور ہاتھ میں نہیں، پاؤں رکاب میں نہیں، انسان کے سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں جاکر یہ سفر ختم ہوگا اور اب وہ عامل نہیں معمول بنا ہوا ہے، اس موقع پر امید تو یہ تھی، اور ہم ایشیا کے لوگ (جن میں فلسفی بھی ہیں اور عوام بھی) آنکھیں لگائے ہوئے تھے کہ مغرب ہی میں کوئی پیدا ہوگا جو اس تہذیب کو نیا رخ دے گا اور زندگی کی اس ترقی کو بامعنی اور با مقصد بنائے گا لیکن ایسی شکل پیدا نہیں ہوئی۔

امید کی ایک کرن

میں اس کو محض اتفاق نہیں کہتا، میں اتفاقات کی منطق کا قائل نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ ہر کام اور واقعہ کے پیچھے تقدیر الٰہی کام کرتی ہے "ذالك تقدیر العزیز العلیم" خدا نے آپ کو اس ملک میں پہونچا دیا ہے بڑی تعداد میں مسلمان یہاں پہونچ گئے ہیں، ان میں صرف ہاتھ سے کام کرنے والے نہیں بلکہ دماغی صلاحیت رکھنے والے مسلمان بھی ہیں، جو یونیورسٹیوں میں تعلیم پارہے ہیں، تحقیقات میں مصروف ہیں، بہت سے ایسے بھی ہیں جنھوں نے اپنے علم کا یہاں لوہا منوالیا ہے، وہ بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں، محقق بھی ہیں، خود یہاں کی آبادی میں اسلام پھیل رہا ہے، اور ایک بڑی تعداد ایسی موجود ہے جو یا تو اسلام قبول کر چکی ہے یا قبول کرنے کے لئے تیار ہے، ہمارے بلالی مسلمان بھی اسوقت ہمارے لئے طاقت کا سر چشمہ اور ہماری امیدوں کا مرکز ہیں، اس طرح یہ ملک ایک نئی کروٹ لے رہا ہے اور امید کی ایک نئی کرن پیدا ہو رہی ہے، وہ موقع کہ ہم اس ملک کی دستگیری کرتے وہ ہمارے باہمی اختلافات کی وجہ سے اور ہماری کوتاہ بینی سے نکل گیا، چاہئے تو یہ تھا کہ جس وقت ترکوں کو اقتدار حاصل ہوا تھا، اور مغرب میں ان کی مضبوط حکومت قائم ہوئی تھی یا اس سے بھی قبل جب اسپین میں مسلمانوں کی حکومت قائم تھی اس وقت یورپ میں اسلام کی اشاعت ہوتی تو مغرب آج اس ورطہ میں نہ پڑتا، اس مادیت کے دلدل میں نہ پھنستا اور نہ اس کی وجہ سے وہ قومیں ان دلدلوں میں پھنستیں جو یورپ کے مقلد ہیں۔

لیکن افسوس کہ ہم نے اس وقت سے کام نہ لیا، اس سے بھی پہلے جب اسلام کے داعی دنیا میں نکلے تھے، کاش کہ اس وقت وہ داعی یہاں پہونچ جاتے، کہا

جاتا ہے کہ امریکہ کا کولمبس سے پہلے مسلمانوں نے انکشاف کیا تھا کاش وہ انکشاف سے فائدہ اٹھاتے اور اس ملک کو ایک پیغام دیتے اور وہ پیغام اسلام ہوتا لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہ ہو سکا جس کا نتیجہ سزا کے طور پر آج اسلامی ممالک بھگت رہے ہیں، آج اسلامی ممالک یورپ کی جس غلامی میں مبتلا ہیں اور جس طرح وہ یورپ کے دریوزہ بن گئے ہیں اور مغرب کے ارادوں کے جس طرح وہ تابع ہو گئے ہیں، مغرب جو معاملہ کر رہا ہے، اور جو کھیل کھیل رہا ہے میں سمجھتا ہوں کہ وہ سزا ہے مسلمانوں کی اس کوتاہی کی کہ مسلمانوں نے وقت پر اس کو خدا کا پیغام نہیں سنایا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیغام سے آشنا نہیں بنایا.

لیکن اب خدا نے ایک موقع دیا ہے، آپ مختلف ملکوں سے، مختلف تقریبوں سے، مختلف اغراض سے تیزی کے ساتھ اس ملک میں آرہے ہیں، کوئی اسلامی ملک نہیں جس کے بہترین نوجوان یہاں نظر نہ آتے ہوں اور آخری بات یہ ہے کہ اس ملک سے جہاں حرم واقع ہے، اس سے بڑی تعداد میں نوجوان یہاں آرہے ہیں، اس وقت آپ حضرات اپنی ذمہ داری کو سمجھیں آپ کی ذمہ داری اتنی ہی نہیں کہ آپ مغرب کے علوم سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے معاشی مسئلے کو حل کریں یا آپ یہاں سے بڑی دولت کما کر لے جائیں اور اپنے کنبہ اور خاندان کو فائدہ پہونچائیں، آپ کو اپنی ذمہ داری یہ سمجھنی چاہئے کہ اس ملک میں جس چیز کی کمی ہے اور یہ ملک اپنی تمام دولتوں کے باوجود جس دولت کے بارے میں محتاج ہے، اور خدا کے ارشاد کا صحیح مصداق کہ "**ثم رددناہ اسفل سافلین**" اگر آپ اس کی مادی فتوحات دیکھئے، اگر آپ اس کا سائنسی ترقیات دیکھئے تو "**لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم**" کا نقشہ ہے، اور اگر آپ کا اخلاقی افلاس دیکھئے، اگر آپ اس کی روحانی

پیاس دیکھئے، اگر آپ اس کی روح کا کرب دیکھئے تو اس کو "اسفل سافلین" کے مقام پر پائیے گا ایک طرف آپ اس کی عقلی پختگی کو دیکھئے اور ساتھ ساتھ اس کی عقلی بچپن اور طفولیت کو دیکھئے دو چیزیں اس میں جمع ہیں ایک طرف وہ چاند پر جا رہا ہے، دوسری طرف وہ اخلاقی پستی کے آخری گڑھے میں گر رہا ہے، وہی امریکہ جس نے آج ہر مسئلے کو حل کر دیا ہے، وہی آج اپنے نوجوانوں کے اخلاقی مسئلے کو حل کرنے میں ناکام ہے، اقبال نے کہا تھا۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

میں بالکل صفائی کے ساتھ کہتا ہوں کہ کاش ہمارا کوئی اسلامی ملک اس پوزیشن میں ہوتا کہ وہ مغرب کو پیغام دیتا اور مغرب سے آنکھیں ملا کر کہتا، اے مغرب! تو نے یہ ٹھوکر کھائی، اے مغرب! تیرے درد کی دوا ہمارے پاس ہے، تیرے درد کی دوا ہمارے قرآن میں ہے، رسول اللہ کے پیغام میں ہے، لیکن میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ ہماری گردنیں ندامت اور شرم سے جھک جاتی ہیں کہ کوئی اسلامی ملک بھی اس پوزیشن میں ہے ہی نہیں ہے کہ ہم مغرب سے مردوں کی طرح بات کر سکیں، ہم جب مغرب سے بات کرتے ہیں تو سر سے لے کر پیر تک ہم اس کے احسانات میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں ہماری جہالت ہمارے خلاف گواہی دیتی ہے، ہمارا افلاس ہمارے سر پر چڑھ کر بولتا ہے، بھیک کے لئے ہمارا ہاتھ پھیلا ہوتا ہے، ایسی حالت میں کوئی اسلامی ملک اس مغرب سے جو کہ اقتدار کا مالک ہے، جس کو ہر طرح کی سیادت، علمی سیادت، سیاسی سیادت، اقتصادی سیادت

حاصل ہے کیا بات کر سکتا ہے ؟ کون سا ایسا ملک ہے، جو اس مغرب پر ادنیٰ تنقید کر سکے، اس مغرب کو کوئی لقمہ دے سکے، کوئی مشورہ دے سکے ؟

آپ داعی کا مقام رکھتے ہیں

لیکن آپ سے میں کہتا ہوں ممکن ہے، آپ اس کو میری بلند پروازی پر محمول کریں لیکن میں آپ سے ضرور کہونگا کہ آپ اپنی زندگی، اپنے وجود، اپنے طرزِ زندگی سے یہ ثابت کریں کہ آپ کے پاس اس مغرب کو دینے کے لئے کچھ ہے، آپ یہاں صرف لینے کے لئے نہیں آئے ہیں، بلکہ دینے کے قابل بھی ہیں، آپ کا ہاتھ صرف لینے کے لئے نہیں پھیلا ہوا ہے بلکہ وہ کچھ دینے کے لئے بھی پھیل سکتا ہے، آپ اگر یونیورسٹی کے طالب علم، ٹیچر یا ریسرچ اسکالر ہیں، یہاں تک کہ آپ یہاں کی کسی فرم میں ہیں، آپ کا جن سے سابقہ پڑتا ہے، آپ کے ساتھ جو کام کرنے والے ہیں اس سب کے سامنے آپ اسلام کی صداقت کو پیش کر سکتے ہیں، ان میں یہ احساس پیدا کر سکتے ہیں، کہ اسلام آج بھی ان کی مدد کر سکتا ہے، کچھ دے سکتا ہے، ان کے پاس سب کچھ ہونے کے باوجود گویا کچھ نہیں اور ان سے جو حقیقی فائدہ پہونچنا چاہئے تھا، ان طبعی تحقیقات سے اور مادّی فتوحات سے وہ ان کو نہیں پہونچ رہا ہے، آپ کے اندر یہ اعتماد بحال ہونا چاہئے کہ آپ داعی کا مقام رکھتے ہیں آپ صرف خوشہ چیں نہیں ہیں کہ یہاں آکر ان کے باغ کی کلیاں توڑیں اور اپنا دامن بھریں بلکہ آپ اپنی کلیوں سے ان کا دامن بھر سکتے ہیں، یہ بات موجودہ حالات کے لحاظ سے قبل از وقت اور نا قابل قیاس ہے اور شاید ہمارے بہت سے بھائی سونچیں اور پوچھیں کہ میں کس دنیا میں رہتا ہوں۔

لیکن قرآن اور اسوۂ نبوی ہمارے اندر اعتماد پیدا کرتا ہے، جس وقت رسول اللہ صلے

اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کھانے کو نہیں تھا اور مدینہ میں کوئی اسٹیٹ قائم نہیں ہو ئی تھی اور جبکہ کوئی معاشی مسئلہ بھی حل نہیں ہوا تھا، اور مسلمان خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، اس وقت خدا کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کے جو اس وقت سمبول تھا، دنیا کی سب سے بڑی طاقت کا اور جو دنیا کے آدھے حصے پر حکومت کرتا تھا، اپنے خط میں لکھا تھا،

بسم الله الرحمٰن الرحيم..من عبد الله ورسو له إلىٰ هرقل عظيم ا لروم سلام علىٰ من اتبع الهدىٰ اما بعد!فانى اد عوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم يوتك الله اجرك مرتين فان توليت فان عليك اثم الار يسين ويااهل الكتاب تعا لو الىٰ كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد ا لا الله ولا نشرك به شيئاولا يتخذبعضنا بعضا اربا با من دون الله فان تولوا فقو لواشهدوا بانا مسلمون بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے، یہ خط ھرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے اس کو سلامتی ہو جو ھدایت کا پیرو ہے۔ میں تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں، اسلام لا، تو سلامت رہے گا، خدا تجھ کو اجر دے گا اور اگر تو نے نہ مانا تو اہلِ ملک کا گناہ تیرے اوپر ہوگا، اے اہلِ کتاب !ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر) خدا نہ بنائے اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔

ہم اس پیغمبر کے امتی ہیں جس نے فقر وفاقہ کی حالت مین، گمنامی کی حالت میں، اس وقت جب کہ دنیا میں مسلمانوں کی سیاسی، اقتصادی کوئی پوزیشن نہیں تھی، اس حالت میں دنیا کے سب سے باجبروت انسان کو اس خود اعتمادی وخدا

اعتمادی کے ساتھ اسلام کی دعوت دی، یہ کیا ہمت تھی؟ یہ کیا مقام تھا، یہ کیا بلندی تھی، اس وقت جبکہ اس کے گھر میں کھانے کو نہیں، اس کے خزانے میں پیسہ نہیں، چند لوگ اس کو ماننے والے ہیں ایک شاہ وقت سے وہ اس طرح کہتا ہے "اسلم تسلم" اسلام قبول کرو، بچ جاؤ گے، تمھاری حفاظت ہو گی، تمھاری جان بچ جائے گی، ہم اس پیغمبر کے امتی ہیں، آج ہمارا یہ مقام ہونا چاہئے کہ ہم آجائیں قوم کو دینے کا حوصلہ رکھیں اور ان کو یہ احساس دلائیں کہ ہمارے پاس وہ دولت ہے، جس سے وہ محروم ہے، اور بغیر اس دولت کے یہ تمدن بچنے والا نہیں، اس وقت یہ تمدن پوری طرح خودکشی کرنے کے لئے تیار ہے اور اس گہری خندق میں چھلانگ لگا نے کے لئے تیار ہے جس میں گرنے کے بعد کبھی ابھر نہیں سکے گا اس سے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو یہی خدا کی بھیجی ہوئی تعلیمات، قرآن کی رہنمائی اور یہ کہ مادیت اور اخلاقیات اور وسائل و مقاصد کے درمیان رابطہ قائم کیا جائے، اگر مادیات ہیں اور اخلاقیات نہیں تو تباہی کے سوا کچھ نہیں، یہ وہ پیغام ہے جو ہمارے اسلامی ملکوں کو دینا چاہئے تھا اور صاف کہنا چاہئے تھا کہ اے مغرب تو ڈوب رہا ہے، ہم تجھے بچا سکتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی یہ پوزیشن نہیں رکھتا، انھوں نے اپنے کو اس قابل رکھا ہی نہیں ہے، یہ مغرب کے دریوزہ گر ہیں، ان میں سے کسی کی ہمت نہیں کہ کچھ کہہ سکیں کہ اے مغرب تیرے تمدن میں یہ کمی ہے، یہ مغربی تہذیب کو معراج سمجھتے ہیں، کسی نے کہا ہے کہ ساری دنیا کا قبلہ حرم ہے، اور حرم کا قبلہ امریکہ بنا ہوا ہے، یہ میں کہہ رہا ہوں دین کا ادنیٰ طالبِ علم، اور اس طبقہ سے تعلق رکھنے والا جس کو ہر حال میں دفاع کرنا چاہئے تھا، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آج ہمارے اسلامی ملوک، رؤسائے جمہوریات اس قابل نہیں ہیں کہ مغرب کو کچھ

پیغام دے سکیں، مغرب کو کچھ مشورہ دے سکیں، لیکن آپ اگرچہ کسی ریاست کے مالک نہیں، اگرچہ آپ کسی خزانہ کے مالک نہیں لیکن آپ یہ فرض انجام دے سکتے ہیں کس طرح دے سکتے ہیں؟ اس طرح کہ آپ ایک زندگی کا مظاہرہ کریں، آپ خود اعتمادی کا مظاہرہ کریں، آپ اپنے دین پر، اپنے مذہب پر فخر کرنا سیکھیں، آپ خدا کی اس نعمت کا شکر ادا کریں کہ قدرت نے آپ کو ان نعمتوں سے نوازا ہے، آپ نمازوں کے ذریعے، دعاؤں کے ذریعے اس مادیت کے جال سے آزاد ہونے کے ذریعے، آپ یہ ثابت کریں کہ مادیت آپ کو غلام نہیں بنا سکتی ہے، ابھی آپ کی روح زندہ ہے، ابھی آپ کا قلب زندہ ہے، ان کی طرح مردہ نہیں ہوا، ابھی آپ کے اندر خیر و شر کے فرق کا احساس زندہ ہے، آپ کے نزدیک دنیا کی دولت ہی سب کچھ نہیں ہے، بلکہ آپ کے نزدیک یہ دنیا بھی کچھ نہیں ہے اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے، اور آپ خدا کو قادرِ مطلق سمجھتے ہیں اور اس کی رضا کو سب سے بڑی سعادت اور کمال سمجھتے ہیں، خدا نے آپ کو یہ موقع دیا ہے خدا نے آپ کو اسی لئے بھیجا ہے کہ آپ ان کے سامنے زندگی کا نیا تجربہ اور نئی حقیقتیں لائیں جو ان کی آنکھوں سے بالکل اوجھل ہو چکی ہیں، اور مسیحیت اپنے ان تمام کلیساؤں کے باوجود یونیٹی کالجوں کے باوجود اور اس کو جو اقتدار حاصل ہے، اس کے باوجود مسیحیت اس حقیقت کو زندہ کرنے میں ناکام رہی ہے، اور آئندہ بھی کوئی امید نہیں ہے، آپ اپنی ہر طرح کی کمزوریوں کے باوجود یہ فرض انجام دے سکتے ہیں۔

حضرات! میں نے آپ کا بڑا وقت لیا لیکن میرے جلے ہوئے دل کی آہ اور کراہ سمجھئے جو میں نے آپ کے سامنے پیش کر دی میں خدا کے سامنے یہ شہادت

دے سکتا ہوں کہ میں نے سب سے بڑے صنم خانے میں اذان دی، میں نے تیرا نام لیا اور اس کے لئے موزوں سے موزوں تر جو مقام ہو سکتا تھا، وہاں میں نے پیغام پہونچا دیا، میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ میں سے ایک شخص نے بھی اس سے اثر لیا تو میں کامیاب ہوں، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے کام سے زیادہ اپنے دین کا کام لے اور آپ کو اپنے اور اپنے خاندان، کنبہ، بستی اور ذاتی ملک کے لئے مفید ہونے سے کہیں زیادہ دین اور اسلام کے لئے مفید اور خود اس ملک کے لئے مفید بنائے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب ا لعالمين.

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆☆

خدمتِ دین و علم کے دائمی اور ابدی امکانات

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسنؒ علی ندوی نے یہ تقریر ۲۷؍ فروری ۸۳ء کو صبح ۸ بجے دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں کی تھی، جس میں دارالعلوم کے اساتذہ، طلبہ اور معززینِ شہر کی ایک بڑی تعداد شریک تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدمتِ دین و علم کے دائمی اور ابدی امکانات

انسان کی مخفی صلاحیتیں

انسان اپنی ذات سے خاک کا پتلا ہے، وہ بذات خود کسی کمال کا مالک نہیں ہے، اپنی فطرت کے لحاظ سے وہ عاجز ہے، بے علم ہے، بے کمال ہے، بلکہ بے صفت ہے، بے حیثیت ہے، کوئی اس کی قدر و قیمت نہیں، اس کے اندر جو کچھ کرنے کی طاقت اور عمل کی توفیق پیدا ہوتی ہے اور اس سے ان کمالات کا اظہار ہوتا ہے جن کی وسعتوں، گہرائیوں اور بلندیوں کی پیائش کوئی بڑے سے بڑا انسانی ذہن نہیں کر سکتا اور کسی بڑے سے بڑے شاعر کا تخیل بھی وہاں تک پہنچ نہیں سکتا، وہ سب کچھ در حقیقت نتیجہ ہے۔ ارادۂ الٰہی اور امر الٰہی کا اور یہی حقیقت ہے جو اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے **یلقی الروح من امرہٖ علیٰ من یشاء من عبادہٖ**۔ وہ چاہے تو بے جان خاکی پتلوں میں جان ڈالدے اور جان ہی نہ ڈال دے بلکہ مسیحائی کا کام لے۔

جو نہ تھے خود راہ پر غیروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

یہ جب نبی کا کارنامہ ہے تو خدا کی قدرت کا کیا پوچھنا ہے، حقیقت یہ ہے

کہ سب تعریف خدا کی ہے اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِین. وہ جس سے چاہے کام لے اور جب چاہے کام لے اور پھر جتنا چاہے کام لے، یہ سب چیزیں اور سارے حدود و قیود اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں ست

حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء اور تربیت یافتہ حضرات جن میں سے حضرت مولانا سید جعفر علی صاحب بستویؒ کا نام یہاں پر زیادہ موزوں اور بر محل ہے، ان حضرات کی ساری خدمات اور دینی و دعوتی جد و جہد در حقیقت امر الٰہی اور ارادۂ الٰہی کا کرشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں سے کام لیا اور انہوں نے دین کے احیاء کا عظیم الشان فرض انجام دیا، دلوں کو زندہ کر دیا، آنکھوں کو روشن کر دیا، روحوں کو بے تاب بنا دیا اور جہالت کے بادل چھٹ گئے، علم کے دریا بہہ گئے، جگہ جگہ اور چپہ چپہ پر مدرسے قائم ہوئے اور گھروں کی فضائیں اور وسعتیں اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کے ذکر سے معمور ہو گئیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کے ارادۂ "کُن فَیَکُون" کا کرشمہ ہے وہ جس سے چاہے کام لے، بڑے بڑے بزرگوں کے نام لینے سے بعض اوقات ایک قدرتی اثر کے طور پر یا رد عمل کے طور پر یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ لوگوں کو کچھ مایوسی سی ہوتی ہے کہ اب نہ ایسے بزرگ پیدا ہوں گے نہ ایسی ہستیاں آئیں گی اور نہ یہ کام ہوگا، بلند پایہ شخصیات کا تذکرہ پڑھ کر مایوسی کا شکار ہونا قانونِ قدرت سے ناواقفیت کی بات ہے، اس کے برخلاف اس سے ہم کو حوصلہ مندی کا ایک پیام ملتا ہے اور کچھ کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب سب کچھ ارادۂ الٰہی پر موقوف ہے، تو پھر مایوسی کی کیا بات ہے، اس کی بیشک کچھ شرطیں ہیں پہلی شرط تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے اس کے بعد یہ ہے کہ

ع۔ دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

کامیابی کی چند شرائط

اس کے لئے کچھ اخلاص کی ضرورت ہے اور تھوڑے سے مجاہدے اور ایثار کی ضرورت ہے اور عزمِ قوی کی ضرورت ہے، تو اگر یہ صفات پیدا ہوں اور جب بھی یہ پیدا ہوں گی اور ادھر سے ارادہ الٰہی ہوگا اور یہ کنکشن مل جائے گا تو کامیابی یقینی ہے، ان مخلصین کے ذریعہ حالات اور ماحول میں بڑے سے بڑا انقلاب برپا ہو سکتا ہے، جب حقیر سا تخم اچھی زمین میں پڑ جاتا ہے تو گل وگلزار اور ہری بھری کھیتیاں وجود میں آجاتی ہیں، حالانکہ اس تخم کی کیا حقیقت ہے؟ اگر آپ اس کو ہتھیلی پر رکھ کر اڑا دیں تو وہ اڑ جائے اور یہ مٹی جس کے اندر نہ حلاوت ہے اور نہ طاقت ہے اور حیات بخشی تو بڑی چیز ہے اس کے اندر سرے سے حیات ہی نہیں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین مردہ تھی ہم نے پانی کا ایک چھینٹا اس پر ڈال دیا تو اھتزت وربت وہ جھوم اٹھی، تو جب ایک تخم کے ایک صحیح زمین پر ڈالنے سے یہ کھیتی پیدا ہو سکتی ہے جو ہم اور آپ دیکھ رہے ہیں تو پھر قلب انسانی میں اگر صرف اتنی صفت پیدا ہو جائے کہ خدا کی نعمتوں کی ناقدری نہ کرے اور خدا کی نعمت کو قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے تو پھر وہ کیا کچھ نہیں دکھا سکتا ہے اور کیسے کیسے عجائبات اس سے ظہور میں نہیں آسکتے ہیں؟

تذکرۂ اسلاف کے متضاد اثرات

بزرگوں کے نام لینے سے ایک فوری اثر تو یہ پڑتا ہے کہ آدمی کہتا ہے کہ بس اب تو آدمی کو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا چاہئے اور مایوس ہو جانا چاہیے کہ اب نہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے اور نہ ان کے بنانے والے اور نہ ان کے پیدا کرنے والے، اب

کہاں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ ہوں گے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ جن کے دامن عاطفت میں پرورش پائیں اور کہاں اس خاندان کے وہ قدسی نفوس ہوں گے اور کہاں یہ کام، یہ احساس و تاثر انتہائی غلط اور مضر ہے۔

اس کے بر خلاف یہ اثر ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو اگر اپنے دین کو زندہ رکھنا ہے اور یقیناً رکھنا ہے اور یہ دین آخری ہے، اس کا کوئی بدل اور قائم مقام نہیں، تو پھر بجائے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونے کے اللہ کی رحمت سے نئی نئی امیدیں قائم کرنی چاہئے

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم می کنند آنچہ مسیحا می کرد

توفیقِ الٰہی ہر زمانے کے لحاظ سے ہوتی ہے

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسی پایہ کی ہستیاں پیدا ہوں گی اور شاید اس کی ضرورت بھی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہر زمانہ کے مطابق معاملہ کرتا ہے، اور کل یوم ھو فی شان، کے بموجب اس کی تجلیات بھی مختلف ہوتی ہیں، یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی طرز پر ہر زمانہ میں کام ہو، لیکن مایوس ہونیکی کوئی بات نہیں اور حقیقت میں ہمارے یہ خس پوش مدارس، خس پوش تربیت گاہیں اور خانقاہیں، یہی ایسے لوگوں کو پیدا کرتی تھیں جو رہتے تو تھے جھونپڑوں میں لیکن وہ امیروں کیا بادشاہوں کے محلوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

ہمارے یہی خس پوش مدارس، تربیت گاہیں، خانقاہیں ایسے خستہ حال لیکن بلند خیال افراد کو تیار کرتی تھیں جو اپنی بوریائے فقر پر بیٹھ کر بادشاہوں کو خاطر میں نہ لائیں اور جو اپنے کپڑوں میں پیوند لگا کر قبائے شاہی کو ہاتھ نہ لگائیں، آج بھی

ایسے لوگوں کی ضرورت ہے، ایسے "**درویشانِ خدا مست**" کی ضرورت ہے اور ان کے پیدا ہونے کی امید ایسے ہی خس پوش مکانوں اور ایسی ہی سادہ و معمولی جگہوں میں ہو سکتی ہے۔ آپ تاریخ اسلام اور اس میں بھی خاص طوز پر اصلاح و تجدید کی تاریخ میں جن لوگوں کے نام سنتے اور پڑھتے ہیں وہ وہی لوگ ہیں جو غریب گھرانوں میں پیدا ہوئے سادہ ماحول میں رہے اور ایک مدت گذری کہ ان کو پیٹ بھر کر کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا اور ان کے والدین تک کو نصیب نہیں ہوتا تھا کہ اپنے بچوں کو کیا کھلائیں، پھر انہی جھونپڑوں میں سے وہ چراغ نکلے جنھوں نے عالم کا عالم روشن کر دیا۔

بر خود نظر کشا ز تہی دامنی مرنج

آج اس کی ضرورت ہے کہ آپ اپنے وسائل کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں اور آپ انکا موازنہ بڑے بڑے ان دار العلوموں اور ان مدارس جامعات سے نہ کریں کہ جن کے افسانے آپ سنتے ہیں، اور جنکو بہت سے لوگ منتہائے پرواز اور منتہائے تخیل سمجھتے ہیں، آپ ان کی قدر کریں اور کوشش کریں کہ ان کے اندر وہ صفات پیدا ہوں کہ ان کی طرف اللہ کی رحمت متوجہ ہو، اور پھر اللہ تعالیٰ انہیں میں سے کسی کا انتخاب کرے اور پھر اس زمانہ کی ظلمتوں میں (جیسی کہ ہر زمانہ کی ظلمتیں ہوتی ہیں) کوئی علم اور اصلاح کا نور پیدا ہو، یہ علاقہ نیپال کی پوری ترائی اور یہ مشرقی علاقہ اور خاص طور پر یہ ضلع بستی میرے لئے بہت کشش رکھتا ہے اور یہاں کے لوگوں سے پرانے تعلقات ہیں جیسا کہ مولانا مرتضیٰ صاحب نے اشارہ کیا اور سپاسنامے میں بھی اشارے آئے، تو ہم یہاں آنے پر حقیقت میں کسی اعزاز اور سپاسنامے کے مستحق نہیں تھے اور اس کا خیال بھی نہیں تھا لیکن زمانہ میں

ایک رسم ہوگئی ہے، بہر حال ہمیں کسی استقبال اور خیر مقدم کی ضرورت نہیں جیسا کہ کل ایک عزیز نے کہا کہ ہم اپنے گھر آئے ہیں اور حقیقت میں تو۔

ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

دین کی خدمت کرنے والوں کا معاملہ یہ ہے کہ جہاں جائیں وہ ان کا گھر ہے اور وہاں جانا بھی ان کا فرض ہے اور خدمت کرنا بھی ان کا فرض ہے۔

اہل دردو خلوص کی کمی

بہر حال ہمارے اوپر اس کی ایک ذمہ داری ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اور آپ بھی دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس مدرسہ کو ترقی دے اور اس قابل بنائے کہ یہاں پر اصل مقصد کو پورا کرنے والے لوگ پیدا ہوں۔

اس وقت نہ عالموں کی کمی ہے نہ مصنفوں اور مفکروں کی کمی ہے بلکہ اہل درد کی کمی ہے ان لوگوں کی کمی ہے جن کے دلوں پر واقعی چوٹ ہو جیسی چوٹ حضرت سید احمد شہیدؒ کے لوگوں کے دلوں پر تھی اور جیسی چوٹ حضرت مولانا سید جعفر علی صاحبؒ کے دل پر تھی۔

ایک بے چینی کی کیفیت تھی کہ گاؤں گاؤں پھرنا، لوگونکی خوشامد کرنا، گھر گھر جانا، دین کی طرف بلانا، سنتوں کا احیاء اور بدعتوں اور جاہلیت کی رسوم وعقائد کا ازالہ ان سب کے لئے وہ ماہی بے آب کی طرح بے چین رہے، اسی طرح ان کی عمر اسی تڑپ اور سوز میں گذری، آج اس سوز کی کمی ہے، ساز کی کمی نہیں، اور ہم زیادہ تر ساز کا مظاہرہ دیکھتے ہیں اور ہر جگہ ساز ہی ساز ہے اور اب تو بہت جگہ مادیت اور کفر سے بھی ساز باز کر لیا گیا ہے اور ساز سے معاملہ ساز باز تک پہنچ گیا ہے۔ تو اس وقت

ساز سے زیادہ سوز اور صورت سے زیادہ حقیقت اور بے چینی کی ضرورت ہے۔

اخلاص کی برکتیں

اگر اللہ تعالیٰ آپ کے اس علاقہ میں دین کے ایسے دو آدمیوں کو پیدا فرمادے جن کو لوگوں کی جہالت، بد عملی اور بد اعتقادی سے قلبی بے چینی ہو تو پورے علاقہ کی اصلاح ہو سکتی ہے، اور جیسے کم سے کم قاضی عدیل صاحب عباسی مرحوم تھے کہ ان کے دل پر ایک چوٹ لگی کہ اگر یہی لیل و نہار رہے اور یہی سرکاری تعلیم رہی اور مسلمانوں کی آئندہ نسلیں اس کے حوالے ہوتی رہیں تو یہ اسلام سے بالکل بے بہرہ ہوں گی اور صرف سلبی طور پر بے بہرہ ہی نہیں ہوں گی بلکہ ایجابی طور پر یہ ہندو "**دیومالا**" اور جاہلیت ہندیہ کی حلقہ بگوش ہو جائیں گی، تو اس بے چینی و فکر نے اس دینی تعلیمی تحریک کو وجود بخشا، یہ میں نے ایک مثال دی جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے ایک ایسے فرد کی کہ جس کے کام کرنے کے بہت سے میدان تھے اور وہ ہندوستان کے افق پر ایک روشن ستارہ کی طرح چمک سکتا تھا لیکن اس نے اپنے لئے کام کا ایک بظاہر چھوٹا اور حقیر سا میدان منتخب کر لیا اور اس میں اپنی صلاحیتوں کو صرف کیا اور آج اس کا نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں اور ابھی دیکھیں گے کہ کس پیمانہ پر آپ کے اس ضلع بستی میں کانفرنس ہو گی اور کہاں کہاں سے لوگ آئیں گے، علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر سید حامد صاحب تشریف لائے ہیں اور مختلف جگہوں سے اور بھی ماہرین تعلیم اور اہل فکر مسلمان اور دانشور حضرات آئے ہیں، تو اس طرح بس ضرورت اسکی ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ ایسا کھڑا ہو جائے کہ جس کے دل پر چوٹ لگی ہو، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو دیکھئے کہ

"جہانے را دگر گوں کرد یک مرد خود آگاہے"

دنیا کو ہلا کر رکھ دیا، یہاں سے لے کر امریکہ اور ابھی چند دن ہوئے روس تک ایک جماعت گئی تھی، دنیا کے ایک مشرقی کنارے سے دوسرے مغربی کنارے تک اور شمال و جنوب میں انہوں نے ایک حرکت پیدا کر دی ہے تو ان کی بے چینی نے یہ حرکت پیدا کی۔ اسی کی ضرورت ہے اور باقی یہ خیال کہ جب تک بڑی بڑی عمارتیں نہ ہوں، بہت بڑا بجٹ اور پروپیگنڈہ نہ ہو، لٹریچر اور میگزین نہ ہو، اور وہ جامعہ کی سطح کا کوئی مدرسہ نہ ہو تو اس وقت تک کچھ نہیں ہو سکتا، یہ سب خیالات ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اصل چیز عزم، بے چینی اور درد ہے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ میں وہ روح اور وہ حقیقت پیدا کرے جس سے دینی تعلیم کا مقصد اصلی حاصل ہو۔

تحریک آزادی اور اصلاحِ عوام میں اَدَبِ اسلامی کا حصہ

رابطۂ ادب اسلامی کے پانچویں مذاکرۂ علمی منعقدہ حیدرآباد بتاریخ ۷/ تا۹/ اکتوبر ۱۹۸۹ء کا خطبہ صدارت جو اپنے متعدد تاریخی مشتملات اور موضوع سے گہرا ربط رکھنے کی وجہ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں جہادِ آزادی کے سلسلہ میں بعض اہم اور نئے پہلوؤں اور تاریخی حقائق وواقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریک آزادی اور اصلاحِ عوام میں ادبِ اسلامی کا حصہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلاۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم۔

حضرات! اس مذاکرہ علمی کا موضوع بہت وسیع ہے، اور اس پر فاضلانہ مقالات پڑھے جائیں گے، میں اپنی آج کی گفتگو اور معروضات کو تحریکِ آزادی کے ان قائدین اور علمبرداروں کی مساعی اور ان کے نتائج کے حصہ تک محدود رکھوں گا جو دینی دعوت اور بامقصد اور حیات بخش ادبِ اسلامی کے ممتاز ترین حامل اور صحیح نمائندہ تھے۔

کسی ملک کی آزادی کی تحریک (اور جنگِ آزادی تو اس کے نتیجہ میں بعد کی چیز ہے) مذہب واخلاق، اعلیٰ انسانی قدروں، بعض اوقات طاقتور دینی حمیت، خطر پسندی و مہم جوئی کی صلاحیت اور جذبہ قربانی کے بغیر وجود میں نہیں آتی، اور اس کی صلاحیت ایک صحیح اور پختہ عقیدہ پر ایمان، اور مادی منافع اور عہدہ واعزاز سے صرفِ نظر کئے بغیر نہیں پیدا ہوتی، اسی طرح اس کے لئے حالات کا گہرا مطالعہ، تبدیلیوں کا مبصرانہ اور دور رس جائزہ، اور اس کے طویل المیعاد اور

بعید الوقوع نتائج کا اندازہ کیا جانا بھی ضروری ہے، ان باطنی محرکات وعوامل، ان دینی واخلاقی سرچشموں اور ان اندرونی کیفیت وجذبات، پھر اس دور میں نگاہ اور حقیقت شناس اور وسیع جائزہ، اور اس کے نتیجہ میں شدید احساسِ کرب کے بغیر نہ سچی تحریک آزادی پیدا ہوتی اور پروان چڑھتی ہے اور نہ اس کے نتیجہ میں وسیع اور دیر پا جنگ آزادی لڑی جاسکتی ہے، اور نہ اس سلسلہ میں قربانیاں دی جاسکتی ہیں۔

اس کا نتیجہ ہے کہ تیرہویں صدی ہجری اور انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہم جب ہندوستان کے اس قومی لٹریچر پر نظر ڈالتے ہیں جو فارسی، اردو اور ہندی میں دستیاب ہے، تو ہم کو اس عہد کے ایک عظیم عالم اور مصلح کے فکر وکردار پر حیرت ہوتی ہے، جس کے مطالعہ اور تحقیق وتشریح کا میدان صرف دینیات (تفسیر وحدیث وفقہ) اور کسی حد تک عربی، فارسی کے ادبیات کے اندر محدود نظر آتا ہے، نہ اس زمانہ کے عرف کے مطابق وہ کوئی سیاسی قائد ولیڈر تھا، نہ عوامی جدوجہد کے میدان کا کوئی تجربہ کار وحوصلہ مند مجاہد، میری مراد ہندوستان کے شہرہ آفاق عالم، استاذ العلماء اور محقق عصر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۱۵۹، ۱۲۳۹، ۱۷۴۶، ۱۸۲۳ء) کی ذات ہے، ان کے ایک عربی شعر میں ہم کو وہ سیاسی بصیرت، برصغیر ہند سے لے کر افغانستان تک کے حالات میں اس انقلاب کے آثار اور فرنگی حملہ آوروں کے خطرناک منصوبوں سے واقفیت کی جھلک بلکہ ایک عمیق ومعنی خیز پیشین گوئی کی مثال ملتی ہے، جس کو اس کی دور بینی، حقیقت شناسی اور اخلاقی، معاشرتی سیاسی واقتصادی، دوررس تبدیلیوں کی پیش بینی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جس کی مثال ان کے عہد کے بلکہ اس سے بہت بعد تک کے عہد کے کسی سیاسی مبصّر اور مورخ کے یہاں نہیں ملتی، انھوں نے

اپنے اس عربی شعر میں اس خطرہ کی نشان دہی کی ہے بلکہ اس خطرناک انقلاب کی طرف کھلے طریقہ پر انگشت نمائی کی ہے جو جنوبی ایشیا کے اس وسیع خطہ پر جو عظیم آزاد سلطنتوں کا مالک تھا منڈلا رہا تھا، بلکہ عملاً اس سرزمین پر اس کی بساطِ شطرنج بچھا دی گئی تھی، وہ فرماتے ہیں :

وانی اری الافرنج اصحاب ثروة
لقد افسدوا مابین دهلی و کابل

"میں وسائل اور سرمایہ کے مالک فرنگیوں کو دیکھتا ہوں کہ انھوں نے دہلی اور کابل کے درمیان فساد عام کے بیج بو دیئے ہیں، اور اس آزاد سرزمین کو سیاسی، غلامی، اقتصادی بدحالی اور خانہ جنگی کے لئے تیار کر دیا ہے"۔

اسی طرح ان کے خلیفہ و تربیت یافتہ ہندوستان کے شہرہ آفاق مصلح و مجاہد حضرت سید احمد شہید رائے بریلویؒ (۱۲۰۱۔۱۲۴۶ھ۔۱۷۸۶۔۱۸۳۱ء) کے ان خطوط و مکتوبات میں جو انھوں نے ہندوستان کے بعض ہندو والیانِ ریاست اور ہمسایہ ملکوں کے مسلمان والیانِ سلطنت کو لکھے ہیں، نو وارد اور قسمت آزما انگریزوں کے بارے میں وہ الفاظ ملتے ہیں جو کم سے کم انیسویں صدی عیسوی میں، بلکہ ۱۸۵۷ء اور اسکے کچھ بعد تک بڑے بڑے سیاسی بصیرت رکھنے والوں اور جنگِ آزادی کے علمبرداروں کی تحریروں اور تقریروں میں بھی نظر نہیں آتے، اور اس سے ان کی اس حیرت انگیز نباضی، دیدہ وری اور صاف گوئی کا نمونہ سامنے آتا ہے جو ان کے عہد، اس زمانہ کی ثقافت اور اس کے خالص دینی ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے بہت قبل از وقت اور ایک طرح سے "**الہامی**" معلوم ہوتا ہے۔

سید احمد شہیدؒ راجہ ہندو راؤ، وزیر گوالیارؒ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

بررائے سامی روشن ومبرہن است کہ بیگانگانِ بعید الوطن ملوکِ زمین وزمن گردیدہ، وتاجرانِ متاع فروش بپایۂ سلطنت رسیدہ، امارتِ امرائے کبار وریاست روسائے عالی مقدار برباد نمودہ اند، وعزت واعتبارِ ایشاں بالکل ربودہ۔

جناب کو خوب معلوم ہے کہ یہ پردیسی سمندر کے پار رہنے والے، دنیا جہان کے تاجدار، اور یہ سودا بیچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے ہیں، بڑے بڑے اہلِ حکومت کی حکومت اور انکی عزت وحرمت کو انھوں نے خاک میں ملادیا۔

ایک ہندوستانی ریاست کے فوجی افسر اعلیٰ غلام حیدر خاں کے نام لکھتے ہیں۔

اکثر بلادِ ہندوستان بدست بیگانگاں افتادہ، وایشاں ہر جابنیادِ آئین جور وظلم نہادہ، ریاست روسائے ہندوستان برباد رفتہ، کسے تاب مقاومتِ ایشاں نمی دارد، بلکہ ہر کس ایشاں راآقائے خود می شمارد، وچوں روسائے کبار از مقابلہ ایشاں نشستند، لاچار چند کس از ضعفائے بے مقدار کمر بستند۔

ملک ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکیوں کے قبضہ میں چلا گیا ہے، اور انھوں نے ہر جگہ ظلم وزیادتی پر کمر باندھی ہے، ہندوستان کے حاکموں کی حکومت برباد ہو گئی، کسی کو ان کے مقابلہ کی تاب نہیں، بلکہ ہر ایک ان کو اپنا آقا سمجھنے لگا ہے، چونکہ بڑے بڑے اہلِ حکومت ان کا مقابلہ کرنے کا خیال ترک کر کے بیٹھ گئے ہیں، اس لئے چند کمزور وبے حقیقت اشخاص نے انکا بیڑہ اٹھایا ہے۔

حیدرآباد میں اس مجلسِ مذاکرہ (سیمینار) کے پہلے مرتبہ منعقد ہونے کی مناسبت اور اہلِ حیدرآباد کی قدردانی اور حسنِ ضیافت کی رعایت سے، ہم ہندوستان کی تحریکِ آزادی کے سورماؤں اور قائدین کے تذکرہ میں (جن کی تعداد بہت بڑی

ہے اور جن کا تذکرہ اگلی سطروں میں آنے والا ہے)سب سے پہلے میر گوہر علی خاں نواب مبارز الدولہ بہادر کے ذکرِ خیر سے ابتدا کرتے ہیں جو نواب سکندر جاہ بہادر آصف جاہ ثالث کے چھوٹے فرزند اور ناصر الدولہ بہادر کے بھائی تھے، موصوف ۱۸۰۰ء میں حیدر آباد میں پیدا ہوئے، وہ فارسی و عربی میں اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتے تھے، ان کی مذہبی تعلیم بھی مستند طور پر ہوئی تھی، انگریز دشمنی کا جذبہ انھیں اپنے باپ نواب سکندر جاہ بہادر آصف جاہ ثالث سے ورثہ میں ملا تھا، اس نے کم عمری ہی میں جارحانہ صورت اختیار کرلی، اور انگریز ریزیڈینٹ British resident سے ایک مقابلہ و تصادم کے نتیجہ میں ان کو پانچ سال کے لئے قلعہ گولکنڈہ میں نظر بند کر دیا گیا۔

ہم یہاں پر ایک فاضل حیدر آبادی مضمون نگار محمد محسن جواد صاحب کے مقالہ شائع شدہ "نیا دور" یومِ آزادی نمبر (اگست ۱۹۸۵ء) کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ نواب مبارز الدولہ بہادر کے اس مجاہدانہ کردار کی مستند تاریخی تفصیل کتاب "حیدر آباد کی تاریخ جدو جہد آزادی" (History of freedom movement in hyderabad) شائع کردہ حیدر آباد اسٹیٹ کمپنی ۱۹۵٦ء سے معلوم ہوسکتی ہے جس کے ساٹھ صفحات نواب مبارز الدولہ بہادر سے مخصوص کئے گئے ہیں۔ فاضل مضمون نگار لکھتے ہیں :۔

> گولکنڈہ میں قید کے دوران نواب مبارز الدولہ کے روابط سید احمد شہیدؒ کے نمائندوں سے (جو دکن بھیجے گئے تھے) قائم ہو گئے تھے، سید احمد شہیدؒ نے بھی سکندر جاہ آصف جاہ ثالث سے خط وکتابت کی تھی، کرنل میڈوز ٹیلر نے اپنی

کتاب The history of my life میں سید احمد بریلویؒ کے ایک خط کا خلاصہ پیش کیا ہے، جس میں سید احمد بریلویؒ نے ہندوستان سے انگریزی اقتدار کے خاتمہ کی جدوجہد میں انھیں آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی، اس خط میں انھوں نے آصف جاہ ثالث کو ان کی خاندانی روایات کو یاد دلاتے ہوئے زور دیا تھا کہ وہ ملک سے بے دین لوگوں کے اقتدار کے خاتمہ میں ان کی مدد کریں۔'

"۱۸۳۱ء میں سید احمد بریلویؒ شہید ہوئے، لیکن تحریکِ شہیدین کا زور نہیں ٹوٹا، بلکہ اس کے بعد کے واقعات اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ان پیرووں نے اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھا، اور اپنا مرکز شمال سے جنوب منتقل کر دیا، ۱۸۳۱ء میں مولوی ولایت علی اور مولوی سلیم الدین (جو تحریک کے سرکردہ قائدین میں سے تھے)، حیدرآباد آئے، مبارز الدولہ کے گھر میں مقیم رہے، اور انھوں نے دیگر ساتھیوں کو مبارز الدولہ کا مخبر اور قاصد بنا کر انھیں مدراس بنگلور، کرنول، جودھ پور، بھوپال، لاہور، سندھ اور دوسرے شہروں اور ریاستوں کو روانہ کیا، چنانچہ ان علاقوں میں تحریک کے حق میں زوردار سرگرمیاں شروع ہوگئیں، مختلف مقامات میں بھیجے گئے قاصد فقیروں کے بھیس میں پیامات اور خبریں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے اور عوام میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا پرچار کیا کرتے تھے، ان ہی کے ذریعہ نواب مبارز الدولہ

مختلف ریاستوں کے حکمرانوں سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھے، اور
منظم طریقوں سے بغاوت کے منصوبہ کو آگے بڑھا رہے تھے۔"

نواب مبارز الدولہ کے ذکر کے ساتھ ہمارا ذہن قدرۃً سلطان شہید ٹیپو (شہید ۱۲۱۴ھ۔۱۷۹۹ء) کی طرف منتقل ہوتا ہے، جن کا دور اور کارنامہ ہندوستان کے تمام مجاہدین آزادی اور بالغ نظر دوربین قائدین آزادی سے پہلے شروع ہوتا ہے، اور جن کا برطانوی اقتدار کے امکانات و خطرات کو برسوں پہلے محسوس کر لینے اور اس سے نفرت کرنے میں کوئی مدِ مقابل و ہمسر نظر نہیں آتا، اور جو اقبال کے الفاظ میں :

ترکشِ مارا خدنگ آخریں

کا مصداق تھے، جنھوں نے "گیدڑ کی سو سالہ زندگی پر شیر کی ایک دن کی زندگی" کو ترجیح دی، اور جن کی نعش کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جنرل ہیرس (General harris) کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ "آج ہندوستان ہمارا ہے"۔

بعض تاریخوں اور خاندانی دستاویزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شہید کے خاندان کا سید احمد شہیدؒ کے خاندان سے روحانی ارتباط رہا ہے، اس مردِ مومن اور اس فقیر غیور اور امیر جسور کے جسم و جان میں (جس نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہندوستان کی آبرو رکھ لی) خاندانِ ولی اللہی اور جماعتِ مجاہدین اور سید احمد شہیدؒ کے بزرگوں (سید شاہ ابو سعیدؒ اور سید شاہ ابو اللیثؒ) کے روحانی اثرات اور ان کی آرزوؤں اور تمناؤں کی روح کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

باوجود اس کے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی صحیح معنی میں عوامی اور قومی تھی، اور ہندو مسلمان سب اس میں شریک تھے، اور ہندوستان نے وطن دوستی،

اتحاد اور گرم جوشی اور ولولہ کا ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا جیسا کہ اس وقت دیکھنے میں آیا، پھر بھی قیادت ورہنمائی کے میدان میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری تھا، چنانچہ اکثر قائد مسلمان ہی تھے، ہنٹر (w.w.hunter) کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ''غدر'' میں سید صاحب کی تحریک جہاد کی بچی کھچی چنگاریاں کام کررہی تھیں، وہ لکھتا ہے کہ:

''انھوں نے ہندوستان میں ایک ایسا مذہبی انقلاب برپا کردیا، جس کی مثال اس کی گزشتہ تاریخ میں نہیں ملتی، یہی انقلاب ہے جس نے پچاس سال سے انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کی روح کو دبنے نہیں دیا۔''

اس تحریک کی فکری اور علمی قیادت میں عظیم اللہ خان، جنرل بخت خان، خان بہادر خان، مولانا شاہ احمد اللہ، مولانا لیاقت علی الہ آبادی اور حضرت محل پیش پیش تھے، ان میں مولانا احمد اللہ شاہ فیض آبادی کی شخصیت بڑی ممتاز تھی۔ ہومز لکھتا ہے:

''مولوی احمد شاہ شمالی ہند میں انگریزوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔''

پنڈت سندر لال کہتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ دنیا کی آزادی کے شہیدوں میں ۱۸۵۷ء کے مولوی احمد اللہ شاہ کا نام ہمیشہ کے لئے قابلِ احترام رہے گا۔

میلی سن لکھتا ہے:

''مولوی احمد اللہ ایک بڑا ہی حیرت انگیز انسان تھا،

غدر کے دنوں میں سپہ سالار کی حیثیت سے اس کی قابلیت کے بہت سے ثبوت ملے کوئی بھی دوسرا آدمی فخر کے ساتھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں نے دوبار سر کالن کیمپ بل کو میدان میں شکست دی۔"

نیز وہ لکھتا ہے:

"احمد اللہ شاہ سچا محبِ وطن تھا، اس نے کسی نہتے کا خون بہا کر اپنی تلوار کو ناپاک نہیں کیا، بہادری کے ساتھ ڈٹ کر کھلے میدان میں ان بدیسیوں کے ساتھ جنگ کی جنھوں نے اس کے وطن کو چھین لیا تھا، ہر ملک کے بہادر اور سچے لوگوں کو چاہئے کہ مولوی احمد شاہ کو عزت کے ساتھ یاد رکھیں۔"

یہ ایک قتلِ عام تھا، لیکن مسلمان خاص طور سے اس کا نشانہ تھے، اس لئے کہ بہت سے ذمہ دار انگریز یہ کہتے تھے کہ یہ اسلامی جہاد تھا، اور مسلمان اس بغاوت کے بانی، قائد اور رہنما ہیں، ایک انگریز مصنف ہنری میڈ (Henry mead) کہتا ہے:

اس سرکشی کو موجودہ مرحلہ میں سپاہیوں کی بغاوت کا نام نہیں دیا جاسکتا، یقیناً اس کا آغاز سپاہیوں سے ہوا، لیکن بہت جلد اس کی حقیقت آشکارا ہوگئی یعنی یہ اسلامی بغاوت تھی۔"

ایک معاصر مؤرخ لکھتا ہے:

"ایک انگریز کا شیوہ یہ ہوگیا تھا کہ ہر مسلمان کو باغی سمجھتا تھا، ہر ایک سے پوچھتا، ہندو ہے یا مسلمان؟ جواب میں مسلمان سنتے ہی گولی ماردیتا۔"

پھر پھانسی کا سلسلہ شروع ہوا، عام شاہراہوں اور سڑکوں پر پھانسی کے تختے لگادیئے گئے، اور یہ جگہیں انگریزوں کی تفریح اور دلچسپی کا مرکز بن گئیں، جہاں آکر وہ پھانسی پانے والوں کے سسکنے اور دم توڑنے کے وقت کا لطف لیتے، سگریٹ کا کش لگاتے اور آپس میں باتیں کرتے رہتے، جب پھانسی کا کام پورا ہوجاتا اور وہ مظلوم شخص آخری سانسیں لیتا تو ہنسی اور مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کرتے، ان بد نصیبوں میں بڑے بڑے ذی وجاہت اور اشراف تھے، بعض مسلم محلے اس طرح تہ تیغ کردیئے گئے کہ ایک فرد بھی باقی نہ بچا۔ ایک معاصر مؤرخ لکھتا ہے :۔

"ستائیس ہزار اہل اسلام نے پھانسی پائی، سات دن برابر قتل عام رہا، اس کا حساب نہیں، اپنے نزدیک گویا نسل تیموریہ کو نہ رکھا، مٹادیا، بچوں تک کو مار ڈالا، عورتوں سے جو سلوک کیا بیان سے باہر ہے، جس کے تصور سے دل دہل جاتا ہے۔

میلی سن لکھتا ہے :

> "ہمارے فوجی افسر ہر قسم کے مجرموں کو مارتے پھرتے تھے، اور کسی درد تأسف کے بغیر انھیں پھانسیاں دے رہے تھے، گویا وہ کتے تھے یا گیدڑ، یا ادنیٰ قسم کے کیڑے مکوڑے"۔

فیلڈ مارشل لارڈ رابرٹس نے ۲۱ر جون ۱۸۵۷ء کو اپنی والدہ کو لکھا:

> "سزائے موت کی سب سے زیادہ مؤثر صورت یہ ہے کہ مجرم کو توپ سے اڑادیا جائے۔ یہ بڑا ہی خوف ناک نظارہ ہوتا ہے، لیکن موجودہ وقت میں ہم احتیاط پر کاربند نہیں ہوسکتے، ہمارا مقصد ان بد معاش مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ

خدا کی مدد سے انگریز اب بھی ہندوستان کے مالک رہیں گے۔"

ایک عجیب و غریب جذباتی طریقہ سے جس کی انگریز جیسی دستوری اور جمہوری قوم سے توقع نہیں تھی، ۱۸۶۵ء میں مولانا یحیٰ علی، مولانا احمد اللہ عظیم آبادی، مولوی عبدالرحیم صادق پوری، اور مولوی محمد جعفر تھانیسری کو جو سب جماعت مجاہدین سے تعلق رکھتے تھے، انڈمان روانہ کر دیا گیا، مولانا یحیٰ علی اور مولانا احمد اللہ کا انڈمان میں انتقال ہو گیا، اور مولوی محمد جعفر اٹھارہ سال کی قید بامشقت اور جلاوطنی کے بعد اپنے وطن واپس ہوئے، پٹنہ میں اہل صادق پور کے تمام جائدادیں ضبط کر لی گئیں، ان کی عمارتیں گرادیں گئیں، اور ان پر ہل چلوادیا گیا، اور اس زمین پر نئی سرکاری عمارتیں قائم کی گئیں، ان کے مقبروں کو تباہ برباد کر دیا گیا یہ سب انتقامی جذبہ کے ماتحت اور دل ٹھنڈا کرنے کے لئے کیا گیا۔

اسی طرح ہندوتان کے ممتاز اور جلیل القدر علماء کی خاصی تعداد کو انڈمان میں جلاوطنی کی سزا دی گئی، جن میں مولانا فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی مظہر کریم دریابادی کے نام قابل ذکر ہیں، مولانا فضل حق خیر آبادی تو وہیں انتقال کر گئے، اور بقیہ دو عالم عرصہ کے بعد وطن واپس ہوئے۔

۱۹۱۲ء میں بلقان کی جنگ چھڑی اور یورپین حکومتوں بالخصوص برطانیہ کے خلاف (جو اس وقت ان کا لیڈر تھا) رائے عامہ میں غم و غصہ کی ایک شدید لہر دوڑ گئی اور مشرق کے اسلامی سیاسی شعور کا لاوا جو آہستہ آہستہ پک رہا تھا پھوٹ پڑا، اسی زمانہ میں مولانا ابوالکلام آزاد نے "الہلال" نکالا، جس میں سخت آتشیں مضامین شائع ہوتے، اور یورپ کی مسلم دشمن سیاست پر بڑی فصاحت و قوت کے ساتھ بھرپور تنقید کی جاتی، ہزاروں لاکھوں مسلمان ذوق و شوق کے ساتھ اس کو پڑھتے

تھے، مولانا محمد علی جوہر نے کلکتہ سے کامریڈ (COMRADE) نکالا جو بعد میں دہلی منتقل ہو گیا، وہ انگریزی سیاست پر لطیف اور طنز آمیز اسلوب میں تنقید کرتا تھا، اسی طرح مولانا ظفر علی خاں کا اخبار "زمیندار" اور دوسرے اسلامی اخبارات اور رسالے منظر عام پر آئے اور ان کے ذریعہ سے پورے ہندوستان میں ایک فکری بغاوت یا انقلاب کی آگ پھیل گئی، جس کے نتیجہ میں حکومتِ ہند نے مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا حسرت موہانی کو گرفتار کر لیا۔

کو گرفتار کر لیا۔

اسی دور میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی کو ان کے تلامذہ و رفقا کے ایک گروہ کے ساتھ جس میں مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی خاص طور پر قابل ذکر ہیں برطانوی حکومت نے حجاز سے نکال کر جزیرۂ مالٹا میں اسیر و نظر بند کر دیا جہاں تین سال دو مہینے رہنے کے بعد ہندوستان آئے، رہائی کے بعد ان علمائے کرام نے جنگ آزادی اور سیاسی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جن میں مولانا مدنی، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے قید و بند کی مصیبتیں اٹھائیں، انکا مقاطعہ بھی ہوا لیکن وہ پوری مستقل مزاجی سے اپنا کام کرتے رہے، جنگ آزادی کے قائدین میں مذکور الصدر حضرات کے علاوہ مولانا عبد الباری فرنگی محلی، مولانا معین الدین اجمیری، مولانا ابو المحاسن محمد سجاد بہاری کے نام بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔

مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور ان میں خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کے سلسلہ میں علامہ شبلی نعمانی مرحوم کے حصہ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جنھوں نے "الہلال" کی نظموں، اور "مسلم گزٹ" کے مضامین کے ذریعہ برطانیہ

کی وفاداری کی پالیسی اور مسلمانوں کی کمزور سیاست پر سخت تنقید کی، اور تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہن کو متاثر کیا۔

ہندوستان کی تحریک آزادی اور غیر ملکی اقتدار سے (جو دین ومذہب اخلاق واقدار، تمدن ومعاشرت، اقتصادیات، ہندوستان کی خوش حالی اور صنعتی خود کفالتی کے لئے کھلا خطرہ تھا) نجات حاصل کرنے کی تحریک وجدوجہد میں علمائے دین، سرفروش مجاہدین اور صاحب حمیت وغیرت مسلمانوں کا جو قائدانہ اور سرفروشانہ حصہ تھا اس کی کسی قدر تفصیل سطور بالا میں آچکی، ادب وشاعری کے ذریعہ ان کے ادیبوں اور شاعروں نے جس جرأت مندانہ طریقہ پر اس تحریک وجدوجہد میں تپش وسوزش پیدا کی، اس کا مفصل تاریخی جائزہ لینے کے لئے ایک جفاکش ودیدہ ور مؤرخ و ادیب کا قلم در کار ہے "**الہلال**" "**کامریڈ**" اور "**زمیندار**" کے آتشیں مقالات اور ولولہ انگیز نظموں اور تبصروں سے بہت پہلے جماعت مجاہدین کے ادیبوں اور شاعروں نے یہ کام شروع کردیا تھا، اس نازک دور میں جب ایک تیز لفظ پر پھانسی دی جاسکتی تھی، حضرت سید احمد شہیدؒ کی جماعت کے ایک فرد سید محمد امین صاحب امروہی (م ۱۲۸۵ھ ۱۲۶۸ء) کا یہ شعر بڑی اہمیت رکھتا ہے، اور وہ ان حالات میں ایک جرأت قلندرانہ بلکہ اقدام سرفروشانہ سے کم نہیں، انگریز حوصلہ مندوں کے بارے میں جو ہندوستان پر تسلط حاصل کرتے جارہے تھے، وہ ایک قصیدہ میں کہتے ہیں ؎

به نیر وئے اسلامیاں زور دہ
کہ شد از سگاں شہر ہا کور دہ

"مسلمانوں کے ہتھیاروں میں زور دے اس لئے کہ (مہذب وترقی یافتہ) شہر ان

فرنگی کتوں کی وجہ سے گھٹیا دیہات اور ''کوردہ'' مقامات بن گئے ہیں''۔

اپنے فرزند کے لئے دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

مجاہد چنانش کن اندر غزا

کزو تا رسد بر نصاری سزا

''اس کی ایسا مجاہد و غازی بنا کہ اس سے ان فرنگی عیسائیوں کو کچھ سبق ملے''

ادبی رزمیہ کا یہ سلسلہ اردو کے نامور و صاحب اسلوب شاعر حکیم مومن خاں مومن کے قصیدۂ جہادیہ اور مولانا خرم علی بلوری کی مثنوی جہادیہ سے شروع ہو کر بیسویں صدی عیسوی کی ان ولولہ انگیز مجاہدانہ نظموں اور شاہناموں پر مشتمل نظر آئے گا، جنھوں نے عرصہ تک تعلیم یافتہ حلقوں، شرفاء کے خاندانوں یہاں تک کہ مستورات میں شہادت فی سبیل اللہ کی قدر اور جہاد و سرفروشی کی ایسی عظمت واہمیت پیدا کر دی کہ وہ اپنے لختہائے جگر فرزندوں، پوتوں اور نواسوں کو اس شعر کی لوری سنا سنا کر سلاتی تھیں ؎

الٰہی! مجھے بھی شہادت نصیب

یہ افضل سے افضل عبادت نصیب

ان رزمیہ شعری مجموعوں اور شاہناموں میں خاندان حضرت سید احمد شہیدؒ کے ایک پر فکر و قادر الکلام شاعر منشی سید عبدالرزاق صاحب کلامیؔ (متوفی ۱۳۳۴ھ ۱۹۱۶ء) کی ''**صمصام الاسلام**'' منظوم ''**فتوح الشام**'' (واقدی) خاص طور پر قابل ذکر ہے، جو پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) اشعار پر مشتمل ہے اور جو راقم السطور کے بچپن تک یوپی، دہلی، دوآبہ اور راجپوتانہ کے دیندار خاندانوں کی مجلسوں اور تقریبوں میں پڑھی جاتی تھی اور اس سے سننے والی مسلمان خواتین اور

اپنی ضرورتوں سے آنے والے ان کے خوردسال فرزندوں میں حرارتِ ایمانی وجوشِ اسلامی موجیں مارنے لگتا تھا۔

حضرات! آخر میں یہ عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ ابھی ان لوگوں کا جنھوں نے جنگ آزادی میں قائدانہ ومجاہدانہ کردار ادا کیا تھا کام ختم نہیں ہوا، اب ان کو اس آزاد خود مختار ملک میں مصلحانہ ومفکرانہ کردار ادا کرنا ہے، پہلے اس ملک کی زمین کو آزاد کرانے کا مرحلہ تھا، اب اہل ملک کے ضمیر کو آزاد کرانے کا مسئلہ ہے جو اس سے کسی طرح کم اہم اور ضروری نہیں، غیر ملکی اقتدار خواہ کسی قدر طویل مستحکم ہو ایک غیر فطری اور عارضی صورت حال تھی جس کو دیر سویر ختم ہونا تھا، لیکن اہلِ ملک کی اپنے آپس میں ہوس اقتدار، ایکدوسرے کا ناجائز استحصال، دولت کی حد سے بڑھی ہوئی محبت، اخلاق واقدار واصول سے بے نیازی اور حد سے بڑھا ہوا نسلی، لسانی اور فرقہ وارانہ تعصب ومنافرت اور تنگ نظری، غیر ملکی اقتدار اور دور غلامی سے کم شرمناک اور خطرناک نہیں، جن کے پاس اب بھی دینی رہنمائی، آسمانی تعلیمات، نبیؐ ومتبعین نبی کا اسوہ، حیات آفریں تاریخ اور نثر ونظم کی شکل میں ولولہ انگیز ورہنما ادب موجود ہے، ان کی ذمہ داری ہے کہ اس ملک کو ان امراض وخطرات سے بچانے کے لیے جان کی بازی لگا دیں۔

اقبال کے ان اشعار پر اپنے اس معروضہ کو ختم کرتا ہوں ؎

بینی جہاں را خود را نہ بینی — تاچند غافل فارغ نشینی
نور قدیمی شب را برافروز — دست کلیمی در آستینی
بیروں قدم نہ از دور آفاق — تو بیشتر ازینی، تو پیشتر ازینی

شرعی عائلی قوانین پر عمل کرنے کے بارے میں
مسلمانوں کا غیر جانبدارانہ احتساب

اور

دعوتِ فکر و عمل

یہ تقریر آل انڈیا مسلم پرسنل لا کانفرنس منعقدہ کلکتہ کے موقع پر ۷/اپریل ۱۹۸۵ء کو شام میں شہید مینار میدان میں مسلمانوں کے عظیم الشان جلسۂ عام میں کی گئی۔ اس جلسۂ عام میں محتاط اندازہ کے مطابق پانچ لاکھ کا مجمع تھا۔ اور سارا مجمع گوش بر آواز تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرعی عائلی قوانین پر عمل کرنے کے بارے میں مسلمانوں کا غیر جانبدارانہ احتساب

اور

دعوتِ فکروعمل

حضرات! اس وقت ہندوستان میں رہ رہ کر مسلم پرسنل لایعنی مسلمانوں کے عائلی قانون میں آئین سازی کے ذریعہ مداخلت کا مسئلہ اٹھتا رہتا ہے، اور ملک کے مختلف حصوں سے آوازیں بلند ہوتی رہتی ہیں، غیر مسلموں کی طرف سے بھی، (جن سے ہمیں کچھ زیادہ شکایت نہیں) اور مسلمانوں کے ترقی و تجدد پسند PRO-GRESSIVE طبقہ کی طرف سے بھی۔

اس کے بہت سے اسباب بیان کئے جاسکتے ہیں، اور وہ صحیح ہوں گے، لیکن میں ایک مذہبی انسان ہونے کے ناتے، نیز مذہب کے طالب علم اور قرآن و سیرت کا مطالعہ کرنے والے انسان کی حیثیت سے اس کا کچھ اور سبب سمجھتا ہوں، کسی

بزرگ کا مقولہ ہے کہ ”جب مجھ سے اپنے مالک، اپنے خدا کے معاملہ میں کوئی کوتاہی ہوتی ہے، میرے رات کے معمولات میں فرق آتا ہے، جس وقت میں اٹھتا ہوں، جتنی رکعتیں پڑھتا ہوں، خدا کو جس طرح یاد کرتا ہوں، اس سے دعا کرتا ہوں، اس کے سامنے روتا دھوتا ہوں، اس میں جب کوئی کمی ہو جاتی ہے تو میں فورا اس کا نتیجہ دیکھ لیتا ہوں! اس کا نتیجہ کیا دیکھتا ہوں؟ یہ کہ میرے ملازمین میری بات اس خوش دلی کے ساتھ نہیں مانتے جس طرح پہلے مانا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب میں سواری پر بیٹھنے لگتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں کہ گھوڑا اس طرح اپنی پیٹھ نہیں جھکاتا اور اس طرح مجھے قبول نہیں کرتا جیسے وہ ہمیشہ قبول کرتا رہا ہے، میں سمجھ جاتا ہوں کہ میں نے اپنے مالک کے حق میں کوتاہی کی، تو یہ جن کو اللہ نے میرے اختیار میں دیا ہے مجھ سے سرتابی کر رہے ہیں، مجھے سبق دے رہے ہیں، میرے چٹکی لے رہے ہیں کہ تم نے اپنے آقا کے معاملہ میں کوتاہی کی، تم تو ہمارے آقائے مجازی ہو، ہم تمھارے معاملہ میں کوتاہی نہیں، سرتابی کریں گے“ کتابوں میں ان کے الفاظ بعینہ نقل کئے گئے ہیں، **أعرف ذلك في خُلُق دابتي وخدمي** (مجھے اپنی اس کوتاہی کی نحوست، اپنے جانوروں اور ملازمین کے طرزِ عمل میں نظر آجاتی ہے)۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ عظیم مجمع جس تعداد کی نمائندگی کرتا ہے، اس تعداد کو چھوڑ دیجئے، وہ ساڑھے سات کروڑ ہے کہ پندرہ کروڑ، میں صرف اس مجمع کو سامنے رکھتا ہوں، میں کہتا ہوں کہ اس ملت کے افراد کتنی بڑی تعداد میں بھی ہوں، اور کس ذوق و شوق کے ساتھ اپنے علماء کی باتیں، خادمان دین کی باتیں سننے کے لئے جمع ہوں، کسی کو خیال بھی نہ آتا (جرأت کرنا تو الگ ہے) کہ ان کے پسندیدہ، ان کے برگزیدہ اور ان کے مقدس قانون میں مداخلت کی جائے، کسی واقعہ

کے کچھ اسباب ظاہری ہوتے ہیں، جن کو ظاہری آنکھیں دیکھتی ہیں، کچھ اسباب غیبی ہوتے ہیں جن کو قرآن مجید، سنت اللہ، اسوۂ رسولؐ و سیرت النبیؐ کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ جرأت بار بار اس لئے ہو رہی ہے کہ ہم سے اللہ کے اس مقرر کئے ہوئے مقدس قانون کی پابندی میں اور اس پر عمل کرنے میں شدید کوتاہی ہو رہی ہے، ہم اس قانون کو اپنے گھروں میں توڑ رہے ہیں، اپنے خاندانوں میں توڑ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کہیں ہمیں اس کی یہ سزا نہ دے کہ وہ قانون پھر قانونی طور پر توڑا جائے، یہ خدا کے طریقے ہوتے ہیں، وہ کبھی براہ راست سزا دیتا ہے، کبھی اپنی مخلوقات اور اپنے بندوں کے ذریعہ سزا دلواتا ہے، یہ عناصر اربعہ، یہ بحر و بر، یہ خشکی و تری، یہ موسم اور طاقتیں جو اس کائنات میں کام کر رہی ہیں (وللہ جنود السمٰوٰت والارض) یہ سب خدائی لشکر ہیں، پہلے ہم اس قانون کی حرمت اور اس قانون کا احترام اپنے گھروں میں کریں، زوجین اپنے آپس میں کریں، میاں بیوی اپنے تعلقات اور ان حقوق و فرائض میں کریں جو ان پر عائد ہوتے ہیں، ترکہ و میراث کے قانون میں اس کا احترام کریں، اس کی پابندی کریں، نکاح و طلاق کے مسائل میں اس پر عمل کریں، پھر کسی کی مجال نہیں کہ دنیا میں وہ اس قانون کو چیلنج کر سکے، گردنیں جھک جائیں گی اور ساری دنیا سر افگندہ ہو جائے گی بلکہ اس کو شوق ہوگا کہ وہ آپ کے قانون پر چلے۔

لیکن جب ہم اس قانون کو اپنے گھر میں توڑیں گے تو پھر دوسروں سے توقع نہیں کر سکتے کہ وہ ہمارے قانون کا احترام کریں، آج آپ اپنا جائزہ لیجئے، دیانتدارنہ جائزہ لیجئے، اپنے خود آپ محتسب بنئے، اور اپنے لئے اپنے گھروں میں عدالتیں قائم کیجئے، اپنے مقدمے خود دائر کیجئے، آپ ہی مدعی بنئے آپ ہی مدعا علیہ

بئے ، اور دیکھئے کہ کتنے خدائی قانون ہیں ، کتنے قرآن مجید کے منصوصات اور قطعیات ہیں، جن میں دنیائے اسلام کے دو عالموں کے درمیان بھی اختلاف نہیں، ان کو آپ کس طریقہ سے نظر انداز کررہے ہیں، آپ نے اپنی بہنوں کو ان کے والدین کی میراث (ترکہ) سے ان کا حصہ دیا؟ آپ نے نکاح و طلاق کے حق کو اس طرح استعمال کیا جس طرح اللہ اور اس کا رسول چاہتا ہے؟ کیا مسلمان شوہر نے اپنی بیوی کے اور مسلمان بیوی نے اپنے اپنے شوہر کے حقوق ادا کیئے؟ کیا آپ کو مسائل کا علم ہے؟ تفصیلی علم تو بڑی چیز ہے، یہ علماء کا کام ہے، لیکن کیا آپ کو موٹی موٹی باتیں بھی معلوم ہیں، یہ ہمارا طرز عمل اس قانون کے معاملہ میں ہے، اس کی ہماری نظر میں (معاذ اللہ) پرکاہ کے برابر بھی قیمت نہیں، ہم ایک ادنیٰ مفاد کے لئے ادنیٰ درجہ کے فائدہ اور راحت کے لئے اس قانون کو پامال کرتے ہیں، اس قانون کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں تو ہمیں دوسروں سے کیا شکوہ؟

آج میں اس مجمع عظیم کو ایمانی زبان ، قرآنی زبان میں خطاب کرتا ہوں، آپ کی عملی زندگی کا محاسبہ کررہا ہوں، آپ خود دیکھئے کہ آپ اس قانون کا کتنا احترام کرتے ہیں، اس پر خاندانی روایات کو اور رسم و رواج کو کتنی ترجیح دیتے ہیں؟ اس پر اس کا اضافہ کیجئے جو آپ نے اپنے ہم وطنوں سے سیکھا ہے، جہیز کا بڑھا چڑھا مطالبہ ہم میں کہاں سے آیا؟ اس کو کسی نام سے یاد کیا جاتا ہو، یہ چیز کہاں سے آئی؟ مکہ، مدینہ، حرمین شریفین سے آئی ہے، قرآن مجید کے راستے سے آئی، یہ لعنت کہاں سے آئی؟ جب آپ اس کو قبول کرتے ہیں تو اللہ بطور سزا کے آپ کی غیرت ملی کو، آپ کے وجود ملی کو بار بار نشانہ بناتا ہے۔

ایک ایسا آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ عطا فرمائی ہے، اور جو یہ

سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں انسانوں کے قلوب ہیں، وہ ہمیشہ جب کوئی مصیبت پیش آتی ہے، اس کو اپنے گناہ کا نتیجہ سمجھتا ہے، قرآن شریف میں صاف صاف ہے :۔

وَمَا اَصَابَکُم مِنْ مُصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیدِیْکُم وَیَعْفُوا عَنْ کَثِیْرٍ (سورۃ الشوریٰ. ۳۰) تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ تمھارے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہے، وہ تمھارے عمل کا نتیجہ ہوتا ہے، (یہ بھی ایسی حالت میں ہے) کہ اللہ تعالیٰ بہت کچھ عفوودرگذر سے کام لیتا ہے

ورنہ قرآن میں یہ بھی ہے :۔

وَلَوْیُؤاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا مَاتَرَکَ عَلیٰ ظَھْرِھَا مِنْ دَابَّۃٍ وَّلٰکِنْ یُؤَخِرھُم اِلیٰ اَجَلٍ مُّسَمّٰی فَاِذَا جَاءَ اَجَلُھُم فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِعِبَادِہٖ بَصِیْرًا (سورۃ فاطر. ٤٥) اگر اللہ تعالیٰ پکڑنے لگے انسانوں کو ان کے عملوں پر تو سطح زمین پر کوئی چلنے والی اور رینگنے والی چیز باقی نہ رہے، لیکن وہ ان کو ایک وقت مقرر تک مہلت دیئے جاتا ہے، سو جب ان کا وقت آجائے گا (تو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا) خدا تو اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

بہت کچھ معاف کرینے کے بعد اور درگزر کرنے کے بعد بھی معصیت کا، قانون شکنی کا اثر ظاہر ہوتا ہے، تو ہم جس بات کی شکایت کرتے ہیں (اور بجا طور پر شکایت کرتے ہیں) میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں، اور یہ بھی ایک ڈنکا ہی ہے، بہانگ دہل اعلان کرتا ہوں کہ ہم لوگ (شرعی قانون میں قانون سازی کے ذریعہ مداخلت کی) جو شکایت کرتے ہیں، وہ شکایت بجا ہے، ہم شکایت کرتے رہیں گے، اور شکایت کرنا ہمارا حق ہے، ایک جمہوری ملک میں جہاں قانون چلتا ہو، جہاں ہر

شہری کو برابر کا حق دیا گیا ہو، وہاں ہر شہری کو اور شہریوں کی ہر تنظیم کو اور آبادی کے ہر عنصر کے نمائندوں کی یہ حق ہے کہ پارلیمنٹ (ایوان قانون ساز) میں، اپنے قومی عوامی جلسوں میں، اپنی مجلسوں میں اور اخباروں کے کالموں میں، وہ اس بات کی شکایت کریں کہ ہمارا فلاں حق نہیں مل رہا ہے، ہمارے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے، کوئی ملک جس کی جمہوریت پر بنیاد ہو، جو جمہوری ہو، اس کے بغیر نہیں چل سکتا۔ حقیقت پسند حکومتیں اس بات کا اہتمام کرتی ہیں کہ ان کے ایوان قانون ساز میں ایک حزب مخالف رہے، ایک اپوزیشن پارٹی ہو، تاکہ اس کے ذریعہ حکومت کو اپنی خامیاں معلوم ہوتی رہیں، اور اس کو ملک کی آبادی کو زیادہ مطمئن کرنے اور مطمئن رکھنے کا موقعہ ملتا رہے، اس لئے ہم اپنی حکومت سے شکایت کریں گے اور سو بار کریں گے، اور اس کو اس پر فخر ہونا چاہئے کہ ہمارے ملک میں شکایت کرنے کا حق ہے، یہ حق سلب نہیں کیا گیا ہے، ہمیں اپنی آواز بلند کرنے کا حق ہے، ہم اسی میں ملک کی فلاح سمجھتے ہیں، وہ ملک خطرہ میں ہے، جہاں زبان بندی کا قانون نافذ کیا جائے، جہاں کسی کو کراہنے اور آہ کرنے کی اجازت نہ ہو، اس لیے ہمارے اس ملک کا یہ افتخار، ہمارے اس ملک کی یہ خصوصیت، باقی رہنی چاہیے، ہم ہمیشہ اپنے آئین ساز بھائیوں سے اور ارکانِ حکومت سے، انتظامیہ-ADMINISTRA TION اور حکمراں جماعت سے شکایت کریں گے۔

لیکن جب ہم اہل حکومت اور برادران وطن سے شکایت کرتے ہیں تو ہمیں آپ سے شکایت کرنے کا حق کیوں نہ ہو؟ اس سے شکایت کریں گے اور ان کا دامن پکڑیں گے، لیکن آپ کا گریبان پکڑلیں گے، اور وہ ہاتھ ہمارا ہاتھ نہیں ہوگا، وہ دینی احتساب کا ہاتھ ہوگا، وہ شریعت کا ہاتھ ہوگا جو آپ کا گریبان پکڑیگا، اور کہے گا

کہ پہلے تم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ تم اس قانون پر کتنا چلتے ہو، تمھاری نگاہوں میں اس قانون کی کتنی حرمت ہے؟ تم جہاں اس قانون کو چلا سکتے ہو وہاں چلا رہے ہو کہ نہیں؟ تم تو اپنے گھروں میں اس قانون کو نہ چلاؤ اور حکومت سے مطالبہ کرو کہ وہ تمھارے قانون کو چلائے، اس کا احترام کرے۔

میں آپ سے ایک بات کہتا ہوں، یہاں سے یہ عہد کر کے جائیے کہ اب قانون شریعت پر آپ چلیں گے، یہ جہیز کی کیا مصیبت ہے؟ لڑکے والوں کی طرف سے مطالبات کی ایک لمبی چوڑی فہرست پیش ہوتی ہے، شرائط پیش کئے جاتے ہیں، ان کے پورا نہ ہونے پر یہ معصوم لڑکیاں جلادی جاتی ہیں، ملک میں سیکڑوں واقعات پیش آتے ہیں، صرف دہلی میں ہر بارہ گھنٹے پر ایک نئی بیاہی دلھن کو جلا کر مار ڈالا جاتا ہے، کیا اس کائنات کے خالق اور نوع انسانی کے مربی (جس کی مخلوق مرد و عورت دونوں ہیں) کو یہ چیز گوارا ہو سکتی ہے؟ کیا اس ظلم کے ساتھ کوئی ملک کوئی معاشرہ پنپ سکتا ہے، خدا کی رحمت و نصرت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ آپ رحمۃ للعالمین کی امت ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کی ہمت نہیں ہونی چاہیے تھی، میں نے دہلی کے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ

(سورۃ الانفال۔ ۳۳) اور خدا ایسا نہ تھا کہ جب تک تم ان میں تھے انھیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور انھیں عذاب دے۔

رحمۃ للعالمین کا وجود موجود ہے، آج رحمۃ للعالمین ہمارے درمیان نہیں ہیں، لیکن رحمۃ للعالمین کی امت موجود ہے، آپ رحمۃ للعالمین کی امت ہیں، آپ

کے ہوتے ہوئے ہندوستانی سماج میں، ہندوستان کے معاشرہ اور سوسائٹی میں یہ ظلم ہو، اس کو عقل قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، آپ کے ہوتے ہوئے بھی یہ نہیں ہونا چاہئے تھا، چہ جائیکہ آپ کے ہاتھوں ہو، عہد کیجئے کہ آپ اسلامی طریقہ پر شریفانہ انسانی طریقہ پر، شادی کا پیام دیں گے، آپ لڑکی مانگیں گے، اپنے لئے رفیقۂ حیات کی تلاش کریں گے، بیٹے کے لئے پیام دیں گے جہیز کے لیے آپ کے بڑے چڑھے مطالبات نہیں ہوں گے کہ ہمیں یہ یہ ملنا چاہئے، لڑکوں کو اور ان کے وارثوں اور بزرگوں کو اس کا عہد کرنا چاہئے کہ ہم اپنے یہاں تو کیا، ہم اس ملک سے اس رسم کو ختم کریں گے۔

ایسا ہی ترکہ شرعی طریقہ پر تقسیم ہونا چاہیے، نکاح شرعی طریقہ پر ہونا چاہئے اور عورتوں کی بیویوں کی تعداد وہی ہونی چاہئے جو شریعت میں بیان کی گئی ہے، طلاق کا مسنون طریقہ معلوم کرنا چاہئے، مسنون اور افضل طریقہ کیا ہے؟ پھر اس کے بعد فقہی طلاق جس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس کو سمجھنا چاہئے کہ طلاق رجعی کیا ہوتی ہے؟ طلاق بائن ومغلظہ کیا ہوتی ہے؟ پھر اس میں طلاق کو آپ یہ سمجھیں کہ طلاق ابغض المباحات ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جائز ہے لیکن آخری درجہ کی چیز ہے، بڑی مجبوری کی چیز ہے، جو اپنے کو حرام چیزوں سے اور زندگی کو تلخ بننے سے بچانے کے لئے بہت مجبوری سے دل پر پتھر رکھ کر اختیار کی جاتی ہے، یہ نہیں کہ طلاق ایک فیشن ہو گیا ہے، جو لوگ مسلمانوں کو یہ طعنہ دیتے ہیں اس میں تھوڑی سی ہماری کوتاہی کو بھی دخل ہے، جتنا طعنہ دیتے ہیں، اتنے کے مستحق تو ہم ہرگز نہیں ہیں، ہم جانتے ہیں کہ یورپ میں کیا ہوتا ہے؟ وہاں کا معاشرہ کس طرح برباد ہو رہا ہے، وہاں ساری عمر ناجائز طریقہ پر جنسی تعلق قائم

رکھنا جائز ہے، کوئی اس کو نہیں ٹوکتا، لیکن طلاق دینا معیوب ہے، اور اس میں ہزار وقتیں ہیں، یہ کہاں کا انصاف ہے؟ ہم اپنے قانون سے ہرگز شرمندہ نہیں، ہم اس کے ایک ایک نقطہ کی ذمہ داری لینے کے لیے تیار ہیں، ہمارے علماء نے اس پر ایک کتب خانہ تیار کر دیا ہے "مجلس تحقیقات ونشریات اسلام" ندوۃ العلماء لکھنؤ، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ اور مسلم پرسنل لا بورڈ کا مرکزی دفتر واقع مونگیر برابر لٹریچر شائع کرتا رہتا ہے، عربی میں تو پوچھنا ہی کیا، اس میں علامہ عباس محمود العقاد، ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کی عورتوں کے حقوق پر اور اسلام میں عورتوں کے درجہ پر ایسی معرکۃ الآراء کتابیں نکل چکی ہیں، جن کی مثال نہیں مل سکتی، اور اس کے علاوہ بھی انگریزی میں اور مغربی زبانوں میں کام ہوا ہے، کوئی شخص ہم سے آنکھیں ملا کر کہدے کہ اسلام کا عائلی قانون ظالمانہ ہے، ہم اس سے پوچھیں گے، کہ اس نے کیا پڑھا ہے؟ اس نے کتنی کتابیں پڑھی ہیں، کتنا وقت صرف کیا ہے محمڈن لا کے مطالعہ میں؟ ہم اس کا امتحان لیں گے، ہم اس کو بغیر امتحان لئے نہ چھوڑیں گے، ہم پوچھیں گے کہ تم طلاق کو کیا جانتے ہو؟ تم ترکہ کے متعلق کتنا جانتے ہو؟ اس لئے کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ جو چاہا وہ منھ سے نکال دیا یہ پریس کا زمانہ ہے، یہ ابلاغ عامہ کے ذرائع کا زمانہ ہے، دنیا میں کوئی آدمی کہیں الگ تھلگ نہیں رہتا ہے، ساری دنیا گھر آنگن بنی ہوئی ہے، ہم سب جانتے ہیں کہ یورپ میں کیا ہو رہا ہے، امریکہ میں کیا ہو رہا ہے، اب علماء بھی ایسے نہیں رہے کہ آپ ان سے کہئے کہ آپ جانتے نہیں زمانہ کدھر جارہا ہے، آج علماء بیسیوں جدید تعلیم یافتہ حضرات سے زیادہ جانتے ہیں کہ زمانہ کدھر جارہا ہے، معترضین آئیں ہم سے باتیں کریں، اپنا عائلی قانون سامنے رکھیں، اور یورپ وامریکہ کا ترقی یافتہ سے زیادہ ترقی یافتہ قانون

سامنے رکھیں، اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ آپ جس سے چاہیں کہہ دیں کہ آپ جانتے نہیں ہیں، اگر کوئی کہیگا، تو ہم اس کا امتحان لیں گے کہ آپ کو کہنے کا حق ہے کہ نہیں، آپ کوالیفائڈ (QUALIFIDE) ہیں کہ نہیں، اس کے بعد پھر ہم آپ کی بات توجہ سے سنیں گے۔

تو بھائیو! ہم اپنے قانون سے ہرگز شرمندہ نہیں، ہم یہاں نہیں بلکہ واشنگٹن میں، پیرس میں، لندن میں، نیویارک میں، آپ کہیں سیمنار منعقد کریں، ۱۹۵۱ء میں پیرس میں وہاں کی جامعات (UNIVERSITIES) اور فضلاء وماہرین قانون کے زیر اہتمام فقہ اسلامی کا ہفتہ منایا گیا، اس میں مشرق وسطیٰ کے فاضل ترین علاء وماہرین قانون اور پروفیسر صاحبان بھی مدعو کئے گئے، وہاں کے بڑے بڑے جیورسٹ، بڑے بڑے قانون دانوں نے اور اعلیٰ درجہ کے پروفیسروں نے بر ملا کہا کہ اسلامی فقہ ہمارے قانون سے زندگی کے بہت سے شعبوں میں ابھی بہت آگے ہے، انھوں نے کہا کہ فلاں چیز میں حنفی قانون تک ابھی ہم نہیں پہونچے، اور فلاں شعبہ میں حنبلی فقہ کو ہم نہیں پہونچے، معاملات میں، بیوع میں، ملکیت کے معاملہ میں، شہادت کے مسائل میں فلاں فقہ تک ہم ابھی تک نہیں پہونچ سکے، ۱۸۵۷ء کے کچھ بعد کے زمانہ میں (جب علی گڑھ میں M.A.O. کالج قائم ہوا تھا) سمجھا جاتا تھا کہ دین کی نمائندگی کرنے والے دنیا سے بے خبر ہیں، اب سب پردے اٹھ چکے ہیں، اب سب کو سب کا کچا چٹھا معلوم ہے، ہمارے اسی مجمع میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو ایک بار نہیں، پانچ پانچ بار اور دس دس بار یورپ جاچکے ہوں گے، ہم احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہیں، ہم فخر کرتے ہیں، اللہ کا شکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسے اعلیٰ درجہ کے قانون سے نوازا ہے۔

حضرات ! اسی لہجہ میں اور اسی خود اعتمادی کے ساتھ ہم اپنے غیر مسلم فاضل بھائیوں سے بات کریں گے ، لیکن ہم آپ سے دوسرے لہجہ میں بات کریں گے ، آپ ہمارے بھائی ہیں ، آپ کا ہم پر حق ہے ، ہمارا آپ پر حق ہے ، آج آپ نے ہمارے پیچھے نماز پڑھی ہے تو آپ ہماری بات بھی سنئے اور غور کیجئے کہ آپ اپنے گھروں میں ، اپنی عائلی زندگی میں اس قانون پر کتنا عمل کرتے ہیں ، آپ اس قانون کو توڑیں اور دوسروں سے کہیں کہ وہ جوڑیں ، یہ انصاف کی بات نہیں ، ان سے ہم نہیں کہیں گے کہ ہمارے مسلمان توڑتے ہیں ، یہ ہم آپ سے کہیں گے ، حقیقت حقیقت ہے ، صداقت صداقت ہے ، ضرورت ضرورت ہے ،

میرے بھائیو ! آپ مجھے معاف کریں ، میرے آپ کے صوبہ سے بہت قریبی تعلقات ہیں ، میرے بزرگوں نے آپ کے خطہ کا دورہ کیا ہے ، یہاں انھوں نے اپنا پسینہ بہایا ہے یہ وہ کلکتہ شہر ہے جب حضرت سید احمد شہیدؒ کا قافلہ یہاں کے شراب کے ٹھیکیداروں نے سرکار انگریزی کو جس کا کلکتہ کیپٹل اور سیاسی مرکز تھا ، درخواستیں گزاریں کہ جب سے یہ قافلہ آیا ہے اس وقت سے ایک آدمی بھول کر بھی ہمارے شراب خانوں میں نہیں آیا ، ہم ٹیکس نہیں ادا کر سکتے ، حکومت نے اس سلسلہ میں تحقیقات کیں ، معلوم ہوا کہ واقعی جب سے شمالی ہند کی طرف سے یہ قافلہ آیا ہے اس وقت سے لوگوں نے شرابیں چھوڑدی ہیں ، ہزاروں ، لاکھوں آدمیوں نے توبہ کرلی ہے ، اور ان شراب خانوں کی بکری بند ہو گئی ہے ، تو کہا گیا کہ اچھا اس وقت ادا نہ کرو ، لیکن قافلہ کے جانے کے بعد ہم پھر دیکھیں گے کہ اگر اس کے بعد بھی مسلمان شراب نہیں لیتے ، نہیں پیتے تو ہم معاف کردیں گے ، ورنہ تمہیں دینا پڑے گا ، سید صاحب اور ان کے ہمراہیوں کو معلوم ہوا کہ بہت سے

لوگوں نے بغیر نکاح کے عورتوں ک وا پنے گھروں میں بٹھا رکھا ہے تو ایک مستقل کام یہ تھا کہ نکاح پڑھائے جاتے تھے، اور توبہ کرائی جاتی تھی، اور ازدواجی تعلقات شرعی طریقہ پر قائم ہوتے تھے، یہ بھی معلوم ہوا کہ بہت سی جگہ نکاحی عورتوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں ہے، جس کے دل میں جتنا آتا ہے، عورتوں کو اپنے گھروں میں ڈال لیتا ہے، شرعی پردہ کا رواج بھی بہت کم ہے، یہ کمزوریاں مختلف علاقوں میں تھیں، ہمارے مصلحین، شریعت کے نمائندے اس کے خلاف صف آرا ہوئے، اور کوششیں کیں، آج پھر مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذریعہ ہم اس بات کا مطالبہ کریں گے کہ تمام غیر شرعی رسوم، جاہلیت کی تمام رسمیں اور خاص طور پر یہ کہ ہم نے بجائے اپنے برادران وطن کو اسلام کی نعمت اور اس کا تحفہ دینے کے ہم نے ان کی جو کمزوریاں ان سے لی ہیں، ان کمزوریوں، کو واپس کریں، ان سے کہیں کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لیجئے، آپ کے یہاں بیوائیں کس حال میں زندگی گزار رہی ہیں، آپ کے یہاں نکاح ثانی نہیں ہے، آپ کے یہاں ترکہ نہیں ہے، آپ کے یہاں عورت کو ملکیت کے حقوق حاصل نہیں ہیں، اور آپ ہم سے کہتے ہیں کہ تمھارا قانون ظالمانہ ہے، تم اپنے قانون کی اصلاح کرو۔

حضرات! میری تقریر بہت لمبی ہو گئی، لیکن میں آپ کو داد اور شاباشی دیتا ہوں کہ آج پہلی مرتبہ میں نے یہ دیکھا کہ نماز کے بعد مجمع پھر آگیا، اور اسی طریقہ سے بیٹھا، یہ ایک تاریخی ریکارڈ ہے، میں آپ کی بنگال کے مسلمانوں کی، کلکتہ کے مسلمانوں کی تعریف کرتا ہوں کہ آپ پھر نماز پڑھ کر ایسے آگئے، جیسے آپ گئے ہی نہیں تھے، اللہ تعالیٰ آپ کے اس جذبہ کو اور آپ کے اس دین کے شوق کو قائم رکھے لیکن مبارک ہو گا یہ جلسہ، تاریخ ساز ہو گا یہ جلسہ، اور ساری محنتیں وصول

ہیں آنے والوں کی، بلانے والوں کی، اور خرچ کرنے والوں کی، اگر آپ یہ طے کر لیں کہ خلاف شرع رسمیں اب ہمارے گھر میں نہیں رہیں گی، اور ہم شریعت کے قوانین پر چلیں گے، تو پھر دیکھئے گا، کہ آسمان سے برکتیں نازل ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ دلوں میں انقلاب پیدا کر دیگا، آپ کے قانون میں مداخلت کی کوئی آواز نہیں اٹھے گی، لیکن جب تک کمزوری خود ہمارے یہاں ہے، آواز اٹھتی رہے گی، اس آواز کے اٹھنے کا جواز نہیں، میں صاف کہتا ہوں، ہم اگر کچھ بھی کریں جب بھی کسی جمہوری ملک میں اس کا جواز نہیں کہ ہمارے بنیادی اور مذہبی حقوق پر دست درازی کی جائے، لیکن آپ کو خود اپنی اصلاح پہلے کرنی چاہئے، اصلاح گھر سے شروع ہوتی ہے، میں ان الفاظ پر اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔

واخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

دین وایمان

کو

جسم وجان پر ترجیح دینا ایمانی تقاضا ہے

یہ ایمان افروز تقریر حضرت
مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دینی تعلیمی کونسل
کے اجلاس عام منعقدہ ۲۷ فروری
۸۳ء بوقت ۸/ بجے شب بمقام خیر انٹر
کالج بستی میں فرمائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین وایمان کو جسم وجان پر ترجیح دینا ایمانی تقاضا ہے

خطبۂ مسنونہ کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی
وَاَنفِقُوا فِیْ سَبِیلِ اللّٰہِ وَلَا تُلقُوا بِاَیدِیکُم اِلَی التَّھلُکَۃِ وَ اَحسِنُو ا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ المُحسِنِینَ ؕ

حضرات!

اتنی رات ہو گئی ہے اور میں خود اس حال میں ہوں کہ میرا جی چاہا کہ میں دعا پر جلسہ کو ختم کر دوں، لیکن مجھے ان لوگوں سے شرم آئی جو اس وقت تک بیٹھے رہے ہیں۔ اور میں ان کے صبر کا زیادہ امتحان لینا مناسب نہیں سمجھتا اس لئے کہ اس کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور جو بات توجہ اور شوق کی حالت میں کہی جاتی ہے وہ شوق کے ساتھ سنی جاتی ہے، اور اس کا اثر بھی ہوتا ہے، تو میں کوئی لمبی تقریر نہیں کروں گا اور آپ تقریر ہی سنتے رہے ہیں یعنی یہ آپ کو شکایت نہیں ہو گی کہ آپ نے کوئی تقریر نہیں سنی، تقریبا ایک دو کو مستثنٰی کر کے جو صاحب بھی تشریف لائے انھوں نے پوری پوری تقریر کی ہے اس لئے اب میرا بہت سا کام بلکہ تقریبا

پچانوے اور اٹھانوے فیصدی کام اس سے پہلے ہو گیا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھی ہے اس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اس کا واقعہ یہ ہے جو میں آپکو پہلے سنادوں کہ ایک موقع پر بعض مسلمان ایسے تھے جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اور اپنے کو خطرہ میں ڈال کر اسلام کی خدمت کر رہے تھے اور بالکل نتائج سے بے پرواہو کر، مسلمان تو قرآن شریف پڑھے ہوئے ہوتے ہی ہیں اور اس زمانہ کے لوگ اور زیادہ پڑھے ہوئے تھے۔ ان میں کچھ لوگوں کو خیال ہوا کہ فتح مکہ کے بعد اسلام غالب ہو چکا ہے اور اب انفاق مال اور جہاد کی ضرورت نہیں، اس لئے ہم لوگوں کو کھیتی باڑی اور تجارت وغیرہ میں لگنا چاہئے، اس موقع پر ایک بڑے جلیل القدر صحابی سیدنا حضرت ابو ایوب انصاریؓ (جو میزبان رسولؐ اور بقول مولانا شبلی میزبانِ عالم کے میزبان تھے یعنی حضورؐ جو دنیا کے میزبان ہیں، جن سے ساری دنیا کو اسلام اور ہدایت کی نعمت ملی، ان کو اللہ تعالیٰ نے آپ کا میزبان ہونے کا شرف عطا فرمایا تھا) وہ برداشت نہ کر سکے، انھوں نے کہا کہ لوگو! اس آیت کا مطلب ہم سے پوچھو، ہم انصاریوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور جتنا ہم اس کو سمجھتے ہیں اتنا دوسرا نہیں سمجھتا اس لئے کہ ہم پر گذر چکی ہے، اور ہم ہی اس کے اول مخاطب تھے، قصہ یہ پیش آیا کہ جب اسلام مدینہ میں آیا اور ہم لوگوں نے اس کے لئے قربانیاں دینی شروع کیں، اپنا سارا وقت اس کے نذر کیا، اپنی ساری صلاحیت، توانائی سب کچھ اس کے سپرد کر دیا تو قدرتاً ہمارے کاروبار اس سے متاثر ہونے لگے، باغوں کو پانی دینے کا وقت نہیں رہا، دوکان پر بیٹھنے کا وقت نہیں رہا، مکانوں کی تعمیر اور کاروبار کے بڑھانے کا وقت نہیں رہا تو ہمارے

ذہنوں میں یہ بات آئی کہ کچھ دنوں تک تو ہم نے آنکھ بند کر کے کام کیا، اپنوں کو جھونک دیا، لیکن جب مسلمانوں کی تعداد بڑھی اور خدا کے فضل سے ہر محاذ پر اسلام کے سپاہی پیدا ہو گئے، تو ہم نے یہ سوچا کہ اب حضورؐ سے کچھ دنوں کے لئے چھٹی لے لیں اور کہیں کہ اب ذرا ہم اپنا کاروبار کو سنبھال لیں، اس کے بعد پھر ہم آ گے رہیں گے، ہم ہمیشہ کے لئے چھٹی نہیں لے رہے ہیں۔ بس یہ خیال آنا تھا اور ابھی شاید زبان پر بھی یہ بات نہیں آئی تھی اور آپؐ کی خدمت میں پیش کرنے کی نوبت تو کیا آئی ہو گی، اس خیال کا آنا تھا کہ قرآن شریف کی آیت نازل ہوئی کہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرو اور اس خرچ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف مال خرچ کرو بلکہ جان و مال سے لے کر وقت اور صلاحیت و توانائی اور توجہ سب صرف کرو اور اپنے آپ ہلاکت میں نہ پڑ اور اپنے کو ہلاکت کے خندق میں نہ ڈھکیلو۔ بلکہ پھانسی کے تخت پر نہ چڑھو اور اپنے گلے میں پھانسی نہ ڈالو، جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس نے ہم کو چونکا دیا، یہ آیت کیا تھی؟ ایک کوڑا اور ایک تازیانہ تھا، ہم تڑپ گئے، اور بے قرار ہو گئے اور معلوم ہوا کہ اسلام کی خدمت میں اپنے کاروبار سے آنکھیں بند کر لینا خود کشی نہیں ہے بلکہ اسلام کی خدمت کے مقابلہ میں اپنے کاروبار کو ترجیح دینا اور اپنے مادی تقاضوں کا زیادہ لحاظ کرنا اور اس سے اسلام کے جو تقاضے ہیں ان کے پورے ہونے میں فرق آئے تو یہ خود کشی ہے۔

اسلام میں انفرادی واجتماعی دونوں خود کشی حرام ہیں

اور آپ کو معلوم ہے کہ فرد کی خود کشی بھی اسلام میں حرام ہے، یہ مسئلہ سب جانتے ہیں کہ اگر کوئی زہر کھا کر مرنا چاہے خواہ وہ کتنا ہی بیمار ہو اور خواہ اس کو کتنی ہی نا قابل برداشت اذیت اور تکلیف ہو رہی ہو، جب بھی اسلام میں اس کو حرام

قرار دیا گیا ہے اور کوئی اس کی اجازت نہیں دے سکتا، کسی فرد کی خود کشی کو خواہ وہ بہت ہی اضطراری حالت میں بھی ہو جب بھی اسلام نے حرام قرار دیا ہے، تو ایک قوم اور ایک جماعت کی خود کشی کو کیسے جائز قرار رے سکتا ہے؟ اور پھر اس ملت کی خود کشی کو جس سے دوسروں کی جان اور زندگی کا مسئلہ وابستہ ہے جو آخری امت اور آخری ملت ہے۔ اور ساری انسانیت کے لیے بڑا سہارا ہے، اور اگر وہ ڈوبی تو سارا عالم ڈوب جائے گا، اور وہ بچی تو پھر عالم اگر ڈوب بھی رہا ہو گا تو بچ جائے گا، اور آج ڈوبے گا تو کل نکل آئے گا، اور اللہ تعالیٰ اسی طریقہ سے انسانیت کی گاڑی چلاتا رہے گا، لیکن اگر اس امت کا بیڑا غرق ہوا اور اس امت نے اپنے گلے میں پھانسی ڈال کر خود اپنی زندگی ختم کردی تو یہ اجتماعی خود کشی نہیں، قومی خود کشی نہیں، بلکہ انسانیت کی خود کشی ہے، یہ پورے ملک کی خود کشی نہیں پوری دنیا کی خود کشی ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کی غیرت کا امتحان

تو میرے دوستو اور بھائیو! آپ نے تقریریں اور تجویزیں سنیں، آپ نے خطرے سنے، اور خطروں کا علاج سنا، اب بات یہ ہے کہ کیا دنیا میں کوئی غیرت دار انسان تو الگ ہے کوئی انسان بھی اس کا تصور بھی کر سکتا ہے کہ ایک پوری کی پوری ملت جس نے ہندوستان میں انسانیت اور اسلام کا پیغام پہنچایا۔ آدمی بنایا اور جس نے توحید کا سبق سکھایا اور جس نے آدمی بن کر زمین پر چلنا سکھایا، وہ ملت محض اپنے موہوم خطروں کی وجہ سے اور حقیر فائدوں کی وجہ سے اجتماعی خود کشی اور ملی خود کشی کا ارتکاب کرے۔؟

ذاتی مفاد کی ترجیح کا رجحان خطرناک ہے

آج مسلمانوں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ خطرے کو سمجھتے ہوئے بھی اپنے ذاتی

مفادات اور مصلحتوں کو اور آرام اور تن آسانی اور تھوڑی سی آمدنی کو اور تھوڑے سے کیریر اور مستقبل کو ترجیح دیتے ہیں، یعنی مسلمانوں کے ایمان کی کمزوری یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ یہ خطرہ نہیں برداشت کر سکتے کہ جاکر کے اسکول میں کہہ دے کی میرا بچہ اردو کے ذریعہ سے تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے، یا اردو پڑھنا چاہتا ہے، اس کے اردو پڑھانے کا انتظام کیا جائے، اس لئے کہ وہ خود تیار نہیں ہے، اس کا ضمیر تیار نہیں ہے، وہ کہتا ہے کہ میرا بچہ اگر ہندی چھوڑ کر اردو پڑھے گا تو اس کا مستقبل روشن نہیں ہے، اور وہ اس کیریر کو حاصل نہیں کر سکتا، وہ اپنے ان ساتھیوں سے جو ہندی کے ذریعہ تعلیم حاصل کر رہے یا ہندی ہی پڑھ رہے ہیں، ان کے مقابلہ میں پیچھے رہ جائے گا، اور اس کو بڑی نوکری نہیں ملے گی، آپ بتائیے کیا ایمان کے ساتھ یہ بات جمع ہو سکتی ہے؟

غیرتِ ایمانی کا تقاضا

میں نے صبح کہا تھا کہ ایمان کا تو ادنیٰ تقاضا یہ ہے اگر مسلمان خواب میں بھی سوتے سوتے دیکھے کہ میرے بچے نے اسلامی اصطلاح کے بجائے غیر مسلموں کی کوئی اصطلاح استعمال کی ہے اور کوئی لفظ بول دیا ہے جیسے تبرک کے بجائے کہا کہ پرشاد دیجئے، اور میلاد نہیں سمجھتا، سیرت کا جلسہ نہیں سمجھتا، کتھا سمجھتا ہے، اور فلاں کا انتقال ہو گیا کے بجائے دیہانت کا لفظ بولتا ہے تو اگر کوئی مسلمان سوتے سوتے بھی یہ خواب دیکھے اور خواب میں تو آدمی سب کچھ دیکھ لیتا ہے اور پروا بھی نہیں کرتا، لیکن ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اگر وہ اپنے بچہ کی کوئی ایسی آواز سن لے تو چیخ کر کے اور رو کر کے وہ اٹھے، بھاگے اور دوڑے اور سارا گھر پریشان ہو جائے کہ کیا بات ہے، یہ کیا مصیبت آئی، سانپ نے کاٹ لیا، بچھو کہیں اس کے بستر میں تھا اس نے ڈنک مار دیا، ہوا کیا؟ تو مسلمان کہے کچھ نہیں ہوا میں نے خواب میں دیکھا اور ظاہر ہے کہ خواب میں

آدمی سب کچھ دیکھتا ہے وہ ہوتا نہیں، لیکن

عشق است و ہزار بدگمانی

جب کسی چیز کی اہمیت ہوتی ہے تو آدمی اس کے خیال سے بھی پریشان ہو جاتا ہے اور کہیں اس کو وہم بھی آجائے تو اس سے بھی اس کی چیخ نکل جاتی ہے اور اس کی نیند حرام ہو جاتی ہے۔

اسلام کے لئے کسی موہوم خطرے کو بھی گوارا نہیں کرنا چاہیے

یہ تھا اسلام کا ابتدائی درجہ کہ مسلمان اپنے بچہ کے لئے موہوم سے موہوم خطرہ بھی قبول کرنے کو تیار نہ ہو یعنی کفر و شرک کا، بت پرستی اور عقائد کی خرابی کا خطرہ، اگر یہ بات نہیں ہے تو سچ پوچھئے تو ہمارا ایمان قابل اطمینان نہیں ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص میں یہ بات ہو گی اس نے گویا ایمان کا بڑا درجہ پایا، تو اس تصور سے کہ وہ پھر کفر کی طرف چلا جائیگا اور اس کا امکان ہے، وہ اتنا ڈرے جتنا کہ کسی آدمی کو آگ میں جھونک دیئے جانے سے ڈر معلوم ہوتا ہے، کہ جیسے کوئی بہت بڑا الاؤ جل رہا ہو اور اس کے لڑکے کو کوئی لے کر اس میں پھینک دے اس سے کسی ماں باپ کو جو تکلیف ہو گی اور ان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور ماں باپ چیخنے لگیں اور ممکن ہے کہ ان کا دم نکل جائے، اتنا ہی صدمہ ایک مسلمان کو اپنے بچہ کے بارے میں اس خیال اور اس تصور سے کہ یہ بچہ کبھی اسلام کی دولت سے محروم ہو جائیگا اور کبھی ارتداد کے راستے پر پڑ جائیگا ہونا چاہیے کہ یہ ایمان کا ادنی درجہ ہے اور اگر یہ بھی نہیں ہے تو بھائی اپنے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے، چاہے ہم کتنی نمازیں پڑھتے ہوں، اور چاہے ہم کیسی ہی مسجدیں بناتے ہوں، اور چاہے ہم کتنا ہی صدقہ اور خیرات کرتے ہوں، اور بلکہ میں آگے بڑھ کر یہاں تک کہتا ہوں کہ چاہے

ہم دس دس حج کر چکے ہوں، صاف صاف سن لیجئے اگر ہم نے حج پر حج کئے اور اگر ہم نے کوئی بڑا عربی کا مدرسہ بھی قائم کر دیا ہے اور ہم بڑے علماء اور اپنے بزرگوں کے بڑے معتقد بھی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہم اس کو گوارا کرتے ہیں اور اس کا امکان ہم تسلیم کرتے ہیں، کہ ہمارا بچہ اسلام سے بالکل محروم ہو جائیگا، کوئی حرج نہیں اس کو بڑی تنخواہ ملے گی، وہ بڑے عہدے پر ہوگا تو دین کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ یہ حج قیامت کے دن کام نہ آئیں گے، اور آپ کو بخشوا نہیں سکیں گے۔

جسمانی موت کے بجائے روحانی موت خطرناک ہے

آپ فرض نمازیں پڑھیں۔ آپ پانچوں وقت کی فرض نمازیں پڑھیں اور سنت مؤکدہ کو ادا کر لیں اور اگر آپ پر حج فرض ہے تو ایک مرتبہ آپ حج کر لیں، اور اگر زکوۃ آپ پر فرض ہے تو آپ زکوۃ دے دیں، اس کے بعد آپ سے کوئی نفلی کام نہ ہوتا ہو، آپ کوئی تسبیح نہ پڑھتے ہوں، صاف کہتا ہوں اور دین کے ایک نمائندے کی حیثیت سے آپ سے کہتا ہوں لیکن آپ کے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہو کہ سب کچھ گوارا ہے، سب کچھ گوارا ہے، یہاں تک کہ ایمان کے تقاضے پر لڑکے کی موت بھی گوارا ہے، بہت مشکل سے، بہت ہی ناگوری کے ساتھ یہ سخت الفاظ ادا کر رہا ہوں، لیکن مجھے دین کا جو تھوڑا سا فہم ہے وہ مجھ سے کہلوا رہا ہے اور وہ تھوڑی سی امانت جو میرے سینے میں ہے، وہ بلو رہی ہے تو میں کہتا ہوں کہ اسلام کی علامت یہ ہے کہ آدمی اپنے بچہ کی موت کو، اس کی جسمانی موت کو، اس کی روحانی موت پر ترجیح دے، وہ کہے کہ چار مرتبہ اور دس مرتبہ اس پر جسمانی موت طاری ہو جائے۔ لیکن ایک مرتبہ بھی اس پر اعتقادی موت، معنوی موت، روحانی

موت، انسانی موت طاری نہ ہو جس کی وجہ سے وہ ابد الآباد تک جہنم میں جلتا اور پھنکتا رہے گا اور اس پر عذاب ہو گا، بڑے سخت لفظ ہیں، بڑی مشکل سے میری زبان سے ادا ہوئے، میں آپ سے معافی چاہتا ہوں، بچوں والی ماؤں سے معافی چاہتا ہوں، اور صاحب اولاد والدین سے معافی چاہتا ہوں، مگر ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ آدمی یہ دعا کرے کہ اے اللہ! اگر ایمان سلامت رہنا ہے اگر اس بچے کو اسلام کے راستہ پر چلنا ہے اگر اس کو کل حشر کے دن اللہ کے رسول کے سامنے مسلمان بن کر کھڑا ہونا ہے، اور ان کی شفاعت کا مستحق ہونا ہے تو اس کو زندہ رکھ ورنہ اس کو دنیا سے اٹھا لے، یہ ہے ایمان کا تقاضا۔

ہماری ایمانی حالت قابلِ تشویش ہے

مگر ہم کس حالت میں ہیں؟ اتنا سا خطرہ ہم نہیں برداشت کر سکتے کہ ہمارے لڑکے کو دو ہزار تنخواہ کے بجائے ڈیڑھ ہزار تنخواہ ملے۔ اردو سے ہم بیزار ہیں، اردو سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، دینیات سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، نماز روزے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، بنیادی عقائد جو ہیں، خدا کی وحدانیت اور توحید اور رسول کی رسالت اور قیامت اور حشر پر ایمان کسی چیز سے ہمیں وابستگی نہیں ہے، ہمیں اس سے کوئی خاص دل چسپی نہیں ہے، بس ہمارا بچہ پڑھ لکھ جائے، کسی عہدے پر پہنچ جائے۔ حالانکہ اس کے بعد جو حشر ہوتا ہے وہ ہمیں آپ سب کو معلوم ہے، کہ وہ ماں باپ کی کتنی خدمت کرتا ہے اور اس نے کتنا سبق سیکھا تھا ماں باپ کی خدمت کرنے کا، آپ نے اس کے دین کو داؤں پر لگایا کہ ہمارے کام آئے۔ اور وہ آپ کو ٹھوکر مارتا ہے اور لات مارتا ہے ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم ☆ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

یاد رکھیے! اگر آپ نے اپنے لڑکے کی دنیا کو اس کے دین پر ترجیح دی، تو اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی زندگی میں دکھائے گا کہ آپ ترسیں گے اس کے ایک ایک پیسے کو، آپ ترسیں گے اس کی روٹی کے ٹکڑے کے کو، آپ ترسیں گے اس کے ایک سلام کو کہ وہ آپ کو سلام کرے، یہ خدا کی طرف سے فوری اور پہلی سزا ہے جو دنیا میں ملتی ہے اور جو سزا وہاں ملے گی قرآن نے اس کی بھی وضاحت کردی ہے کہ وہ اولاد یہ کہے گی کہ رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَاءَ نَا فَاَضَلُّونَا السَّبِيلا رَبَّنَا اٰتِهِم ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ۔ سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن ایک نسل کی نسل کھڑی ہوگی اولاد کی، بچوں کی ایک پلٹن کیا معنی دنیا ہوگی؟، وہ کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے بڑوں کی، اپنے سرداروں کی۔ اپنے ماں باپ کی بات مانی، بات ماننے کا کیا مطلب ہے؟ جس راستے پر لگایا، ہم لگ گئے، تو انھوں نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا، ہم دین سے محروم ہوگئے اے اللہ! ان کو دوگنا عذاب دے، اور اچھی طرح آسمان سے ان پر لعنت کی بارش برسا۔

صاف صاف آپ کو بتا رہا ہوں کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بچہ کی فاقہ کشی، بچہ کا کچھ نہ ہونا، بچہ کی جیب کا بالکل خالی ہونا، اس کا کسی طرح کی عزت و دولت سے محروم رہنا گوارا بلکہ دل سے گوارا اور شکر کے ساتھ گوارا ہو اور یہ گوارا نہ ہو کہ وہ ایمان کی دولت سے محروم ہو جائے اور وہ ارتداد کے راستے پر پڑ جائے یا دیومالا کے چکر میں پھنس جائے یا صاف صاف شرک و بت پرستی پر اس کا یقین ہو جائے، اگر یہ نہیں ہے تو اپنے ایمان کی خیر منایئے اور پوچھیے عالموں اور مولویوں سے کہ ایمان رہا یا نہیں رہا؟

صحابہؓ کرام کے ایمان وعمل کے اعلیٰ معیار کی ایک مثال

میں اپنی ماؤں اور بہنوں سے کہتا ہوں کہ حضرت خنساءؓ نے جن کے کئی کئی بیٹے تھے، سب کو بلا کر کہا لڑائی اور جنگ ہو رہی ہے، مسئلہ نوکریوں کا نہیں ہے، مسئلہ کھانے پینے کا نہیں ہے، مسئلہ ہے جان کا، جن کے لئے راتوں کو مائیں نیندیں حرام کرتی ہیں اور لئے لئے پھرتی ہیں اور کھانا پینا بھول جاتی ہیں، اس اللہ کی بندی اور مؤمنہ نے اپنے جوان لڑکوں کو بلایا اور کہا کہ دیکھو میں نے تم کو پالا تھا اس دن کے لئے، اب وقت آیا ہے کہ تم اسلام پر جان دو، اللہ کا نام لو اور میدان میں جاؤ، اس کے بعد ان لڑکوں کو رخصت کیا گویا کفن پہنا کے رخصت کیا، اس کے بعد خبر آتی ہے ایک ایک کی شہادت کی، جب آخری لڑکے کی شہادت کی خبر آئی تو کہا اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَکرَمَنِی بِشَھَادَتِھِم. میں اس خدا کی شکر گزار ہوں جس نے میرا رتبہ بڑھایا ان کی شہادت سے، اپنے دلوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھئے کس میں ہے یہ ہمت، آج اس کا موقع نہیں، آج یہ نہیں کہا جا رہا ہے کہ بچوں کو میدان جنگ کے لئے رخصت کیجئے، کہاں ہو رہی ہے جنگ، اور کہاں اس کا موقع، لیکن یہ کہا جا رہا ہے کہ بچوں کے ایمان بچانے کے لئے کچھ قربانی دیجئے، کچھ ذرا سا ایمان کا مظاہرہ کیجئے، کچھ ایمان کا وہ آپ ثبوت دیجئے کہ اگرچہ معاشی خطرہ ہو، عزت کا اس ملت کو حاصل ہے کہ جس میں کوئی بڑا فرق پڑ جائے گا، آج کون سا بڑے سے بڑا معزز فرد آپ کے یہاں معزز ہے، ملتیں عزت پاتی ہیں کسی اور چیز سے، خالی ایک نائب صدر جمہوریہ ہو جائے اور کوئی بھی صدر جمہوریہ بھی ہو جائے تو اس سے ملت کو عزت نہیں ملا کرتی، تو وہ کون سی عزت ہے جس میں فرق پڑنے کا اندیشہ ہے اور افراد کی عزت کوئی حیثیت نہیں رکھتی، جب جماعت معزز ہوتی ہے، ملت معزز ہوتی ہے تو افراد بھی معزز ہوتے ہیں، انگریز یہاں جب صاحب اقتدار تھا تو اس کی فوج کے

گورے جن کو ہم لوگ بچپن میں کہا کرتے تھے کہ یہ صاحب لوگ ہیں آج انہیں کوئی پوچھتا بھی نہیں، کہاں گئے وہ انگریز جن کا وہ کروفر تھا، کچھ کروفر نظر نہیں آتا، لیکن جب یہاں ان کا اقتدار تھا تو ایک معمولی سا، ایک تھوڑی سی تنخواہ پانے والا ایک گورا جس کو دو حرف انگریزی کے پڑھنے نہیں آتے تھے وہ بھی بادشاہ بنا ہوا تھا، ملتوں کو عزت ملتی ہے ان کے کردار سے، ان کی قربانیوں سے، ان کی طاقت و حکومت سے، وہ کون سی عزت ہے جس کو بڑا بٹہ لگ جائے گا یا بڑا فرق آجائے گا یا بڑا فرق آجائے گا یہ کہ لڑکا فورا کمپیٹیشن میں آجائے، آئی، اے، ایس میں آجائے، پولیس میں آجائے، اس خطرہ کو بھی اور اس میں ذرا سا بھی کچھ فرق پڑتا ہو اس کو اگر آپ نہ برداشت کر سکیں تو پھر وہ ایمان کہاں ہے؟ پھر تو ایمان خالی اس کے لئے ہے کہ آپ ایمان کا دعویٰ کرتے رہیں اور ایمان ایمان کہتے رہیں۔

کم از کم ایمان کا اذنیٰ تقاضا تو پورا کریں

مسئلہ یہ ہے کہ اپنے بچوں کے ایمان کو بچانے کے لئے آپ کہاں تک ان تجاویز پر عمل کریں گے اور کہاں تک آپ اس دینی تعلیمی کونسل اور اپنے اپنے ضلع کی انجمن تعلیمات دین کی دعوت بلکہ اس کی درخواست کو قبول کریں گے، بس یہ ہے اور میں اسی پر ختم کرتا ہوں، زیادہ گنجائش نہیں ہے تقریر کی اور یہ بھی جو کچھ میں نے کہا یہ بھی ایک جذبے نے کہلوایا ورنہ وقت میں نہ اس کی گنجائش ہے اور نہ میری صحت ہی اس کی متحمل ہے، کہ ہماری مائیں، بہنیں اور خواتین جو پس پردہ ہیں وہ اور جو بھائی سامنے بیٹھے ہوئے ہیں وہ فیصلہ کریں اور یہ بات اپنے دل میں لے کر جائیں یہاں سے اٹھ کر، آج صبح سے جو کانفرنس یہاں ہو رہی ہے اور جو مجلسیں ہو رہی ہیں، ان سب کا پیغام یہی ہے کہ ایمان کی قدر کریں، ایمان کی قیمت پہچانیں، ایمان کا بلکل ابتدائی اور ادنیٰ تقاضا پورا کریں وہ یہ کہ

ہر قیمت پر اپنی اولاد کے ایمان کو بچانا ہے اور اپنی نسل کو مسلمان رکھنا ہے اس کے لئے جو بڑے سے بڑا مطالبہ ہو، اسے ہر حال میں پورا کریں۔

سنت یعقوبی کو زندہ کرنیکی ضرورت ہے

ایک بات جو اصل لب لباب اور نچوڑ ہے ساری باتوں کا وہ یہ کہ ہر حال میں اپنی آئندہ نسل اور بچوں کی شکل میں اللہ نے آپ کو جو نعمت عطا فرمائی ہے، اللہ کی اس نعمت کا شکریہ ہے کہ ان کو اسلام پر قائم رکھنے کی آپ پوری کوشش کریں، دعا کریں، جدوجہد کریں، قربانی جو دینے کا وقت آئے تو قربانی دیں اور کم سے کم اپنے ارادے سے اور اپنی مرضی سے ان کو اسلام سے ناشنانہ ہونے دیں اس کے بعد ان کی قسمت اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ وہ غالب ہونے والا ہے اور اللہ کا فیصلہ یہی ہے، نہ آپ روک سکتے ہیں۔ نہ ہم روک سکتے ہیں، اور جب نبی نہیں روک سکے وہ ایک اپنے والد کو راستہ پر نہ لا سکے، اور ایک اپنے بیٹے کو اسلام کے سایہ میں نہ لا سکے تو ہم اور آپ کیا ہوتے ہیں، یہ تو ہے اللہ تعالیٰ کا منشاء اور اس کی مرضی۔

لیکن ہمارے آپ کے کرنے کا کام یہ ہے کہ جو کچھ بھی ہم سے ہو سکے گا ہم اپنی پوری طاقت اس پر لگا دیں گے کہ ہمارے جیتے جی یہ خطرہ نہ ہو جیسے کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنے انتقال سے پہلے اپنے بچوں، پوتوں اور نواسوں کو جمع کیا اور کہا کہ اے میرے بیٹو یہ بتادو کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَاتَعْبُدُونَ مِنْۢ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَائِكَ اِبْرَاهِيمَ وَاِسْمٰعِيلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُونَ ۔ کیا تم خود (اس وقت) موجود تھے جس وقت یعقوبؑ کا آخری وقت آیا (اور) جس وقت انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم لوگ میرے (مرنے کے

بعد) کس چیز کی پرستش کروگے۔ انھوں نے (بالاتفاق) جواب دیا کہ ہم اس کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ (حضرات) ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ واسحٰقؑ پرستش کرتے آئے ہیں یعنی وہی معبود جو وحدہ لاشریک ہے اور ہم اسی کی اطاعت پر (قائم) رہیں گے۔ (البقرہ رکوع ۱۶)

دیکھو میرے بیٹو! اے میرے پوتو! اے میرے نواسو! میری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی، زمین سے نہ لگے گی جب تک کہ مجھے یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ میرے بعد تم کس راہ پر چلو گے؟ اور کس کی تم عبادت کرو گے؟ مَاتَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِی؟ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَائِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. وہ نبی کی اولاد تھی، انھوں نے کہا کہ ابا جان، دادا جان، نانا جان آپ کیوں گھبرا رہے ہیں آپ نے جو ہمیں سبق پڑھایا ہے اس کو ہم لوگ بھولیں گے نہیں، ہم آپ کے اور آپ کے والد حضرت اسحٰقؑ، آپ کے چچا حضرت اسمٰعیلؑ اور آپ کے دادا حضرت ابراہیمؑ کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں گے اور اسی خدائے واحد کی ہم پرستش کریں گے، تب جاکر حضرت یعقوبؑ کو اطمینان ہوا، کہیں انھوں نے یہ نہیں کہا کہ دیکھو بیٹو! فلاں جگہ میں نے کچھ پیسے گاڑ دیئے تھے، فلاں پر میرا اتنا قرضہ ہے، فلاں اتنی زمین چھوڑ کر جارہا ہوں، اتنے کھیت چھوڑ کر جارہا ہوں، یہ تم سب لینا، یہ بھی نہیں کہا کہ محبت اور اتحاد کے ساتھ رہنا جیسے بہت سے مشفق باپ کہتے ہیں، کچھ نہیں، ایک بات کہی کہ مَاتَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِی؟ یہ نبی کا اسوہ ہے اور یہی ہمیں تعلیم دی گئی ہے، بس میں اس پر ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی قدر نصیب فرمائے اور ان خطروں کا احساس کہ جو اس کے نہ ہونے سے اللہ اور رسول نے بیان کئے ہیں، اور قرآن میں صاف صاف کہہ دیا گیا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ. اے ایمان والو تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن (اور سوختہ) آدمی اور پتھر ہیں، جس پر تند خو (اور) مضبوط فرشتے (متعین) ہیں جو خدا کی (ذرا) نافرمانی نہیں کر سکتے کسی بات میں جو ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو (فورا) بجالاتے ہیں۔ (پ ۲۸ التحریم رکوع ۲۱)

اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جان کو بھی اور اپنے گھر والوں کو بھی ایسے دوزخ کی آگ سے کہ جس کا ایندھن آدمی ہیں اور پتھر ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے کہ ایمان کی جو دولت محض اپنے فضل اور بندہ نوازی سے اپنے نبیوں، اولیاء اللہ اور اپنے مقبول بندوں کے ذریعہ بغیر محنت کے نصیب فرمادی ہے، ہم اس کو قائم رکھیں، اپنی زندگی میں بھی، اور اپنی اولاد کے لئے بھی ہم اس کو محفوظ کر جائیں اپنی حد اور اپنی دانست تک، اس کے بعد اللہ کو جو منظور ہے، اے اللہ! ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرما، ہمارے بچوں کے بھی ایمانوں کی حفاظت فرما، آئندہ نسلوں کی بھی حفاظت فرما، اور ہمیں جب تک زندہ رکھ، اسلام کے صراط مستقیم پر قائم رکھ، اور جب اٹھا دنیا سے تو ایمان کے ساتھ اٹھا، اور ہمارے بچوں کو بھی اور ہماری آنے والی اولاد کو بھی، اس نسل کی نسل کو بھی، اولاد در اولاد کو بھی، اے اللہ! ایمان سے وابستہ رکھ، اور اس راستے پر چلاتا رہے جو تیرے پیغمبر نے بتایا اور جو تیرے نبیؑ لے کر آئے، اور ایمان کے ساتھ ان کو دنیا میں بھی قائم رکھ، اور ایمان کے ساتھ ان کو اٹھا بھی اور ایمان کے ساتھ ان کا حشر بھی فرما۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔ صدق اللہ العظیم

اللہ تعالیٰ کی ذات بہت غیور ہے

یہ تقریر مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ
نے ۱۹۷۷ء میں دیپالپور کے ایک عام
جلسہ میں شب میں کی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کی ذات بہت غیور ہے

وَاذکُروا نِعمتَ اللّٰہِ عَلَیکُم اِذ کُنتُم اَعدَاءً فَاَلَّفَ بَینَ قُلُوبِکُم فَاَصبَحتُم بِنِعمَتِہٖ اِخوَاناً.

"میرے بھائیو! میں نے قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے پر اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب تم ایکدوسرے کے دشمن تھے، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، ایک دوسرے کا منھ دیکھنے کے روادار نہیں تھے، اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے، اللہ نے دلوں کو ملادیا، یہ آیت ایک واقعہ سے متعلق ہے، جب مکہ میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو خدا کی بندگی اور عبادت مشکل ہو گئی اور وہاں کے لوگوں نے اپنی ناسمجھی سے اس بات کو نہیں سمجھا کہ یہ ہمارا بھلا چاہتے ہیں، یہ ہمیں زمین کی پستی سے اٹھانا چاہتے ہیں، ذلت ورسوائی کی زندگی سے نکال کر ایسی قوم بنانا چاہتے، جس سے ساری دنیا میں روشنی پھیلے۔

ساری دنیا مین محبت عام ہو، ساری دنیا میں اختلافات اور جھگڑے ختم ہوں، ساری دنیا کے انسانوں کو اپنی زندگی کا مقصد معلوم ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیت دی ہے، شجاعت، سخاوت، محبت اور دولت کی جو نعمت عطا کی ہے، اس کا

صحیح استعمال کریں، جو صلاحیتیں چھوٹی، معمولی باتوں میں صرف ہو رہی ہیں، قومیں قوموں سے لڑ رہی ہیں، ملک ملک کے دشمن ہیں، برادریوں میں ہزار جھگڑے ہیں، خدا کی نافرمانیاں عام ہیں، ایسی باتیں سرزد ہو رہی ہیں کہ جن سے خدا ناراض ہوتا ہے، اس کا غضب بھڑکتا ہے، جنگل میں جانور جس طرح جانوروں کا شکار کرتے ہیں، اس طرح انسان انسان کا شکار کر رہا ہے۔

تعجب ہے کہ انسان نوعِ انسان کا شکاری ہے

اسلام یہ چاہتا تھا کہ ان کو پستیوں سے سے اٹھا کہ بلندی تک پہونچادے، لیکن مکہ کے لوگ اسے نہیں سمجھے، ان کے اندر یہ جذبات کام کر رہے تھے کہ فلاں خاندان، فلاں گھر کا کوئی شخص اتنا بڑھ جائے، جب حضور اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی زندگی مکہ میں دشوار ہو گئی تو انھیں اپنے محبوب وطن کو چھوڑ دینا پڑا۔

وطن ہر شخص کو پیارا ہوتا ہے، لیکن زندگی کا مقصد اس سے زیادہ عظیم تر ہوتا ہے۔

اوسؔ وخزرجؔ کی معرکہ آرائی

حضور ﷺ اور آپ کے پیرو جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہاں ایک دوسری مصیبت تھی، یہاں دو برادریاں تھیں اور دونوں عرب تھے، مگر عرصہ سے ان میں دشمنی تھی، ہر برادری اپنی خوبی اور دوسرے کی خرابی بیان کرتی، جب کوئی بڑا مقصد سامنے نہیں ہوتا تو چھوٹی چھوٹی باتوں میں لڑائیاں ہوتی ہیں، میں زمیندار خاندان کا فرد ہوں، میرے ننہال کا بڑے زمینداروں میں شمار تھا، ہمارے علاقہ میں زمینداری کے دور میں چھوٹی چھوٹی باتوں میں لڑائی ہوتی، مقدمے چلتے اختلاف ہوتا، کسی ببول کے درخت، حدبندی یا دو کھیتوں کے

درمیان کی مینڈھ پر۔یا یہ کہ گذر رہا تھا فلاں نے سلام نہیں کیا،بس لڑائی چھڑ جاتی ،بائیکاٹ ہوتا،بچوں کو ہدایت کی جاتی کہ فلاں کے گھر نہ جائیں،بچے ان باتوں کو کیا سمجھتے،انھیں کھیل ملا دیتا۔

چاہئے تو یہ تھا کہ علم سب کو ملائے،لیکن آج دنیا میں کھیل ملاتا ہے،ایک ملک کی ٹیمیں دوسرے ملک جاتی ہیں،سب مل جل کر کھیلتے ہیں،بڑے افسوس کی بات ہے کہ علم نہ ملائے اور کھیل ملائے،سنجیدگی نہ ملائے،تفریح ملائے۔

جب کوئی بڑا مقصد سامنے نہیں ہوتا،انسانی دنیا میں جو آگ لگی ہوئی ہے، جو خرابی ہے،خدا کے غضب بھڑکانے والے انسانیت کی ذلت وپامالی کے جو واقعات ہو رہے ہیں ان کا درد واحساس جب نہیں رہتا تو بچوں کی طرح کھیل تماشوں میں جی لگتا ہے یا ایسے معمولی معمولی اختلافات کو لوگ اہمیت دینے لگتے ہیں جن پر رنج بھی ہوتا ہے،اور ہنسی بھی آتی ہے،مدینہ والوں کا بھی حضورؐ کی آمد سے پہلے یہی حال تھا، اوس وخزرج کے لوگ آپس میں ایسے لڑتے تھے،ایک دوسرے کے خون سے پیاس بجھاتے تھے گویا اس سے بڑھ کر اور کوئی اعلیٰ مقصد نہیں،یہ جذبہ ان میں برسوں سے تھا،جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ مدینہ پہونچے تو ان کے سامنے بڑا مقصد آیا،بڑی حقیقتیں کھلیں تو ان کی کایا پلٹ گئی،اب وہ آپس میں شیر وشکر،یک جان ودو قالب ہو گئے،انھوں نے اپنے ماضی کو بالکل بھلا دیا،مدینہ میں آباد یہودیوں کو یہ پسند نہیں تھا،انھوں نے لڑانے کی بہت کوشش کی،بعض مرتبہ دورِ جاہلیت کے وہ اشعار سنائے جن میں قبائلی عصبیت اور جاہلی حمیت کا ذکر تھا،اوس خزرج نے اس کا اثر قبول نہیں کیا اللہ اور اس کے رسول کی محبت نے ان عداوتوں کو دھو دیا تھا،ان کو اپنا ماضی ایسا ذلیل معلوم ہونے لگا کہ اسے سوچ کر ان پر لرزہ طاری ہو جاتا

تھا، رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، جب کوئی مشترکہ خطرہ یا مشترکہ محبوب سامنے آجاتا ہے، جیسے کعبہ کے گرد سب جمع ہو جاتے ہیں، ایک لباس میں، ایک کلمات کے ساتھ، ویسے ہی کعبۂ مقصود سامنے آجاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی رضا کا حصول، اللہ کے بندوں کی خدمت، ان کے دکھ درد دور کرنے کا جذبہ تو چھوٹی چھوٹی باتیں ایسی حقیر معلوم ہوتی ہیں کہ ان کے تصور سے متلی آتی ہے حضور ﷺ نے ایسے ہی موقع پر ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ "ٹھوکر مارو ایسی گندی چیز کو" واقعہ یہ تھا کہ انصار اور مہاجرین کے درمیان ایک کنویں پر لڑائی ہو گئی، ایک نے اپنے قبیلہ کو آواز دی، دوسرے نے اپنے حمایتیوں کو دہائی دی، تو حضورؐ نے فرمایا چھوڑو یہ بڑی ذلیل حرکت ہے، حضورؐ کی تربیت اور اسلام کی برکت سے مہاجرین و انصار میں ایسا انقلاب آیا کہ میدانِ جنگ میں زخموں سے چور ہیں، اور نزع کے عالم میں پیاس لگی ہے، پانی آتا ہے تو دوسرے زخمی کی طرف اشارہ کر کے اسے پہلے پلانے پر اصرار کرتے ہیں، ایثار کا یہ جذبہ، اسلام کے رشتہ، مقصد سے عشق اور حضور ﷺ کی محبت نے پیدا کیا تھا، اس رشتہ کا نشہ ایسا طاری ہو گیا کہ مدینہ کے انصار نے مکہ کے مہاجرین کو اپنی دکان، اپنے کھیت، اپنی جائداد میں برابر کا شریک کیا۔

شرک کے بعد سب سے ناپسندیدہ چیز باہمی رنجش

حضور اکرم ﷺ نے شرک کے بعد سب سے زیادہ جس چیز کی مذمت کی ہے وہ باہمی رنجش ہے، حدیث میں آتا ہے کہ شبِ برأت یعنی نجات کی رات کو جس میں عام مغفرت و معافی ہوتی ہے، جب دریائے رحمت جوش میں آتا ہے، تین آدمیوں کو پروانۂ مغفرت نہیں ملتا، ماں باپ کا نافرمان، عادی شرابی اور وہ شخص جس کے دل میں کسی مسلمان بھائی کی طرف سے بغض و کینہ ہو، آپؐ نے خاص طور پر

رشتہ داریوں کا خیال کرنے کی تاکید فرمائی ہے، کل ہی ٹیگور ہال کے جلسے میں پاریکھ صاحب نے ایک حدیث سنائی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے، ان میں یہ بھی ہے کہ "إني اصل من قطعني واعفو من ظلمني واعطي من حرمني" میں اس سے رشتہ جوڑوں جو میرا رشتہ ناطہ کاٹے، اس کو معاف کروں جو مجھ پر ظلم کرے، اس کو عطا کروں جو مجھے محروم کردے

جو دوستی اور محبت کا معاملہ کرے اس سے اچھے تعلقات رکھنا کوئی کمال نہیں، اعلیٰ بات تو یہ ہے کہ جو دشمنی کرے، نقصان پہونچائے اس سے حسن سلوک کیا جائے، ہمارے اسلاف اور بزرگوں کا یہی عمل تھا، شیخ سعدیؔ نے اسی کو کہا ہے ؎

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا　　دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام　　کہ بادوستانت خلافست وجنگ

میں نے سنا ہے کہ مردانِ راہِ خدا دشمنوں کا دل بھی میلا نہیں کرتے تھے، تمھیں یہ مقام کیونکر میسر آسکتا ہے کہ تمھیں اپنے دوستوں سے لڑنے سے فرصت نہیں۔

میں نے خود ایسے اللہ والوں کا نمونہ دیکھا ہے، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ہندوستان کی تقسیم کے مخالف تھے، وہ ہندوستان میں مسلمانوں کو رکھنا چاہتے تھے، پاکستان کے قیام سے انھیں اتفاق نہیں تھا، اس وجہ سے انھیں بہت تکلیف دی گئی، توہین کی گئی، بعض مرتبہ تو ان کی جان پر بن گئی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں بچایا، سید پورؔ میں لوگ ان پر پتھر پھینک رہے تھے، اور مولانا مدنیؒ آنکھیں بند کئے مراقبے میں بیٹھے، چوٹ لگ رہی تھی، اور آپ صبر و ضبط کئے رہے، پھر اللہ نے ان گستاخی کرنے والوں اور ایذا پہونچانے والوں کے ساتھ جو کیا وہ کیا، کوئی تالاب میں ڈوب کر مر گیا، کوئی پاگل ہو گیا، لیکن دیکھنے والوں نے مجھ سے بیان کیا اور خود میں نے

دیکھا کہ ۱۹۴۷ء کے بعد جب یہاں کانگریسی حکومت قائم ہوگئی تھی، جب وہ مخالفین سامنے آتے تو بڑی خوش دلی کے ساتھ ملتے، اگر کوئی اپنے رویئے کی معافی چاہتا تو فرماتے کہ کوئی بات نہیں، مجھے کوئی شکایت نہیں، آپ اطمینان رکھیں، لیکن جو بات سنانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ دیکھنے والوں نے بیان کیا کہ حضرت مولانا مدنیؒ رو رو کر دعا فرماتے تھے کہ "یا اللہ! اب ان کو معاف فرما، یا اللہ! میری طرف سے ان کو معاف فرما، میری طرف سے دارو گیر نہ فرما، میری ذات سے کوئی نقصان نہ پہونچا۔

اور حضرت علیؓ کا واقعہ ہے کہ ابن ملجم نے جب زہر میں بجھا ہوا خنجر مارا، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ شربت کا پیالہ لے کر آئے تو فرمایا "کسی کو اس سے باز پرس کا حق نہیں، اگر میں زندہ رہا تو میں جانوں اور وہ، اور اگر میں مر گیا تو مرنا مقدر میں ہے ہی۔"

بھلا بتایئے! دنیا میں جو جھگڑے ہیں، ان کی اب کہاں گنجائش ہے، قومی جھگڑے ہوں، ملکی جھگڑے ہوں، فرقہ وارانہ جھگڑے ہوں، خاندان برادری کے جھگڑے ہوں، ان واقعات کو سننے کے بعد بھلا اس کی کہاں گنجائش؟ سب محبت ہی محبت ہے، سب رحمت ہی رحمت ہے، کوئی اس کا تجربہ کر کے دیکھے کہ زندگی میں کیا مزہ آتا ہے، خاندانی ناچاقیاں ہر جگہ ہوتی ہیں، خود ہمارے خاندان میں بھی ایک زمانہ میں یہ کمزوری رہ چکی ہے، ہر چیز کے ساتھ ایک نہ ایک کمزوری لگی رہتی ہے، لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور ہمارے والد صاحب نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "**اصلاح**" ہے، ہم مولوی معین اللہ صاحب سے کہیں گے کہ وہ رسالہ چھپوا کر یہاں گھر گھر پہونچایا جائے، کیونکہ یہ کتاب بہت درد سے لکھی گئی ہے، اس وقت سے الحمد للہ وہ بات ختم ہوگئی، اور یہ خاندان ہی کے متعلق نہیں بلکہ جس

بستی میں جانا ہوا وہاں یہی سنا ہے، اس کی وجہ سے بہت بے برکتی ہوتی ہے، ایسی بے برکتی کہ وہاں رہنے میں وحشت ہوتی ہے، وہاں رہنے کا مزہ نہیں، پھر اس میں شیطان کود پڑتا ہے، اور اس کو مذہبی رنگ دے دیتا ہے، عقیدے اور مسلک کا نام دے دیتا ہے، شیطان کی اس سازش اور شر سے پناہ مانگئے اور اللہ والے بن جائیے۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں "راشننگ" نہیں

اللہ تعالیٰ کا قرب، اس کی معرفت، اس کی محبت ہر مسلمان کو حاصل ہو سکتی ہے، بشرطیکہ وہ اس راہ میں کچھ محنت و کوشش کرے، ہمارے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کو ایسی مقبولیت اور محبوبیت عطا ہوئی کہ ہر شخص چاہتا تھا کہ حضرت ہمارے یہاں تشریف لائیں، لوگوں کے اس جذبہ اور اشتیاق کو دیکھ کر وہ فرماتے تھے، مجھ میں کچھ نہیں، اگر ہے تو صرف یہ کہ میں نے کچھ عرصہ تک اللہ کا نام لیا، یہ سب اس کی برکت ہے، آپ لوگوں میں سے کوئی لاہور لے جانا چاہتا ہے، کوئی راولپنڈی، کوئی کراچی، تو کوئی رائے پور، یہ سب اللہ کے نام کا خلوص کے ساتھ ذکر کرنے کی برکت ہے کہ تم پروانہ وار گرتے ہو، تم خود اللہ کا ذکر خلوص سے کیا کرو، تم بھی اس کی برکت پاؤ گے۔

دوسری بات یہ کہ اپنی اولاد کو دینی تعلیم دیجئے، مدرسوں میں بھیجئے، یہاں مدرسہ قائم کیجئے، دین کی دعوت کی محنت کیجئے، آپ کے یہاں کے طلبہ دور دور تک گئے ہیں، حرم بھی جا چکے ہیں، سارے بزرگوں کی ان پر نظر کرم ہے، یہیں کے مولوی ابوالبرکات ہیں، جنھوں نے اندور میں بڑا مدرسہ قائم کیا ہے، ایک بڑا جلسہ وہاں کیا، کتنے ہی آپ کے یہاں کے طلبہ مدینہ منورہ میں اور ندوہ میں پڑھ رہے ہیں، دین کی خدمت کر رہے ہیں، کوئی یوگنڈا میں کام کر رہا ہے، اپنے لڑکوں کو پڑھائیے، اللہ سے

تعلق قائم کیجئے، مسجد میں کچھ دیر بیٹھ کر اپنی پچھلی زندگی پر آنسو بہایئے، پھر اللہ سے عہد کیجئے، دعا مانگئے، اللہ تعالیٰ آپ کو وہی خصوصیات عطا فرمائے گا، جو اس نے آپ کے بزرگوں کو عطا کی تھیں، اس کے یہاں راشننگ نہیں، اس کا رزق ختم نہیں ہوتا، ہمیں آپ لوگوں سے محبت ہے، یہی وجہ ہے کہ یہاں دوبارہ حاضری ہوئی ورنہ زندگی میں ایک بار کہیں گئے تو دوبارہ جانا نہیں ہوا، آپ کی محبت ہی ہمیں کھینچ کر لائی ہے۔

عورتوں کو بھی ولایت نصیب ہو سکتی ہے

اپنی بہنوں سے بھی ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا نام لیجئے، ولایت صرف مردوں کا حصہ نہیں، عورتوں کو بھی اللہ تعالیٰ مقامِ ولایت نصیب فرماتا ہے، حضرت رابعہ بصریؒ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی والدہ اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی والدہ کو ولایت کا مقام حاصل تھا، یہ خواتین بھی خدا کو یاد کرتی تھیں، یہ نہیں سمجھتی تھیں کہ میں فلاں ولی کی والدہ ہوں، بلکہ خود عمل کرتی تھیں، حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے تھے کہ مجھے جو کچھ ملا ہے میری والدہ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے، آپ بھی مصلے پر بیٹھنا اور خدا کو یاد کرنا سیکھئے، اللہ کا نام جو بھی سچائی سے لے گا وہ اثر کئے بغیر نہیں رہے گا، مہندی کے پتوں کو رگڑنے سے اس میں رنگ پیدا ہوتا ہے۔

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد

اس کو آپ سے بہتر اور کون جانتا ہے کہ مہندی گھس جانے کے بعد رنگ لاتی ہے، تھوڑی سی محنت اللہ کا نام رٹنے میں کیجئے، جو کچھ مانگنا ہو، اس سے مانگئے، اللہ کے نام میں بڑا اثر ہے، اللہ کے نام میں جو رنگ ہے، وہ کسی چیز میں نہیں، بچوں کی بہتر سے بہتر دینی اور اخلاقی تربیت کیجئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔"

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

امریکہ اور کنیڈا میں مقیم مسلمانوں کی ذمہ داریاں اور فرائض

شاید آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ یہاں ہدایت عام کرے اور اسلام کی روشنی پھیلائے

یہ وہ خطاب ہے جو ۱۰ر جون ۱۹۷۷ء کو ٹورنٹو (کنیڈا) میں مقیم مسلم نوجوانوں اور تعلیم یافتہ حضرات سے کیا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امریکہ اور کنیڈا میں مقیم مسلمانوں کی ذمہ داریاں اور فرائض

شاید آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ یہاں ہدایت عام کرے اور اسلام کی روشنی پھیلائے

یٰعبادی الذین امنوا ان ارضی واسعة فایای فاعبدون۔ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو میری زمین فراخ ہے تو میری ہی عبادت کرو۔

ذرائع اور مقصد!

میرے بھائیو اور بہنو! اللہ تعالیٰ کے یہاں انسان کی زندگی کا مقصد بندگی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور اس کے احکام کے مطابق زندگی گذارنا اور آخرت کے لئے کوشش اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر چل کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا، اصل مقصد یہ ہے اس کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں، سب وسائل اور ذرائع ہیں، مقصد اور ذریعہ کا مطلب آپ سمجھتے ہیں، اللہ کے قرب کے ذرائع کو تلاش کرنا، مناسب ماحول تیار کرنا، قوت تنفیذ حاصل کرنا تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل آسان ہو جائے، اور کوئی مجبوری کی شکایت نہ کر سکے، اور کوئی دوسری طاقت اور دوسرا اقتدار اس میں خلل اندازی نہ کر سکے، اس کے

مقابل دوسری کوئی متوازی دعوت نہ دے سکے ،اس کو قرآن مجید نے اپنے معجزانہ الفاظ میں بیان کیا ہے کہ حتی لاتکون فتنة ویکون الدین لله .کہ فساد نابود ہو جائے اور (ملک میں) خدا ہی کا دین ہو جائے۔

یہاں تک کہ کشمکش جاتی رہے، یعنی دو طاقتوں کے درمیان جو تصادم ، ٹکراؤ (CLASH) ہوتا ہے ،وہ جاتا رہے، جس کی وجہ سے لوگ خواہ مخواہ انتشار میں پڑیں (CONFUSION) کا شکار ہوں، کوئی کہے ادھر چلو، کوئی کہے ادھر چلو۔

"یکون الدین لله" یعنی طاعت وفرماں برداری صرف اللہ تعالیٰ کی ہو، اسی کے لئے دعوت کا کام ہے، اسی کے لئے امر بالمعروف اور" نہی عن المنکر" ہے ، ضرورت ہو اور وقت آئے تو جہاد ہے، اسی کے لئے اسلام کو ایسی طاقت مہیا کرنا اور اس کو اقتدار پر لانا ہے کہ کمزور لوگوں کو بھی خدا کے بتائے ہوئے راستے اور رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ایسا مشکل نہ ہو جائے کہ وہ کہیں کہ "لا یکلف الله نفسا الا وسعها" یہ تو ہماری طاقت سے باہر ہے۔

اصل مقصد اللہ کی بندگی!

لیکن ان تمام ذرائع کا مقصد اللہ کی بندگی ہے "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون "اس کے بارے میں ذہن کو پورے طور پر صاف کر لینا چاہیے ، میں نے یہاں یورپ میں اور امریکہ میں پڑھے لکھے لوگوں کے ذہن میں اچھا خاصا الجھاؤ پایا کہ وہ ذرائع اور مقاصد کے درمیان فرق نہیں کر پاتے ، مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اللہ تعالیٰ نے جو زندگی دی ہے ، صلاحیتیں دی ہیں ، انھیں ہم ایسے کاموں میں استعمال کریں کہ اللہ کی رضا ہم کو حاصل ہو ، اور زندگی کا مقصد پورا ہو ،آخرت میں اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہو ،اور ہمیں اپنا قرب

عطا فرمائے، اور ہم ان کے سامنے سرخرو ہوں اور جنت میں ہمیں اونچے سے اونچا مقام حاصل ہو، یہ اصل مقصد ہے، یہ مقصد اگر کہیں پورا ہو رہا ہے، تو بہت مبارک ہے، اور اگر یہ مقصد خاص اپنے وطن میں بھی پورا نہ ہو تو اسے خیرباد کہنا چاہئے، وطن جہاں آدمی پیدا ہوا ہے، اور اس کے ذرّے ذرّے سے اسے محبت ہے، اور جہاں کا کانٹا بھی انسان کو پھول سے زیادہ پیارا ہوتا ہے ؎

خار وطن از سنبل وریحاں خوشتر

کسی نے کہا ہے کہ وطن کا کانٹا بھی سنبل وریحاں اور عطر بیز پھولوں سے زیادہ محبوب اور خوشنما ہوتا ہے اسکی خاک بھی کیمیا اور مٹی بھی اکسیر سمجھی جاتی ہے آدمی اس کو آنکھ کا سرمہ بناتا ہے؛ ایسا وطن جہاں الفت و محبت کے تمام اسباب موجود ہیں، والدین موجود ہیں، بھائی بہن، خاندان کنبہ اور اولاد موجود ہے، وطن اور مسافرت میں جو فرق ہے، وہ ان مالوفات کی وجہ سے ہے، وطن مجموعہ ہے، مالوفات کا، یعنی جس سے آدمی کے دل کو لگاؤ، تعلق اور وابستگی ہوتی ہے، وہ چیزیں وہاں زیادہ جمع ہیں، طبعی، شرعی مالوفات اور فطرت سلیم جن چیزوں سے لگاؤ رکھتی ہے، اللہ تعالے نے ان سب کو اس آیت میں جمع کردیا ہے.

قل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ واللہ لا یھدی القوم الفاسقین . کہہ دو کہ اگر تمھارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو، اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو خدا اور اس کے رسول سے اور خدا کی راہ

میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ خدا اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے، اور خدا نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

حضورؐ کی ہجرت

مکہ مکرمہ کی سرزمین جس کے اندر قدرتی طور پر ایسی محبوبیت اور دلآویزی ہے کہ خود قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی دعا نقل کی گئی ہے جو یقیناً قبول ہو گئی ہے، "**فاجعل افئدة من الناس تهوی اليهم**." "اے اللہ لوگوں کے دلوں کو ایسا کردے کہ اس کی طرف ایسے کھنچیں (جیسے مقناطیس کی طرف لوہا کھنچتا ہے) یہ محبوبیت حرم شریف کو حاصل ہے، اس میں بیت اللہ ہے، زمزم ہے، اس میں صفا اور مروہ ہیں، پھر اس کے نزدیک منیٰ اور عرفات ہیں، لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ یہاں مسلمانوں کے لئے خدا کی بندگی مشکل ہو رہی ہے، تو فرمایا "**حبشہ چلے جاؤ**" یہ کیوں فرمایا؟ دو مرتبہ حبشہ کو ہجرت ہوئی، آخر میں خود آپ کو حکم ہوا کہ مکہ چھوڑ دو اور مدینہ چلے جاؤ، اللہ کے نام پر مکہ جیسا شہر چھوڑا جاسکتا ہے تاکہ خدا کی عبادت آزادی کے ساتھ ہو سکے تو دنیا کے اور شہر کس شمار قطار میں ہیں، نیویارک و لندن ہو یا ٹورنٹو اور شکاگو ہو، دہلی و لکھنؤ ہو، کوفہ وبصرہ ہو، قرطبہ و غرناطہ ہو، یا قاہرہ و دمشق ہو، اصل یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کیا جاسکتا ہو، وہ جگہ محبوب ہے، اور رہنے کے قابل ہے، اور جہاں ایسا ممکن نہ ہو وہ جگہ چاہے، وطن ہو یا کوئی محبوب اور حسین سرزمین رہنے کے قابل نہیں۔

مسرت اور تشویش

میں نے ریاستہائے متحدہ امریکہ کا سفر کیا، یہاں آیا میں نے بہت سے شہر دیکھے اور اب آپ کے یہاں کینڈا آیا ہوں، ایک طرف تو مجھے مختلف ممالک کے

مسلمانوں کو یہاں دیکھکر خوشی ہوئی، فطری بات ہے کہ آدمی کو اپنے ہم جنس اور ہم مذہب لوگ ملتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے، لیکن دوسری طرف مجھے اس کی فکر ہے کہ کیا آپ کو یہاں پورے طور پر اسلامی زندگی گذارنے کا موقع ہے؟ اور کیا آپ کی آئندہ نسلیں اسلام پر قائم رہیں گی؟ آپ کے اندر جو اسلامی جذبہ تھا کیا وہ ویسا ہی روشن اور فروزاں رہے گا؟ یہ بات سوچنے کی ہے، آپ برا نہ مانیں یہاں ہمارے اکثر بھائی مادی اغراض سے آئے ہیں۔ ہمارے ایک بھائی نے کہہ بھی دیا تھا کہ "صاحب ہم تو یہاں کھانے کمانے کے لئے آئے ہیں"۔

یہ کوئی حرام بات نہیں ہے، کوئی گناہ کی بات نہیں، لیکن جہاں خالص مادیت کی زندگی اور غفلت کا دور دورہ ہو وہاں جانے میں تو خیر حرج نہیں، لیکن وہاں رہنے کا فیصلہ کرنا یہ بات سوچنے کی ہے میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو یہ اطمینان ہے کہ آپ یہاں اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق گذار سکتے ہیں، اور دعوت کے کام میں مشغول ہیں، اور یہاں آپ کے رہنے سے دین کو فائدہ پہونچ رہا ہے، اور اس بات پر آپ کا دل گواہی دے کہ آپ اپنا ایمان بھی بچا رہے ہیں، اور دوسروں کے ایمان کی فکر بھی کر رہے ہیں، اور بقدر ضرورت معاشی جدوجہد میں مشغول ہیں، تب تو ٹھیک ہے، میں بھی کہوں گا کہ آپ کا رہنا مبارک ہے، شاید آپ کے ذریعہ سے اللہ یہاں ہدایت عام کرے اور اسلام کی روشنی پھیلائے اور یہ خطہ کبھی اسلام کی دولت وسعادت سے ہمکنار ہو جائے۔

یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں مسلمان عرب سوداگر جب مشرق بعید انڈونیشا، ملیشیا اور بحر ہند کے جزیروں میں پہونچے تو جزیرے کے جزیرے مسلمان ہوگئے، وہاں آج مسلمانوں کی کھلی ہوئی اکثریت ہے، آپ تحقیق کریں گے تو معلوم

ہو گا کہ اسلام زیادہ تر عرب تاجروں کے ذریعہ پھیلا، یا پھر صوفیائے کرام کے ذریعہ پھیلا ہے۔

ہمارے بر صغیر ہندوپاک میں بھی سندھ وغیرہ کے علاقوں میں یا مسلم اکثریت کے علاقے مثلاً کشمیر و مشرقی بنگال صرف صوفیائے کرامؒ کے شرمندۂ احسان ہیں۔

یہاں رہنے کے بعد اپنے ایمان اور اپنی آئندہ نسلوں کے اسلام کی حفاظت کا انتظام اور اطمینان آپنے کر لیا ہے، اور یہاں رہ کر آپ دعوت کا کام کرتے ہیں، اور ایسی اسلامی زندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، جو دوسروں کے لئے کشش کا باعث ہو تو آپ کے یہاں رہنے کا جواز ہے، جواز ہی نہیں، بلکہ یہ بہت بڑا جہاد اور بہت بڑی خدمت ہے۔

اگر ایسا نہیں ہے، اور آپ کا مطمح نظر صرف کھانا کمانا ہے، تو یہ مقصد مسلمانوں کے مقام اور مقصد حیات سے میل نہیں کھاتا، صرف کھانے کمانے کے لئے اتنی دور دراز کی مسافت طے کرنا کسی مسلمان کے شایان شان نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رزاقی، جغرافیائی حدبندی کی پابند نہیں، میں یہ سراسر عملی باتیں کر رہا ہوں، علمی نکات اور موشگافیاں کسی دوسرے موقع پر کسی دوسرے عالم سے سن لیجئے گا، میں نے جو کچھ یہاں دیکھا اس کی روشنی میں یہ چند عملی باتیں بے تکلف عرض کر رہا ہوں، اگر آپ کی زندگی اور آپ کا یہاں قیام اسلام کے لئے مفید ہے، اور اس کی راہ ہموار کرتا ہے تو میں یہ فتویٰ دیتا ہوں کہ آپ کا یہاں رہنا نہ صرف جائز بلکہ ایک عبادت ہے، اگر اپنے ایمان اور اپنے بچوں کی دینی زندگی کی طرف سے اطمینان نہیں تو مجھے اس سے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے کہ نہ جانے یہاں

کس حال میں موت آئے ہم خدا کو کیا جواب دیں گے کہ صرف کھانے کمانے کے لئے وہاں گئے تھے، یہ نہ اسلامی کردار ہے، نہ مسلمان کی شان ہے، ہاں اگر آپ نے یہ انتظام کر لیا کہ آپ کے ایمان پر ذرہ برابر آنچ نہ آئے، آپ کسی دینی دعوت اور اسلام کی تبلیغ کرنے والی تنظیم میں شریک ہیں، آپ نے ماحول بنایا ہے، کوئی ایسا حلقہ بنایا جس میں دینی باتیں ہوتی ہیں، اور تذکیر ہوتی ہے، آخرت کی فکر ہوتی ہے، آپ یہاں غیر مسلموں کے سامنے ایسی زندگی پیش کر رہے ہیں، جس میں (CHARM) ہے، کشش ہے، اور آپ نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام کر لیا ہے، یہ بہت اہم بات ہے، قیامت کے دن بچوں سے جب پوچھا جائے گا کہ تم کیسے اس حالت میں آئے ہو نہ ہمارا نام جانتے ہو نہ ہمارے رسول کا نام جانتے ہو نہ نماز جانتے ہو تو وہ کہیں گے کہ۔

ربنا انا اطعنا سادتنا و کبرائنا فاضلونا السبیلا۔ ہمارے پروردگا ہم نے اپنے بڑوں کی بات مانی، انھوں نے جس راستہ پر لگایا اسی راستہ پر ہم لگ گئے، انھوں نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ **یاایھا الذین امنو قواانفسکم واھلیکم نارا** ۔ اے ایمان والو! اپنے کو اور اپنے بچوں کو آگ سے بچاؤ۔

آپ کے بچے بے شک اسکول جاتے ہوں گے، لیکن کیا آپ نے ان کے لئے ایک وقت مقرر کیا ہے، جس میں توحید و رسالت اور دین کی تعلیم حاصل کریں؟ جس کے بغیر آدمی مسلمان ہو نہیں سکتا، اور آپ انھیں بتائیں کہ "**ولا تموتن الا وانتم مسلمون**" خبردار اسلام کے علاوہ کسی اور راستے پر مرنا حرام ہے، کسی مسلمان بچے کی دینی تعلیم و تربیت کے بغیر زندگی سے اس کی موت بہتر

ہے۔

اس صاف گوئی پر مجھے معاف کریں لیکن یہ عملی چیزیں جنھیں یہاں رہ کر آپ کو برتنا ضروری ہے، بچوں کی تعلیم اور یہاں اسلامی موحول بنانے میں اگر آپ تھوڑا سا وقت دیتے ہیں تو آپ یہاں رہئے، شاید اللہ نے اسی لئے آپ کو یہاں بھیجا ہے۔

ہندوستان وپاکستان اور ایشیائی ممالک سے ذہین نوجوانوں کی جوار بھاٹا کی طرح جو لہریں چلی آرہی ہیں، اور وہ یہاں کا رخ کر رہے ہیں تاکہ اپنا دامن اور جھولی بھر لیں تو ان ملکوں کا کیا ہوگا جہاں سے اچھے تعلیم یافتہ اور ذہین لوگ مادی منافع کی خاطر اپنے ملکوں کو چھوڑ دیں۔

چند عبرت انگیز واقعات

میں صرف ان لوگوں کا یہاں رہنا جائز سمجھتا ہوں جنھوں نے اپنے ایمان کی حفاظت کا انتظام کر لیا ہے، اور غیر مسلموں میں دینی دعوت کو اپنا مقصد بنایا ہے، ورنہ یہاں تو اس کا بھی اطمینان نہیں کہ ایک مسلمان کی مرنے پر اسلامی طریقہ پر تجہیز و تکفین و تدفین بھی ہوگی! یہاں بوسٹن میں مقیم ہمارے ایک عزیز مولوی مدثر نے بتایا کہ یہاں ایک حاجی صاحب کا انتقال ہو گیا تو انھیں فون آیا کہ آخری رسوم میں شریک ہوں، وہاں پہونچ کر انھوں نے دیکھا کہ لاش تابوت میں رکھی ہوئی ہے، سوٹ پہنا رکھا ہے، ٹائی لگی ہے، سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے ہیں، عیسائی مرد عورتیں آرہے ہیں، اور (KISS) کر رہے ہیں، تابوت پر پھول ہار وغیرہ ڈال رکھے ہیں، اللہ تعالیٰ اس نوجوان کی عمر میں برکت دے، آخر عربی مدرسوں میں پڑھنے سے فائدہ ہی ہوتا ہے، اس نے ان مرحوم کے لڑکے کو بلایا، اور کہا میں جاتا

ہوں، انہوں نے پوچھا کیوں؟ انھوں نے کہا کہ میں جو کچھ کہوں گا آپ کریں گے نہیں۔

ان صاحب نے کہا کہ ہم نے آپ کو بلایا ہے، ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے، مدثر نے کہا "پہلے تو ان کا سوٹ اتاریئے، لوگوں کو یہاں سے علیحدہ کیجئے ہم ان کو شرعی طریقہ سے غسل دیں گے، کفن پہنائیں گے، یہ انگوٹھی بھی نکلا دیجئے" ان صاحب نے کہا انگوٹھی نہ اتاریئے گا، ورنہ ہماری والدہ کا ہارٹ فیل ہو جائے گا انھوں نے کہا کہ ہم انگوٹھی ضرور علیحدہ کریں گے اگر آپ کی والدہ کے ہارٹ فیل ہونے کا خطرہ ہو تو انھیں ابھی نہ بتایئے بعد میں بتا دیجئے گا، خیر وہ راضی ہوئے۔

وہ تو اتفاق تھا کہ ہمارے یہاں کا وہ پڑھا ہوا بچہ وہاں پہونچ گیا ورنہ خدا جانے کتنے مسلمان اس ملک میں ایسے دفن ہو جاتے ہوں گے۔

ایک اور واقعہ سنا جس سے بڑی عبرت ہوئی کہ ایک مصری عالم کا انتقال ہوا، جنھوں نے اسلام پر انگریزی میں ایک اچھی کتاب لکھی ہے، ان کی بیگم امریکن تھیں، مسلمانوں کا قبرستان ذرا دور تھا، عیسائیوں کے قبرستان میں انھیں دفن کر دیا گیا، یہ چیزیں وہ ہیں، جنھیں ایک مسلمان خواب میں دیکھ لے تو چیخ اٹھے کہ یا اللہ خیر فرما، تو ہی حفاظت فرما، چہ جائیکہ یہ واقعات عام ہو جائیں اور ہم سن کر کوئی فکر نہ کریں۔

دوسرا خطرہ

بھائیو! اپنی فکر کرو، اپنے اولاد کے اسلام پر قائم رہنے کا بندوبست کرو، ورنہ آپ لوگوں کا یہاں رہنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا، ایک تو آپ خطرے میں

ہیں ،دوسرے آپ کا ملک خطرے میں ہے ،ہندوستان وپاکستان کے جو تعلیم یافتہ نوجوان یہاں آرہے ہیں،اگر وہاں رہتے تو جودس بیس آدمی ان کے ماتحت کام کرتے، ان کو تقویت ہوتی،ان کے والدین اور ہم قوم افراد کو تقویت ہوتی، عرب ممالک کے نوجوان کثرت سے یہاں ہیں ،اگر یہ اپنے وطن میں ہوتے تو اسے منظم بناتے طاقت ور بناتے اور اپنی صلاحیتوں سے فائدہ پہونچاتے، محض تنخواہ کی زیادتی،اچھے مکان اور بہتر خوردونوش کے لئے یہاں آنا سمجھ میں نہیں آتا،یہ بات بہت سوچنے کی ہے ،آپ کو مجھ سے یہ توقع ہوگی کہ میں آپ کے لئے دل خوش کن باتیں کرتا، میں نے وہ باتیں کہیں جس سے آپ کے دل کو چوٹ لگے ،اور آپ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆☆

اِیمان اور اس کی قیمت

یہ تقریر تبتی مہاجرین کے ایک اجتماع میں ۳۱؍اکتوبر ۸۱ء کو بعد نماز ظہر عید گاہ میدان کی مسجد میں کی گئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایمان اور اس کی قیمت

خطبۂ مسنونہ کے بعد!

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُم اَنِی لَااُضِیعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنكُمْ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنثٰی بَعضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَالَّذِینَ هَاجَرُوا وَاُخرِجُوا مِنْ دِیَارِهِم وَاُوذُوا فِی سَبِیلِی وَقٰتَلُوا وَقُتِلُوا لَاُكَفِّرَنَّ عَنهُمْ سَیِّاٰتِهِم وَلَاُدْخِلَنَّهُم جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِن تَحْتِهَا الاَنْهٰر ثَوَابًا مِنْ عِندِ اللّٰه وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَاب(آل عمران ۱۹۵) تو ان کے پروردگار نے ان کی توبہ قبول کرلی (اور فرمایا) کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا، تم ایک دوسرے کی جنس ہو، تو جو لوگ میرے لئے وطن چھوڑ گئے، اور اپنے گھروں سے نکالے گئے، اور ستائے گئے، اور لڑے اور قتل کئے گئے، میں ان کے گناہ دور کردوں گا، اور ان کو بہشتوں میں داخل کردوں گا، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، (یہ) خدا کے یہاں بدلہ ہے، اور خدا کے یہاں اچھا بدلہ ہے۔

میرے عزیز بھائیو! مجھے بڑی خوشی ہے کہ میں آج اپنے مہاجر بھائیوں سے ایک جگہ مل رہا ہوں، یہ ملاقات تمام سیاسی، معاشی، علمی اغراض و مفادات سے بالکل الگ ہو کر اللہ اور اس کے رسول کی محبت، اور اسلام کے رشتہ سے ہے،

اور یہ موقعے قسمت سے نصیب ہوتے ہیں۔

بھائیو! وطن کیوں وطن ہوتا ہے، اور فارسی کے ایک شاعر نے کیوں کہا ہے؟

خاک وطن از ملکِ سلیماں خوشتر
خار وطن از سنبل وریحان خوشتر

وجہ یہ ہے کہ وطن کی مانوس چیزوں سے آدمی کو انس ہوتا ہے، وہاں سب چیزیں جمع ہوتی ہیں، وہاں اس کا بچپن گذرا ہوتا ہے، جوانی کے دن بیتے ہوتے ہیں، وہاں کی پیدائش ہوتی ہے، وہاں کی گلیوں میں وہ چلا پھرا ہوتا ہے، وہاں کے باغوں، اور وہاں کی گلیوں میں کھیلا ہوتا ہے، وہ وہاں کے ذرہ ذرہ پتے پتے کو پہچانتا ہے، اور اس سے اس کو انس ہوتا ہے، اور پھر وہاں اس کے اسلاف دفن ہوتے ہیں، وطن اور پردیس میں یہی فرق ہے کہ وطن میں اسباب انس اور انس کے مرکز بڑی تعداد میں جمع ہوتے ہیں، اس لئے حضرت بلالؓ جب مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے گئے، وہاں ان کے محبوب بلکہ محبوب رب العالمین موجود تھے، اللہ نے ان کو ایسی عزت بخشی کہ ان کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کی مسجد کا مؤذن بنادیا، لیکن کبھی کبھی وہ بھی کہہ اٹھتے تھے۔

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ
بواد وحولی اذخر وجلیل

کیا کوئی ایسی رات بھی آئے گی کہ میں ایک ایسی وادی میں رہوں گا جہاں میرے گرد و پیش مکہ کی گھاس پھوس ہوگی۔) خود حضور ﷺ نے ہجرت میں مکہ سے چلتے وقت بیت اللہ کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا کہ میں کبھی تجھ کو نہ چھوڑتا، لیکن یہاں کے لوگ

مجھے نکالتے ہیں، اور یہاں دین پر قائم رہنا مشکل ہے۔

لیکن اس کے باوجود اللہ کے بندوں نے دین کی خاطر ایسے عزیز وطن کو خیرباد کہا، بہت سے لوگوں نے عمر بھر کا جمع کیا ہوا سرمایہ، اور زندگی بھر کی پونجی چھوڑی، اور اپنے بال بچوں کو بھی خیرباد کہا، حضرت ابو سلمہؓ جب ہجرت کرنے کے لئے نکلے تو ان کے ساتھ ان کی رفیقہ حیات تھیں (جو بعد میں امہات المومنین میں شامل ہوئیں) ام سلمہؓ کے قبیلہ بنو المغیرہ نے حضرت ابو سلمہؓ کے اونٹ کی نکیل پکڑ کر کہا تم کہاں جارہے ہو؟ تم نے اپنا دین بدلنے کا فیصلہ کر لیا ہے، لیکن ہماری بیٹی کو تم کیسے لے جاسکتے ہو، یہ تو ہماری بیٹی ہے، انھوں نے کہا کہ اگر میں اس کو چھوڑ دوں تو تم لوگ مجھے جانے دو گے؟ انھوں نے کہا ہاں جانے دیں گے، ابو سلمہؓ نے بیوی کو سلام کیا اور کہا خدا کے حفظ وامان میں تمہیں اور بچہ کو دیا، میں تو ایمان بچانے کے لئے جارہا ہوں، مجھے ایمان تم سے زیادہ پیارا ہے، انھوں نے بھی خوشی کے ساتھ کہا خدا حافظ! اگر اللہ کو بلانا منظور ہے تو پھر ملیں گے، حضرت ام سلمہؓ کے گود مین بچہ تھا، بو سلمہ کے قبیلہ بنو الاسد کے لوگ آگئے، انھوں نے کہا کہ ہم اپنے قبیلہ کے بچہ کو ماں کے پاس رہنے نہیں دیں گے، انھوں نے اس معصوم کو اس زور سے چھینا کہ اس کا ہاتھ اتر گیا، اور وہ اس کو لے کر چلتے بنے، اس کے بعد ام سلمہؓ کا حال یہ تھا کہ جہاں سے اس کی جدائی ہوئی تھی، وہاں آکر اس واقعہ کو یاد کر کے روتی تھیں، اس پر ایک سال بیت گیا، آخر ان کے قبیلہ کے ایک شریف طبیعت آدمی کو ترس آیا اس نے کہا یہ بے زبان عورت یہاں آکر روتی ہے، آنسو بہاتی ہے، اپنے شوہر کو یاد کرتی ہے، آخر یہ کیا ظلم ہے، یہ کیا سنگدلی ہے؟ ایک بھلا مانس اور خدا کا شریف بندہ تیار ہوا اور کہا، بہن ہم تمہیں مدینہ پہونچا دیں گے، بنو الاسد کو بھی رحم آیا اور بچہ

کوماں کے حوالہ کیا وہ کہتی تھیں کہ ایسا شریف آدمی تھا کہ مجھ کو کوئی ضرورت ہوتی تھی تو خود پہلے اتر جاتا تھا، اور الگ ہو جاتا تھا، اس نے راستہ بھر میری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

اس کے بعد پھر صہیب رومی کا واقعہ یاد کیجئے، وہ مکہ کے بہت بڑے کاریگر اور دستکار تھے، جب وہ چلنے لگے تو کفار نے آکر ان کا راستہ روک دیا، انھوں نے کہا صہیب تم کہاں جارہے ہو؟ کہا کہ بھائی ہم دین وایمان بچانے کے لئے جارہے ہیں، جہاں اللہ کا نام آزادی کے ساتھ لے سکیں، وہاں ہم چلے جائیں گے، ان لوگوں نے کہا اچھا تم مدینہ جاسکتے ہو، لیکن تم نے ہمارے شہر میں رہ کر جو کمائی کی ہے، اس کو تمہیں لے جانے کا کیا حق ہے؟ یہ ہمارا مال ہے تم نے یہاں رہ کر حاصل کیا اور کمایا، اب تم تو جارہے ہو تو جاؤ مگر ہم تم کو یہاں کا پیسہ لے جانے کی اجازت نہیں دیں گے، انھوں نے کہا تمھارا مال تم کو مبارک ہو، میں اپنی جھولی خالی کر کے سب تم کو دے جاؤں، تب تو تم خوش ہو؟ انھوں نے کہا ہاں، کہا یہ لو لے جاؤ، تمام پونجی دے کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے وہاں سے چلے گئے، حضور ﷺ نے فرمایا، صہیب نے بڑی کمائی کی، وہ نقصان میں نہیں رہے۔

آپ سب جانتے ہیں کہ دین وایمان کے لئے پہلے لوگوں نے جان دی، جان سے بڑھ کر کوئی چیز قیمتی نہیں، اس کے بعد وطن چھوڑا، دولت چھوڑی، اور بہت سے لوگوں نے حکومت بھی چھوڑی ہے، ایسے اللہ کے بندے بھی گزرے ہیں، جو ولی عہد تھے، شہزادہ تھے، ان کو امارت وریاست حاصل تھی، لیکن ان کا دل مطمئن نہیں تھا، وہ سمجھتے تھے کہ اس میں بہت سے غلط کام کرنے پڑتے ہیں، ہمیں آخرت کی جو تیاری کرنی چاہئے، وہ تیاری یہاں رہ کر نہیں ہو سکتی، حضرت ابراہیم

بن ادھم کا نام آپ نے سنا ہوگا، وہ بھی ایسے ہی تھے، اور کئی ایسے بزرگ تھے، رکن الدین علاء الدولہ سمنانی بھی ایران میں امارت وریاست کے مالک تھے، اور اس کو لات مار کر آئے، اور راہِ خدا میں نکل کھڑے ہوئے، اور کہا ہم معرفت حاصل کریں گے، اور اس کی رضا کے لئے سر دھڑ کی باری لگا دیں گے۔

بھائیو! آپ لوگوں نے اپنا وطن چھوڑا آپ کو مبارک ہو، اللہ تعالیٰ اصل میں یہ دیکھتا ہے، کہ میرے بندے نے کس چیز کو کس چیز کے لئے چھوڑا ہے، چیزوں کو چھوڑنے والے تو دنیا میں بہت ہیں، ہم آپ صبح شام روزانہ اخذ وترک کا یہ عمل کرتے رہتے ہیں، مثلاً آپ بازار گئے، آپ نے کوئی سودا خریدا، آپ نے کچھ پیسے چھوڑے، لیکن آپ نے کچھ پیسے دیئے ترکاری لی، آپ نے دام دیئے کپڑا خریدا، دفتر جاکر کوئی کام کرایا، یہ چھوڑنے اور لینے کا معاملہ تو انسان کی زندگی میں صبح شام ہوتا رہتا ہے، لیکن دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ کس کو چھوڑا اور کس کے لئے چھوڑا؟ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے، حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی ہاجرہؓ اور اپنے شیر خوار بچہ اسماعیلؑ کو مکہ میں چھوڑ کر چلنے لگے، حضرت ہاجرہؓ نے کہا ہم کو کس پر چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ کہا اللہ نے حکم دیا ہے، حضرت ہاجرہ نے کہا کہ پھر ہمیں کوئی فکر نہیں، اگر اللہ کے حکم سے ہم کو چھوڑ کر جا رہے ہیں، تو ہمیں کوئی ڈر نہیں ہے، دیکھئے اللہ نے اس عمل کو کیسا قبول کیا کہ ساری دنیا وہیں جاتی ہے، اور کتنے شوق سے جاتی ہے، اڑ کر جانا چاہتی ہے، چاہتی ہے کہ پر لگ جائیں اور ہم وہاں پہونچ جائیں، حضرت ابراہیمؑ اپنا وطن چھوڑ کر حضرت ہاجرہ کو وہاں لے گئے تھے، تو اللہ تعالیٰ ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو وہاں لے جاتا ہے، اور وہاں دوڑاتا ہے، پھراتا ہے، حضرت ہاجرہ حضرت اسماعیلؑ کے لئے پانی کی تلاش میں صفا سے مروہ تک، اور مروہ سے صفا تک دوڑی تھیں، تو اللہ تعالیٰ

بڑے بڑے سلطان وقت، اور امام عصر کو بھی وہاں دوڑاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاجرہؑ کی یہ ادا ہمیں پسند آئی، اس لئے تم بھی اسی طرح وہاں دوڑو، جہاں وہ تیز چلنے لگی تھیں، وہاں حکم ہوا کہ تیز چلو، جہاں وہ آہستہ چلیں تمہیں وہاں حکم ہوا کہ آہستہ چلو، آپ میں سے جو لوگ وہاں گئے ہیں، وہ یہ منظر دیکھ چکے ہیں۔

بھائیو! دیکھنے کی اصل چیز یہ ہے کہ کیا چیز چھوڑی اور کس کے لئے چھوڑی؟ کیا چھوڑا کی اہمیت تو ایسی نہیں ہے، لیکن کس کے لئے چھوڑا اس کی اہمیت بہت ہے، میری محبت میں چھوڑا، میرے نام پر چھوڑا، اللہ کو اس پر پیار آتا ہے اگر سلطنت چھوڑی لیکن کسی اور مقصد کے لئے چھوڑی تو اللہ کے یہاں اس کی قدر نہیں، اگر پیسہ چھوڑا لیکن اللہ کے نام پر چھوڑا، اور اللہ کی محبت میں چھوڑا، تو اللہ کے یہاں اس کی بڑی قدر ہے، تو اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ آپ نے اپنا وطن کس چیز کے لئے چھوڑا؟ ہم کو جہاں تک معلوم ہے، آپ نے اپنا ایمان بچانے کے لئے چھوڑا، اور ایمان ایسی چیز ہے کہ آدمی کو دور سے بھی دھوکا ہو کہ ایمان کے لئے خطرہ ہے تو وہ چیخ مار کر رونے لگے، حدیث میں آتا ہے کہ تین باتیں وہ ہیں کہ اگر آدمی ان کو جمع کرلے تو اس نے ایمان کی صفات کو جمع کرلیا، اس میں سے ایک یہ ہے "**من يكره ان يعود إلى الكفر كما يكره ان يقذف في النار**" اس تصور سے کہ میں کفر کی طرف لوٹ جاؤں، اسے ایسی وحشت ہو کہ جیسے اس کو آگ میں ڈالے جانے پر وحشت ہوتی ہے۔

ٹورنٹو، کناڈا میں میری ایک تقریر ہندوستانی، پاکستانی مسلمانوں کے اور عربوں کے اجتماع میں ہوئی تھی، میں نے اس میں کہا، دیکھو بھائیو! اگر تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ آئندہ ہماری نسل کا اسلام پر باقی رہنا مشکوک ہے، اور اس کا ایمان

خطرہ میں ہے تو میں تم کو فتویٰ دیتا ہوں کہ چاہے تم کو اپنے وطن تک پیدل جانا پڑے تم کو یہاں سے چلا جانا چاہئے، ساری ملازمتیں، عہدے اور ساری ترقیاں چھوڑ کر تم کسی اسلامی ملک کی طرف کوچ کرو اور چلے جاؤ ہم تو مسلمان ہیں، جیسے ہمارے عزیز نے بیان کیا، لیکن آئندہ نسلوں کے بارے میں اطمینان نہیں، ہمارے بیٹے، پوتے بھی اسلام پر قائم رہیں گے یا نہیں؟ اب اگر تم کو خطرہ ہو کہ تمہاری اولاد اور تمہاری اولاد کی اولاد خدانخواستہ ارتداد میں مبتلا ہو جائیں گی تو تمہارے لئے وہاں رہنا حرام ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰئِكَةُ ظَالِمِي انفسهم قَالُوا فِيمَ كُنتم قَالُوا كُنا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَم تَكُنْ ارضُ اللهِ وَاسعة فَتُهَاجِرُوا فِيهَا (النساء. ۹۷) جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے، وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک میں عاجز و ناتواں تھے، فرشتے کہتے ہیں کیا خدا کا ملک فراخ نہیں تھا؟ کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے

آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَأُولٰئِكَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيرًا (النساء ۹۷) ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بری جگہ ہے

خدا کا شکر ہے کہ میری اس بات کو انھوں نے آج تک یاد رکھا ہے، وہاں سے جو لوگ آتے ہیں، کہتے ہیں کہ آپ کی وہ تقریر ہمارے کانوں میں آج تک گونج رہی ہے، کسی نے سنایا کہ جنوبی افریقہ میں ہم موٹر پر جا رہے تھے، لوگوں نے ریکارڈ چالو کر دیا، ٹیپ پر آپ کی آواز تھی، اور آپ کہہ رہے تھے کہ "اگر یہاں تمہاری اولاد کا اور آئندہ نسل کا اسلام پر قائم رہنا مشکل ہو تو تمہارے لئے اس سرزمین پر رہنا ایک دن بھی جائز نہیں، چاہے تم پر آسمان سے سونا برسے، چاہے زمین سونا اگلے"۔

اللہ تعالیٰ تمہارے ان بزرگوں کو اگر وہ دنیا میں نہیں ہیں تو جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عنایت فرمائے، اور اگر زندہ سلامت ہیں، تو اللہ ان کی زندگی میں برکت دے، مجھے یقین ہے کہ انھوں نے تمہارے ایمان بچانے کے لئے اتنی بڑی قربانی دی ہے، اللہ نے حضور علیہ اور صحابہ کرام کی ہجرت کے عمل کو ایسا قبول کیا کہ اس کے نام سے مستقل جنتری (تقویم) قائم فرمادی، یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ کل ۱۴۰۲ھ کا پہلا دن تھا، اس سال کا پہلا دن ہمیں مہاجرین کے درمیان نصیب ہوا، جو ہجرت سے شروع ہوتا تھا، اس سال کا پہلا دن ہمیں مہاجرین کے درمیان نصیب ہوا، جو ہجرت سے شروع ہوتا تھا، میرا یہ مشورہ دینے کا جی چاہتا ہے کہ ایک "وصلی" بنائیے اردو یا تبتی رسم الخط میں اس پر خوش خط حروف سے لکھیں "ہم نے تبت کو کیوں خیرباد کہا؟ ایک سوالیہ نشان، تو جس شخص کی نظر اس پر پڑے گی وہ یاد کرے گا کہ ہمارا وطن ہم کو کاٹ نہیں رہا تھا، ہمارا وطن ایسا بُرا بھی نہیں تھا کہ وہاں رہنا دوبھر ہو، ہم نے وطن چھوڑا ایمان کی خاطر، سوالیہ نشان اس کے دل میں چبھے، اور اس سے پوچھو کہ تم نے وطن کیوں چھوڑا تھا؟ اس کا جواب دل و دماغ دیں کہ ہم نے ہجرت کی تھی، اپنا اور اپنے بچوں، عورتوں بیٹیوں، پوتوں، نواسوں، پوتیوں اور ان کی اولاد کا ایمان بچانے کے لئے، آپ یہ کبھی نہ بھولیں، ورنہ تھوڑے دنوں میں بھول جاتے ہیں، بہت سے بھول گئے کہ ہمارے آباء واجداد یہاں کیوں آئے تھے، ان کو کیا مجبوری پیش آئی تھی؟ پھر سب ایک ہی رنگ میں رنگ جاتے ہیں، کھانے کمانے میں لگ جاتے ہیں، پھر نمازیں بھی چھوٹ جاتی ہیں، اور دینی تعلیم کا بھی سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، خدا کی یاد بھی فراموش ہو جاتی ہے، وہاں کے نظام میں ڈھلے ڈھلائے پرزوں کی طرح فٹ ہو جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ کوئی بات

ایسی کیجئے کہ آپ ہمیشہ چونکتے رہیں اس کو دیکھ کر، وہ چیز آپ کو کاٹتی رہے، اور آپ کو غافل نہ ہونے دے، یا یہ کہ آپ وقتاً فوقتاً اجتماع کیجئے اس میں یہ بات یاد دلائیے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہی ایک طریقہ ہے کہ کوئی چیز لکھ کر لگا دیں کچھ دنوں کے بعد اس کی عادت پڑ جاتی ہے، پھر ایک اور چیز چاہئے، پھر وہ بھی مانوس ہو جاتی ہے، پھر اس کے لئے کوئی تیسری چیز چاہئے، آپ دیوار پر چاہے نہ لکھئے اپنے دل پر لکھئے کہ ہم نے تبت کیوں چھوڑا تھا؟ ہم نے اپنا محبوب اور عزیز وطن کیوں چھوڑا تھا؟ سب کچھ برداشت نہ کیجئے، جس کے لئے آپ نے اپنا وطن چھوڑا تھا۔

إنَّ فِی ذٰلِكَ لَذِكرىٰ لِمَن كَانَ لَهٗ قَلبٌ اَو القَى السَّمع وَهُوَ شَهِيد (ق۔ ۳۷) جو شخص دل (آگاہ) رکھتا ہے، یا دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہے، اس کے لئے اس میں نصیحت ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمين.

اس شاخ کی فکر کیجئے جس پر آشیانہ ہے

۳؍ دسمبر ۱۹۷۷ء کو مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تقریر حلقہ پیام انسانیت بھوپال کے زیر اہتمام ایوان صدر منزل بھوپال کے ایک مخلوط اہم مجمع میں کی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس شاخ کی فکر کیجئے جس پر آشیانہ ہے

خدا نسل انسانی سے مایوس نہیں

"حضرات! مجھے اس کثیر مجمع کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی جو انسانیت کے نام پر اور انسانیت کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے یہاں جمع ہوا ہے، اس مجمع کو کسی سیاسی غرض اور خاندانی مفاد نے نہیں جمع کیا، اس سے میرے اندر ایک حوصلہ اور نئی امنگ پیدا ہوئی، انسانیت کے مستقبل کی طرف سے امید کی ایک کرن نظر آئی کہ اس کا مستقبل روشن ہے اور مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔

خدا کا معاملہ نسل انسانی کے ساتھ اور انسانی نسل کا معاملہ نسل انسانی کے ساتھ بالکل برعکس ہے، خدا نسل انسانی سے مایوس نہیں، اس کی مہربانیاں اور اس کی نعمتیں اس کائنات پر اور اس سنسار پر برس رہی ہیں، کائنات کی ہر چیز نسل انسانی سے پُر امید ہے، لیکن ہمارا معاملہ ایک دوسرے کے ساتھ یہ بتاتا ہے کہ ہم انسان سے مایوس ہیں۔

کسی "**مفکر**" نے کہا ہے کہ جو بچہ اس دنیا میں آتا ہے وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ خدا نسل انسانی سے مایوس نہیں، اگر مایوس ہوتا تو اس نسل میں

اضافہ نہیں کرتا، اسے اپنی قسمت اور صلاحیت آزمانے کے لئے اس دنیا میں نہ بھیجتا، لیکن انسان، انسان کا گلا کاٹتا ہے، انسان سے نفرت کرتا ہے، انسان انسان کا استحصال کرتا ہے، جونک کی طرح خون پیتا ہے، اسے گاہک سمجھ کر فائدہ اٹھاتا ہے، اور اپنے رویے سے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ انسان کی صلاحیت، اور مستقبل سے وہ مایوس ہے، خدا اور انسان کے یہ مظاہرے برابر جاری ہیں، بارش کا ایک ایک قطرہ اس کا اعلان کرتا ہے کہ دنیا کا پیدا کرنے والا اپنی پیاسی مخلوق سے، اپنی ظالم مخلوق سے ابھی مایوس نہیں ہے، زمین روئیدگی کی صلاحیت رکھتی ہے، اس کی پیداوار اس بات کا اعلان ہے کہ خدا اس زمین کے رہنے والوں سے مایوس نہیں، سورج چمکتا ہے وہاں کوئی اسٹرائک نہیں، چاند برابر نکلتا ہے اور اپنی چاندنی کی چادر پھیلاتا ہے، آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا ہے، دلوں کو بھی ٹھنڈک پہونچاتا ہے، یہ سب اس بات کا اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان سے ابھی مایوس نہیں۔

لیکن ہمارا اور آپ کا عمل یہ ثابت کراتا ہے کہ ہم انسان سے مایوس ہیں، ہم اپنے کردار و عمل سے اس بات کا مظاہرہ کر رہے ہیں کہ ہم اس انسان کو جو خدا کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے کوئی وقعت نہیں دیتے۔

خدا کی قدرت اور حسن تخلیق کے مظاہر ہر چیز میں ہیں، پھول، کلی، قطرہ، گھاس کا تنکہ، مٹی کا ذرّہ، درخت کے پتے، جس چیز کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اس میں ایک دنیا ہے، ان سب سے حسین اور دلآویز تخلیق انسان کی ہے، ساری چیزیں، پوری کائنات اس کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے، یہ سب اس بات کا اعلان کرتی ہیں کہ انسان خدا کا محبوب ہے، اشرف المخلوقات ہے، اس دنیا کی بارات کا دولہا ہے، لیکن ہمارا اور آپ کا طرز عمل یہ ثابت کرتا ہے کہ انسان میں کوئی خوبی

نہیں، ہم اپنے عمل سے خدا کی عدالت میں اپنے خلاف مقدمہ دائر کرتے ہیں کہ ہم کو دنیا سے اٹھالیا جائے، گویا ہم فرشتوں کی اس بات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں جس کی تردید خدا نے کی تھی، جب تخلیق انسان کے وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ "انی جاعل فی الارض خلیفة" (میں اسے زمین پر خلیفہ بنانا چاہتا ہوں) تو فرشتوں نے اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ " اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ" (کیا آپ ایسے کو "خلیفہ" بنا رہے ہیں جو زمین پر بگاڑ پیدا کرے گا اور خون بہائے گا؟) جب خدا نے علم اشیاء کے بارے میں آدم سے سوال کیا تو اس نے ٹھیک جواب دیا، فرشتے جواب میں ناکام رہے، خدا نے انسان کو جتایا تھا، ہم اس کو ہرا رہے ہیں۔

جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

خدا نے یہ فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ انسان میں کیسے کیسے گن ہیں، اس سے علم کا دریا کیسا اُبلتا ہے، سمندروں میں وہ وسعت اور گہرائی نہ ہوگی جو اس میں ہے، اس کی آنکھوں میں محبت کی جو چمک وہ پیش کرنے سے تم قاصر ہو، اس کے دل میں نرمی ہے، محبت ہے، گداز ہے، اس پر درد کی چوٹ لگتی ہے، جس سے تم محروم ہو، اقبالؔ نے بڑی جرأت سے کہا تھا:

نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح وطواف اولیٰ

اس سے بڑھ کر یہ کہ ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

فرشتوں کے پاس یہ دولت نہیں، انسان خدا کے یہاں فرشتوں کے مقابلہ میں وہ

دل پیش کر سکتا ہے جو چوٹ کھایا ہوا ہو۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

کسی پر خنجر چلے، کسی کے تلوے میں کانٹا چبھے تو اس کی کسک اپنے دل میں محسوس ہوتی ہے، انسان کے پاس جو سب سے بڑا سرمایہ ہے وہ رحم کا سرمایہ ہے، وہ محبّت کا سرمایہ ہے، وہ ایک آنسو ہے جو انسان کی آنکھ سے کسی بیوہ کے سر کو ننگا، کسی غریب کے چولھے کو ٹھنڈا، کسی مریض کی کراہ کو سن کر ٹپک پڑتا ہے، آنسو کا وہ قطرہ جو سمندر میں ڈال دیا جائے تو اسے پاک کر دے، گناہوں کے جنگل میں ڈال دیا جائے تو سب کو جلا کر نور سے بدل دے، فرشتے سب کچھ پیش کرتے ہیں لیکن آنسو کا وہ قطرہ نہیں پیش کر سکتے، جس کی قیمت آپ نے بھی نہیں پہچانی، جو ایک انسان دوسرے انسان کے لئے بہاتا ہے۔

ہم رات کو اٹھ کر روتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے

فرشتے اپنے مالک کو دیکھ دیکھ کر اور اس کی ذات وصفات کو پہچان کر نہیں سو سکتے، لیکن وہ انسان جو کسی انسان کی مصیبت درد کی وجہ سے نہیں سو سکتا، اس کے جاگنے کو فرشتوں کی بیداری نہیں پہنچ سکتی۔

انسان کے پاس سب سے انمول چیز یہ ہے کہ وہ دوسرے کے درد سے متأثر ہوتا ہے، اس کے اندر محبت کا مادّہ ہے، اس کو حرکت دینے والی کوئی چیز مل جائے تو وہ حرکت میں آجاتا ہے، پھر نہ مذہب کو دیکھتا ہے نہ ملت کو، نہ فرقے کو نہ علاقے کو، نہ وطن کو دیکھتا ہے، نہ ملک کو دیکھتا ہے، انسان، انسان کا دل دیکھتا ہے، اس کے درد کو محسوس کرتا ہے، جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اور وہ کھنچنے پر مجبور

ہے، اسی طرح انسان کے دل کا مقناطیس انسان کے دل کو کھینچتا ہے۔

جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

اگر انسان سے یہ دولت چھن جائے تو وہ دیوالیہ ہو جائے گا، اگر کوئی ملک اس سے محروم ہو جائے، اگر امریکہ کی دولت، روس کا نظام، عرب ممالک کے پٹرول کے چشمے ہوں، ہن برستا ہو، سونے اور چاندی کی گنگا جمنا بہتی ہو لیکن اس ملک میں محبت کا چشمہ خشک ہو چکا ہو تو وہ ملک کنگال ہے۔ اس ملک پر اللہ کی رحمتیں نازل نہ ہوں گی۔

ابھی انسان کی آنکھ آنسو بہانے کے قابل ہے، ابھی انسان کا دل تڑپنے، سلگنے اور چوٹ کھانے کے قابل ہے، جو دل اس قابل نہیں ہے، ایسے دل کو دل نہیں کہتے بلکہ پتھر کی سل کہتے ہیں۔

جو خدا کی بارگاہ میں کوڑی کے قابل نہیں، چاہے وہ مسلمان کا دل ہو یا ہندو، سکھ، عیسائی کا دل ہو، دل تو اس لئے ہے کہ وہ تڑپے، لرزے، روئے، اس میں زمین سے زیادہ شادابی، آبشار سے زیادہ سیرابی، کائنات سے زیادہ وسعت اور بادلوں سے زیادہ برسنے کی صلاحیت ہو ؎

کوئی جاکر کے کہہ دے ابر نیساں سے کہ یوں برسے
کہ جیسے مینھ برستا ہے ہمارے دیدۂ تر سے

وہ آنکھ انسان کی آنکھ نہیں نرگس کی آنکھ ہے جس میں نمی نہ ہو، وہ دل انسان کا دل نہیں چیتے کا دل ہے جس پر کبھی درد کی چوٹ نہ لگے، جو کبھی انسانیت کے غم میں رونا تڑپنا نہ جانے، وہ پیشانی جس پر کبھی ندامت کا پسینہ نہ آئے وہ پیشانی نہیں بلکہ کوئی چٹان ہے۔

جو ہاتھ انسانیت کی خدمت کے لئے نہیں بڑھتا وہ مفلوج ہے ، وہ ہاتھ جو انسان کی گردن کاٹنے کے لئے بڑھتا ہے، اس سے شیر کا ہاتھ بہتر تھا، اگر انسان کا کام کاٹنا تھا تو قدرت اس کو بجائے ہاتھوں کے تلوار دے دیتی، اگر انسان کا مقصدِ زندگی صرف مال جمع کرنا تھا تو اس کے سینے میں دھڑکتے ہوئے دل کے بجائے ایک تجوری رکھ دی جاتی، اگر انسان کا کام صرف تخریب کے منصوبے بنانا تھا تو اس کے اندر انسان کا دماغ نہ رکھا جاتا بلکہ کسی شیطان، کسی راکشس کا دماغ رکھ دیا گیا ہوتا۔

پاریکھ صاحب نے اپنی تقریر میں انسان کے جسمانی تخلیق کے عجائبات بتلائے ہیں، لیکن آپ اس کے دل کے عجائبات دیکھیں تو جسم کے عجائبات ماند پڑجائیں، اس کو ایسا دل دیا ہے کہ مشرق میں کسی کو تکلیف ہو تو وہ مغرب میں تڑپ اٹھے، یہ دل کی زندگی تھی کہ جنگِ بدر کے موقع پر جو لوگ قیدی بنائے گئے اور ان کی مشکیں کسی گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قیدیوں کی تکلیف کے احساس سے رات بھر نہ سو سکے، اگر کوئی بچہ روتا تو آپ نماز مختصر کر دیتے کہ کہیں اس کی ماں بے چین نہ ہو، جو دل کسی کا دل دکھائے، کسی کو تکلیف پہنچائے تو وہ دل کس شمار کے قابل ہے؟

بھائیو! خدا کا سارا معاملہ اس کے مخلوق کے ساتھ بتاتا ہے کہ خدا نسلِ انسانی سے مایوس نہیں، آپ کا واٹر ورکس پانی روک سکتا ہے، آپ کا پاور ہاؤس بجلی روک سکتا ہے تو کیا خدا اپنی نعمتیں نہیں روک سکتا ہے جس طرح یہاں کی میونسپلٹی بھوپال کے رہنے والوں کی صلاحیت سے مایوس نہیں اور ان کی خدمت کر رہی ہے خدا اس طرح اس دنیا کو پانی بھی دے رہا ہے اور روٹی بھی دے رہا ہے، اور سب کو حکم ہے کہ وہ انسان کی خدمت کریں ؂

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند

تا تو نانِ بکف آری وبغفلت نہ خوری

پورا کارخانہ انسان کی خدمت میں لگا ہوا ہے، خدا اس سے مایوس نہیں ہوا ہے، لیکن ہم اپنے اخلاق سے کیا ثابت کر رہے ہیں؟ کیا ہم ثابت کر رہے ہیں کہ ہم انسان کو کوئی بڑی چیز سمجھتے ہیں؟ کوئی اونچی چیز سمجھتے ہیں؟ اپنے برابر کا سمجھتے ہیں؟ اپنے جسم کا ٹکڑا سمجھتے ہیں؟ ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند

یہ طرزِ عمل انسانی آبادی کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے، باہر سے کوئی خطرہ نہیں، وہ زمانہ بیت گیا جب قومیں دوسری قوموں پر چڑھائی کرتی تھیں، خطرہ اندرونی ہے، وہ ہے انسانی دشمنی اور انسانیت کی پامالی کا خطرہ۔ انسانیت کی خیر خواہی سے آنکھیں بند کر لینا، اس خطرے سے ملک کو بھی اور قوم کو بھی بچانے کی ضرورت ہے۔

بارات ہے نوشہ نہیں

مجھے یہیں کے ایک بزرگ کی کہی ہوئی ایک کہانی یاد آگئی جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے وہ کہتے ہیں:

> "ایک بارات بڑے دھوم دھام سے جا رہی تھی، بینڈ باجہ بھی تھا روشنی اور مشعل بھی، بارات دیکھنے والوں کی بھیڑ میں ایک شخص بہت غور سے بارات دیکھ رہا تھا، کچھ دیر بعد اس نے کہا کہ نوشہ کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ کیا فضول بکتے ہو، بارات نہیں دیکھ رہے ہو، تماشہ نہیں دیکھتے ہو، (Enjoy) نہیں کر رہے ہو فضول سوالات کرتے ہو، مگر وہ آدمی بڑا حقیقت پسند تھا اس نے کہا بارات تو بہت عمدہ ہے لیکن نوشہ نظر نہیں آتا،

اس پر سب کو خیال ہوا کہ دیکھنا چاہئے نوشہ واقعی نہیں آرہا ہے،
اب جو تحقیقات شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ نوشہ صاحب
گھوڑے پر سوار تھے، گھوڑے نے راستے کے کسی گڑھے میں
انھیں گرادیا ہے اور بارات اپنے شور وہنگامے میں بے نوشے
کے آگے بڑھتی رہی، بارات کی دھوم دھام اور شور وپکار میں
نوشے کا کسی کو ہوش ہی نہیں رہا۔"

مجھے یہ اندیشہ ہے کہ مشرق سے مغرب تک انسانیت کی جو بارات جدید تہذیب وتمدن کے ساتھ نکل رہی ہے، جس کے مناظر میں نہ اس ملک میں بھی دیکھے ہیں، اور یورپ وامریکہ میں بھی، کہیں یہ بے نوشہ کی بارات نہ ہو، انسانیت کی اس بارات کا نوشہ انسان ہے۔ انسانیت کی اس بے نوشہ کی بارات پر آنسو بہانے والا، اس کی فکر کرنے والا کوئی نہیں، اس شہر میں کتنے آدمی ہیں جو انسانیت کی بارات کے نوشہ کہلانے والے حقیقی انسان ہوں؟ ایسا انسان کہاں ہے جس کی نظر خالص انسانیت پر ہو، جسے کھو کر پانے کا مزہ آئے، جسے ہار کر جیتنے کا مزہ آئے؟ سب اپنی جیب اپنا گھر بھرنے کی فکر میں ہیں اور اپنی پارٹی کو نفع پہنچانے میں کوشاں ہیں، اور بہت ترقی کی تو قوم (Nation) کو فائدہ پہنچانے کی سوچنے لگے، نیشن بھی ایک کنبہ ہے، کنبہ چھوٹا بڑا ہوتا ہی ہے، نیشنلزم بھی ایک قسم کی کنبہ پروری ہے، نیشنلزم (قوم پرستی) کو شاید میں کسی وقت ضروری سمجھوں۔

میرا تعلق اس جماعت اور اس گروہ سے ہے جس نے آزادی کی جنگ میں بھرپور حصہ لیا اور ملک وقوم کی آزادی کے لئے اس وقت جدوجہد شروع کی جب آزادی کا نام بھی کوئی نہیں لیتا تھا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ نیشنلزم بھی ایک تنگ

خیالی (Narrow Mindedness) ہے، انسانیت اس سے بھی زیادہ وسیع چیز ہے،

اس شاخ کی فکر کیجئے جس پر آشیانہ ہے

تمام قومیتیں انسانیت کی شاخیں ہیں، اصل چیز انسانیت ہے، اس انسانیت کو تباہی اور ہلاکت سے بچانے کے لئے آج کتنے افراد اور کتنی پارٹیاں آدمیت کے نام سے سرگرم اور انسانیت کو بچانے کے کام میں مصروف ہیں۔ ؟

تہذیب و تمدن، سیاست و حکومت، ادب و فلسفہ اور علم و فن کے آشیانے انسانیت کی شاخ پر قائم ہیں، اگر انسانیت کی شاخ باقی ہے تو آپ جیسا چاہیں ویسا نشیمن بنالیں، لیکن شاخ ہی نہ رہی تو نشیمن کا بقا کہاں ؟ آج انسانیت کی شاخ پر کتنے تیشے چلائے جارہے ہیں، آگ لگائی جارہی ہے ہر شخص اس کوشش میں مصروف ہے کہ آدمیت کی شاخ پر بڑے سے بڑا تیشہ چلائے۔

آج ہمارے ملک میں انسان کو انسان سے محبت اور ہمدردی نہیں رہی، پہلو میں وہ دل نہیں جو انسانیت کے سوز میں جلتے ہوں، اس کا درد محسوس کرتے ہوں، نفسا نفسی کا قیامت خیز منظر ہے ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہے، قرآن مجید میں قیامت کی نفسا نفسی کا جو نقشہ کھینچا ہے "یوم یفر المرء من اخیه وامه وابیه وصاحبته وبنیه لکل امرء منهم یومئذ شان یغنیه" (عبس. ۳۴،۳۷) یہی منظر آج پوری انسانی سوسائٹی میں نظر آرہا ہے۔

انسان کی حقیقت سے نا آشنا

ہمارے ملک میں جب ریل اور ہوائی جہاز کے حادثات ہوتے ہیں تو ہمارے سماج کی اخلاقی پستی عیاں ہو جاتی ہے، لوگ حادثہ کا شکار ہونے والے، مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کے بجائے ان کی کلائی کی گھڑیاں اور جیبوں سے پرس نکا

لیتے ہیں یہ خطرہ کا وہ سگنل ہے، وہ الارم ہے جس پر پوری سوسائٹی کو چوکنا ہو جانا چاہئے۔

فرقہ وارانہ فسادات، ہندو مسلم مسئلہ نہیں بلکہ انسانیت کی بے حرمتی کی علامت ہیں، اصل مرض انسانیت کی بے وقعتی ہے۔

ہم نے بعض اوقات درخت اور جانور کو انسان سے زیادہ وقعت دی ہے، ہم نے اکثر اوقات انسان کے مقابلہ میں پیسے کو ترجیح دی ہے، حالانکہ پیسہ انسانی ہاتھ کا میل ہے، ہم نے پیسہ کو انسان کے دل، اس کی روح، اس کی آتما سے زیادہ اہمیت دی، حالانکہ انسان کا درجہ خدا نے اپنی تمام مخلوقات میں افضل اور اشرف رکھا ہے، اس کے بلند مقام کی اس سے بڑھ کر اور دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی بھوک، پیاس، بیماری کو اپنا مسئلہ بتایا ہے جیسا کہ ایک حدیث قدسی کا مفہوم ہے، کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کسی بھوکے کو کھانا کھلانا، کسی پیاسے کو پانی پلانا اور کسی بیمار کی تیمارداری کرنا گویا میرے ساتھ یہ حسنِ سلوک کرنا ہے، انسان کے مقابلہ میں دنیا کے تمام بر اعظم رکھ دیجئے تو انسان کا پلڑا بھاری ہو گا، تمام بر اعظم انسان کے لئے پیدا کئے گئے، انسان ان کے لئے نہیں پیدا کیا گیا۔

جس انسان کو راتوں کو جاگ جاگ کر خونِ جگر پلا پلا کر پالا گیا ہے، جس سے اس کے ماں باپ نے، سارے خاندان نے امیدیں قائم کی ہیں، جو خدا کی امانت لے کر دنیا میں آیا ہے جو دنیا کی اصل روح ہے اس کو مارا جاتا ہے، یہ قاتل وہ لوگ ہیں جن کے سامنے انسان کی حقیقت، انسان کی تاریخ، ماں باپ کا پیار نہیں ہے، اس انسان کو بنانے کیلئے تعلیم گاہوں، دانشوروں، استادوں اور مربیوں نے جو محنت کی ہے، جتن کئے ہیں، وہ ان کے سامنے نہیں۔ اگر یہ حقائق سامنے ہوتے تو دنیا میں

کوئی نہ ملتا جو اس کو مارنے کے لئے خم ٹھونکتا، سکندر و دارا، چنگیز و ہلاکو، ہٹلر و سیزر جنھوں نے انسانیت کی کھیتی کو آگ لگائی یہ سب انسان کی حقیقت سے ناآشنا تھے، وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ انسان کے خلاف بگاڑ پیدا کرنے والوں پر خدا کو کتنا غصہ آتا ہے۔

نحیف آواز نے انقلاب برپا کر دیا

بھائیو! اگر آپ کے دل میں انسانیت کے احترام کا جذبہ، انسانیت کی محبت کا سوتہ ہے تو اسے حرکت میں آنا چاہئے، وہ لوگ جو اس ملک میں ہم سے زیادہ اثر رکھتے ہیں انھیں اپنی کرسیوں کو چھوڑ کر، چاہے وہ وزارتِ عظمیٰ کی کرسی ہو، یونیورسٹیوں اور عافیت کدوں کو چھوڑ کر اس ملک کو بچانے کے لئے میدان میں آنا چاہئے، یہ ملک نہ بچا تو یونیورسٹیاں، حکومت، جمہوریت کہاں رہے گی، ان کی بقا کہاں رہے گی اور ان کو پناہ کہاں ملے گی؟ ملک نہ رہے، انسانیت دم توڑ دے تو اقوامِ متحدہ (U.N.O.) میں کیا جانور نمائندگی کریں گے؟ انسان ہونا شرط ہے قوم میں قومیت کا احساس اور سیاسی شعور ہونا شرط ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ اس ملک میں بڑی بڑی کرسیوں سے اور اونچے اونچے عہدوں سے اتر کر لوگ آتے اور انسانیت اور ملک کو بچاتے، لیکن جب ہم نے دیکھا کہ کوئی نہیں آرہا ہے، تو ہم نے سوچا کہ ہم ہی چل پڑیں، دنیا کی تاریخ، قوموں کی تاریخ اور سماجی اور مذہبی اصلاحات کی تاریخ میں بعض مرتبہ کوئی نحیف صدا بلند ہوئی اور اس کے بعد وہ سب کے دل کی آواز بن گئی اور اس نے سماج میں انقلاب برپا کر دیا، اسی امید پر ہم آئے ہیں کہ ہم جگائیں، جاگنے کے بعد سب کچھ ہو سکتا ہے، اور جگانے کے لئے نحیف سی آواز بلکہ پتوں کے گرنے کی آواز بھی کافی ہوتی ہے۔

اس وقت سب سے بڑا کام یہ ہے کہ ہم اپنے اپنے مذہب کے دائرے میں

انسانیت کا احترام پیدا کرنے اور انسانیت کو زندہ کرنے کی کوشش کریں، انسان انسان کی طرح ملے، اس کے بعد پھر مطالعہ، غور و فکر اور توفیق الٰہی سے اپنے لئے پسندیدہ طریقۂ زندگی منتخب کر لے، لیکن پہلے باہمی اعتماد و محبت کی فضا تو پیدا کیجئے، انسان کو گلے لگائیے، تب آگے بات ہو گی، اگر انسانیت ہی نکل گئی تو کس سے بات کی جائے۔

انسان ہے کیا؟ اس کے اندر کیا صفات ہیں؟ انسان کا انسان پر کیا حق ہے؟ انسان کی حقیقت کیا ہے؟ انسان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ کس لئے پیدا کیا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں کہ جن پر انسانی سماج کے ایک ایک فرد کو غور و فکر کرنا چاہئے۔۔۔ اس ملک میں اتحاد و محبت اور باہمی اعتماد کا ماحول پیدا کرنا چاہئے، اس طرح ظلم کے واقعات نہیں ہونے چاہئے جیسے حال ہی میں ہماری ریاست کے شہر بنارس میں ہوئے۔

میں ایک مذہبی انسان کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ ہمارے گناہ اور ظلم کے نتیجہ میں آسمانی آفتیں آتی ہیں، خدا یہ دکھاتا ہے کہ مارنے کا سامان ہمارے پاس تم سے زیادہ ہے، ہم نے آندھرا کے طوفان و سیلاب میں اس کا نمونہ دیکھا ہے، یہ واقعہ سبق دینے کے لئے ہوا ہے، جب بھی ظلم کا کوئی واقعہ ہوتا ہے تو میں ڈر جاتا ہوں کہ کوئی قدرتی تازیانہ انسانوں کی طرف نہ بڑھے، میں اس سے کسی کو مستثنیٰ نہیں کرتا، جہاں بھی ظلم کے واقعات ہوں گے، خدا وہاں اپنی قدرت دکھائے گا۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

یہ پُر مغز اور مؤثر تقریر شہر اجین
کے ایک عام مجمع میں ۴ر دسمبر ۱۹۷۷ء کی
شب میں ساڑھے آٹھ بجے کی گئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

زندگی کا دستور العمل

"إِنَّ اللّٰهَ يَامُرُ بِالعَدلِ وَالاِحْسَانِ وَاِيتَاءِ ذِی القُربیٰ وَيَنْهیٰ عَنِ الفَحْشَاء وَالمُنكَر وَالبَغيِ يَعِظُكُم لَعَلَّكُم تَذَكَّرُون"۔

بزرگو! اور بھائیو! دوستو اور عزیزو!

میں نے قرآن مجید کی جو آیت تلاوت کی ہے وہ نماز جمعہ کے خطبہ کا جزء ہے، ہر ہفتہ مسلمان اسے سنتے ہیں، پڑھتے ہیں، چونکہ ہم عربی زبان سے ناواقف ہیں، عام طور پر خطبہ اور نمازوں میں جو عربی میں پڑھا جاتا ہے، اس کو غور کرنے کی چیز نہیں سمجھتے، بلکہ عبادت کا ایک وظیفہ سمجھتے ہیں، اس میں کیا سبق ہے؟ کیا پیغام ہے؟ اس پر غور کرنے یا کسی جاننے والے سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، انہیں میں یہ آیت بھی ہے جو دراصل پوری زندگی کا منشور ہے (MANIFESTO) دستور العمل، ضابطہ قانون، ہدایت نامہ (DIRECTIVE) ہے،

اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے عدل کا، احسان کا، یہ نہیں کہتا کہ کس کے ساتھ انصاف واحسان کرنا چاہئے بلکہ مطلق انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے، ہر شخص کو انصاف، احسان اور نیکی کرنا چاہئے، اس کے بعد جب دینے دلانے کا ذکر آتا ہے تو اس میں تھوڑی سی تخصیص کرتا ہے "وایتاء ذی القربیٰ" پھر اس میں بھی ذکر خونی رشتہ کا نہیں کہ چچازاد بھائی ہوں، ماموں زاد ہوں، اولاد ہو، بلکہ کہتا ہے قربت والے لوگ، قربت کئی طرح کی ہوتی ہے، رشتہ کی قربت، پڑوس کی قربت، ہم وطنی کی قربت، پیشے کی قربت، قرآن مجید میں دوسری جگہ اس کی ذراسی تشریح آئی ہے، زیادہ دور کے، زیادہ قریب کے، اس میں بھی کچھ گنجائش ہے، صرف یہی نہیں بلکہ خونی رشتے ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں، نامعقول باتوں اور نامناسب رویئے سے روکتا ہے، تمھیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

اجین شہر میں جس کی نسبت راجہ بکرماجیت کی طرف ہے انصاف یاد آتا ہے، سنا ہے کہ وہ ایک منصف بادشاہ تھا، آج کی دنیا انصاف اور احسان کو بھول چکی ہے، جس چیز کا دنیا میں سب سے زیادہ کال ہے وہ انصاف اور احسان ہے، انصاف دنیا سے بالکل ناپید تو نہیں ہوا، انصاف آج بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن انصاف کے چھوٹے چھوٹے دائرے اور گھروندے بن گئے ہیں۔

آج انصاف صورت پہچان کر، ناپ تول کر، دیکھ بھال کر، سوچ سمجھ کر کیا جاتا ہے، معاملہ اپنے کسی عزیز، کسی ہم مذہب، ہم برادری، ہم قبیلے کا ہو تو انصاف کے لئے دل کھل جاتا ہے، تقاضہ پیدا ہوتا ہے، انصاف کرنا آسان معلوم ہوتا ہے، لیکن انصاف کا معاملہ کسی ایسے فرد کا ہو جس سے کوئی خونی رشتہ نہیں، جس کے

ساتھ انصاف کرنے میں کوئی خاص مادی فائدہ نہیں، تعریف و تحسین نہیں بلکہ تنقید کا اندیشہ ہے تو وہاں انصاف کے لئے قدم نہیں اٹھتا، قلم نہیں چلتا۔

انصاف کے لئے بھی کسی ٹریڈ مارک، برادری، خاندان، دلیش اور قوم کی ضرورت پڑتی ہے مگر؟ وہ انصاف جو بڑے انصاف ہو، وہ انصاف جو خدا کا حکم سمجھ کر، کسی کا حق مان کر، کسی سچائی کو تسلیم کر کے کیا جائے اور جو بے لاگ ہو، غیر جانبدار ہو، وہ انصاف بہت مشکل ہے، اور اس انصاف کے لئے وہی اللہ کے بندے تیار ہوتے ہیں جن کے دل میں خدا کا خوف اور انسانیت کا احترام ہوتا ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔

ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

حدیث میں آتا ہے "الخلقُ عیالُ الله "ساری مخلوق اور جتنے انسان ہیں، وہ خدا کا کنبہ ہیں، یہ آخری بات اس مذہب نے کہی ہے، جس کو عقیدۂ توحید پر ذرا سی آنچ گوارا نہیں، آپ جانتے ہیں کہ اسلام ہر وہ چیز جس سے توحید مجروح ہوتی ہو، ہونا پسندیدہ ہے، یہاں تک کہ گنتی میں بھی وتر کو پسند کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں جو مذہب اتنا حساس (SENSITIVE) ہو وہ مذہب تمام مخلوق کو خدا کا کنبہ کہتا ہے یہ کتنی بڑی بات ہے، قرآن مجید کا تہائی حصہ عقیدۂ توحید پر مشتمل ہے، سورۂ اخلاص کو قرآن مجید کا ۱/۳ حصہ کہا گیا ہے، اس میں ہے "قُل هُو اللهُ اَحَد اللّهُ الصَّمَد لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَه كُفواً اَحَدْ(اے محمد ﷺ! کہہ دیجئے اللہ ایک ہے، وہ بے نیاز ہے، سب اس کے ضرورت مند ہیں اور اس کو کسی کی ضرورت نہیں، نہ اس نے کسی کو جنم دیا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور اس کا کوئی ہمسر نہیں)۔

وہ اسلام جس نے سورۂ اخلاص کو ''قلبِ قرآن'' اور ثلث قرآن کہا ہے، خدا کی مخلوق اور خدا کے بنائے ہوئے انسانوں کو چاہے وہ کسی بھی مذہب وملت کے ہوں، چاہے وہ کسی بھی دیس اور ملک کے ہوں، چاہے وہ کسی بھی نسل یا رنگ کے ہوں، چاہے کسی بھی خاک وخون کے ہوں، اللہ کا کنبہ اور خاندان قرار دیا ہے، اللہ نے سب انسانوں کی پرورش اپنے ذمہ لی ہے۔

انسانوں میں خدا کا پیارا کون ہوگا؟ وہ نہیں جو بہت زیادہ عبادت کرے اور مالا جپے، بلکہ وہ زیادہ پیارا ہوگا جو اس کے کنبے کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچائے، تمام انسانوں کو خدا کا کنبہ کوئی اور مذہب قرار دیتا تو ذہن اسے قبول کر سکتا تھا، لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ مذہب جو توحید کے بارے میں ایسا ذکی الحس ہے کہ دوسرا کوئی مذہب نہیں، وہ اسلام کہتا ہے کہ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے، یہ آخری بات ہے جو اس مذہب نے کہی، اب کہنے کی کوئی بات باقی نہیں رہی۔

انصاف بے رنگ ہوتا ہے

انصاف واحسان کو اللہ تعالیٰ نے کسی کے ساتھ مخصوص نہیں کیا، وہ تو آسمان سے برسنے والے پانی کی طرح بے رنگ ہوتا ہے، اگر آپ اس پانی کو کسی رنگین بوتل میں ڈالتے ہیں تو رنگین نظر آتا ہے، لیکن جب آسمان سے پانی برساتھا تو اس کا کوئی رنگ نہیں تھا، اسی طریقہ سے انصاف واحسان کا کوئی رنگ نہیں ہے، ہاں اگر انصاف کرنے والا مسلمان ہے تو اس کی نسبت سے کہا جائے گا کہ مسلمان منصف، اگر ہندو ہے تو کہا جائے گا کہ ہندو منصف، مسلمان اور ہندو یہ تو بوتلوں کے رنگ ہیں، لیکن انصاف اور احسان کا کوئی رنگ نہیں، یہ تو بے رنگ ہیں، بے رنگ رہیں گے اور انھیں بے رنگ رہنا چاہیے۔

کہا گیا ہے"إن الله یامر بالعدل والاحسان "یہ عمومی حکم ہے"إن اللّٰہ یامُرُبالعَدلِ مَعَ المُسلِمینَ،إن اللّٰہ یامُرُ بالاِحسانِ اِلیٰ المُسلمین" نہیں کہا گیا،"الحمدُ للّٰہ رَبّ العٰلمین کہا گیا ہے، دنیاؤں کا پالنے والا "ربُ المُسلِمین، ربُ الھنود ربُ المسیحیین، ربُ العرب، ربُ العجم"، یعنی مسلمانوں کا رب، ہندوں کا رب، عیسائیوں کا رب، عربوں کا رب، عجمیوں کا رب نہیں کہا گیا۔

تمام جہانوں کا پالنہار، ستارے، چاند، سورج، کہکشاں، نظام شمسی، دنیا کے تمام براعظم، نباتات، حیوانات غرض پوری کائنات کے رب نے عدل؛ وانصاف کو بالکل عام رکھا ہے، وہ قومی انصاف، ملکی انصاف، خاندانی انصاف (FAMILY JUSTICE) نہیں،عام انصاف ہے"إن الله یامربا لعدل والاحسان" میں یہی عمومیت ہے۔

قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ فرمایا گیا"ولاَ یَجرِمَنکُم شنآن قومٍ علیٰ اَلاتَعدلُوا اِعدلُوا ھُو اقربُ لِلتقویٰ "کسی گروہ کسی جماعت، کسی برادری سے اگر تم کو تھوڑی شکایت ہو، کدورت ہو، دل میں میل ہو تو یہ بات تمھیں اس حد تک نہ آمادہ کرے کہ تم ان کے ساتھ ناانصافی کرو، جب بھی موقع انصاف اور تول کا آئے تو ترازو جھکنے نہ پائے، پورا پورا حق دو، انصاف سے کام لو کیونکہ یہ خدا کو خوش کرنے والی چیز اور اس کی ہدایت پر عمل ہے۔

یاد رکھیۓ! عدل وانصاف اور احسان کو عام ہونا چاہیۓ، ہم سب کو، خواہ ہم کسی قوم، کسی مذہب کے ماننے والے ہوں، ہمارے پیدا کرنے والے نے ہمیں روزی پہونچانے والے ہمارے مالک نے حکم دیا ہے کہ انصاف واحسان میں تفریق

نہیں ہونی چاہئے، کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دینی چاہئے۔

میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ اگر تم خدا کے ماننے والے ہو تو تم کو انصاف واحسان میں کوئی فرق نہیں کرنا چاہئے کہ ہماری برادری، ہمارے مذہب، ہمارے عقیدے کا ہے، اللہ تعالیٰ کا معاملہ سب کے ساتھ یکساں ہے، اس کی محبت عام ہے، وہ سب سے پیار کرتا ہے، سب کو رزق دیتا ہے، سب کو خطرے سے بچاتا ہے، اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے زیادہ ماممتا اور محبت رکھتا ہے، اس کی ہوا بے رنگ، اس کا پانی بے رنگ، اس کی نعمتیں عام، وہی خدا یہ چاہتا ہے کہ انصاف بے لاگ، بے رنگ، اس میں کوئی تفریق اور امتیاز نہ ہو، اپنے اپنے دور میں تمام اچھے لوگوں نے اس پر عمل کیا اور تاریخ میں اپنا نام روشن کر گئے، ہم نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ آپ کے شہر اجین میں راجہ بکرماجیت کا راج انصاف کا راج تھا، اسی بادشاہ کے نام سے بکرمی جنتری چلتی ہے، خدا کو اس کی کوئی بات پسند آئی کہ اس کی جنتری آج تک زندہ ہے، اور نہ جانے کتنی جنتریاں ختم ہو گئیں، ہجری سن اور عیسوی سن دو پیغمبروں کے نام سے ہیں، ان پر تو ہمیں تعجب نہیں، ان کو تو زندہ رہنا ہی چاہئے تھا اس لئے کہ ان کی تعلیمات، ان کے ماننے والے دنیا میں زندہ ہیں، لیکن بکرمی جنتری کیوں زندہ ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو اس کی کوئی بات پسند آئی، اور جیسا کہ مشہور ہے اور ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ وہ انصاف کرنے والا تھا، کاش! ایسا انصاف آج بھی ہوتا۔

عالمی بگاڑ کا سبب

دنیا میں اس وقت جو بگاڑ آیا ہوا ہے کہ انصاف اور احسان کے صحیح ناپ تول نہ ہونے کی وجہ سے ہے، ترازو نہیں دیکھتی کہ تولنے والا کون ہے، اور کیا رکھا گیا ہے؟ ترازو صحیح ہے تو صاف بتا دیتی ہے کہ یہ اتنے سیر ہے، اس کا اتنا وزن ہے، ترازو

میں ایک رتی کا فرق نہ ہوگا، چاہے ہیرے جواہرات تلیں۔

حکومت کرنے والوں، سیاست دانوں، دانشوروں، عالموں، شاعروں، فلسفیوں، مصنفوں، مفکروں اور ادیبوں کو ترازو ہی کی طرح منصف ہونا چاہئے تھا، امریکہ میں انصاف ہوتا تو اسرائیل کا خنجر عربوں کے سینے میں نہ گھونپا جاتا، برطانیہ میں انصاف ہوتا تو سو برس ہمیں غلام نہ رہنا پڑتا، ہماری جائدادیں تباہ، ہماری صنعت مفلوج نہ ہوتی، اور ہمارے سر پر آرے نہ چلائے جاتے، نوآبادیاتی نظام دنیا میں قائم نہ ہوتا، اور اگر آج ہمارے ملک میں انصاف ہوتا تو فسادات نہ ہوتے، شکایتیں نہ ہوتیں، مقدمات عدالتوں میں نہ جاتے، اسٹرائکیں اور مظاہرے نہ ہوتے جب انصاف تھا تو شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے۔

دو سبق آموز واقعات

انصاف کا ایک واقعہ سنئے، مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ جو مصر کے فاتح بھی تھے ان کی گورنری کے زمانہ میں ایک مرتبہ ایک گھوڑ دوڑ ہوئی، اس ریس میں ان کا بیٹا بھی شریک تھا، اس کے گھوڑے سے آگے قبطی کا گھوڑا بڑھنے لگا تو گورنر زادے نے اس قبطی کو ایک طمانچہ مارا، یہ کہتے ہوئے کہ لو شریف زادے کا تھپڑ ایسا ہوتا ہے، وہ معمولی شہری تھپڑ کھا کر سیدھا مدینہ پہونچا اور اس نے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ سے شکایت کی، وہاں سے طلبی ہوئی کہ گورنر عمرو بن العاصؓ مع اپنے بیٹے کے حاضر ہوں، دونوں پہونچے، ایک دربار سا لگا، اور حضرت عمرؓ نے سب کے سامنے اس قبطی کو کہا کہ ایک تھپڑ اسی طرح تم گورنر زادے کو میرے سامنے مارو جیسا اس نے تمھیں مارا تھا، اس قبطی نے تھپڑ مارا، اس کے بعد جو الفاظ حضرت عمرؓ نے کہے وہ ہم کو فخر کرنے کے لائق ہیں، انھوں نے کہا کہ :-

”تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام بنالیا حالانکہ یہ اپنے ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے۔“

ہمیں اس واقعہ پر اور حضرت عمرؓ کے انصاف پر فخر کرنا چاہئے، ہم کو جیسے بکر ماجیت پر فخر کرنے کا حق ہے کہ وہ انسان تھا اور جس انسان سے اچھا کام ہو وہ ہم تمام انسانوں کی دولت اور ملکیت ہے۔

ایک واقعہ ہمارے ملک ہندوستان کا سنئے جو ابھی سو برس کے اندر پیش آیا، کاندھلہ یا مظفر نگر کے کسی مقام پر ایک زمین کے سلسلے میں دو دعویدار پیدا ہو گئے، مسلمان کہتے تھے یہ مسجد ہے، ہندو بھائی کہتے تھے یہ مٹھ ہے، مقدمہ جج کے پاس گیا، جج نے دونوں طرف کی شہادتیں سنیں، دونوں فریق بڑے ماہر وکیلوں کو لائے تھے، جج انگریز تھا، اور شاید شریف اور باہمت، اس نے کہا کہ کیا ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے جس پر دونوں فریق کو اتفاق ہو، ہندو بھائیوں نے کہا ہاں ایک مسلماں مولوی صاحب محمود بخش ہیں (یہ بزرگ حضرت مولانا الیاسؒ بانی تبلیغی جماعت کے خاندان سے تھے، جن کی تبلیغی دعوت آج پوری دنیا میں عام ہے) ہندوؤں نے کہا کہ اگر اس بستی میں کوئی سچ بول سکتا ہے تو وہ مولوی محمود بخش ہیں، انگریز جج کو تعجب ہوا کہ ہندو ایک مسلمان مولوی کا نام لے رہے ہیں اور ان کی گواہی پر فیصلہ کو تیار ہیں، چپراسی بھیج کر مولوی صاحب کو بلوایا گیا، انھوں نے جواب دیا کہ میں نے آج تک انگریز کا منھ نہیں دیکھا اور آئندہ بھی نہیں دیکھوں گا، انگریز جج بھی عجیب قسم کا تھا، اس نے کہلایا کہ ان سے کہدینا کہ میرا منھ نہ دیکھیں منھ پھیر کر کھڑے ہو جائیں، مگر بات کہہ دیں، اب ایسے انگریز اور حاکم کہاں ہوتے ہوں گے؟ چپراسی دوبارہ یہ پیام لے کر گیا، مولوی محمود بخش آئے اور واقعی

انگریز جج کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے اور اپنے کھرے لہجے میں کہا "پوچھ! کیا پوچھے ہے"؟ انگریز جج نے کہا کہ فلاں جگہ کے بارے میں ہندو اور مسلمان دو فریق ہیں، ایک اسے مٹھ کہتا ہے دوسرا مسجد، آپ بتلائیں کہ یہ جگہ کس کی ہے؟

مولوی محمود بخش نے کہا کہ "سچی" بات تو یہ ہے کہ یہ مٹھ تھا، یہ مسجد نہیں تھی، مسلمان غلط کہتے ہیں۔

یہ ہے صحیح کردار، یہ ہے صحیح کیریکٹر، آج ہم سب اس راہ پر چلتے تو دنیا کی یہ حالت نہ ہوتی، روس اور امریکہ آج کی دنیا کے یہ دو چودھری پرلے درجے کے ناانصاف، اول درجے کے بے ایمان، وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ان کا فائدہ کس میں ہے، اسرائیل کا معاملہ لے لیجئے اندھیر، بلکہ اندھیرے سے بڑھ کر کوئی اندھیر کہہ سکتے ہیں، بیچارے مسلمان عرب سیکڑوں برس سے جس خطۂ زمین پر آباد تھے، اور جس کا چپہ چپہ ان کا تھا، ان سب کو بے دخل کر کے، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا، برطانیہ، جرمنی اور روس کے یہودیوں کو لاکر بسادیا گیا، ان کی حکومت قائم کردی گئی، یہ میں نے ایک مثال دی ورنہ سب لوگ جانتے ہیں کہ کتنی ناانصافیاں، کتنی قوموں کا خون، کتنی سچائیوں کا خون اس دنیا میں ہو رہا ہے، اور سب کچھ ٹھیک ہے۔

إن الله یا مر بالعدل و الاحسان، اللہ تعالیٰ عدل کا، انصاف کا، احسان کا حکم دیتا ہے۔

کوئی بھوکا ہو تو کھانا کھلاؤ، کوئی پیاسا ہو تو پانی پلاؤ، کوئی بیمار ہو تو عیادت وتیمارداری کرو، چاہے وہ کسی بھی مذہب وملت کا، کسی بھی رنگ ونسل کا ہو، تم جج ہو تو صاف فیصلہ کرو، حاکم ہو تو سب کے ساتھ یکساں معاملہ کرو، دفتر کے ملازم ہو تو سب کی خدمت کرو، محلہ دار ہو تو سب کی خبر گیری کرو، اگر شہری ہو تو سب کے

دکھ درد میں شریک رہو، اگر تم ایسا کروگے تو اپنے مذہب کی خدمت کروگے، اپنے کو ایک اچھا شریف شہری ثابت کروگے۔

آج اسی چیز کی کمی ہے، اگر حکومت کی سطح پر اس کے وسائل ریڈیو اور ٹیلیویژن پر، ہماری تعلیم گاہوں میں، مجلسوں، سبھاؤں میں، مسجدوں میں، مندروں میں، مدرسوں میں، پاٹھ شالاؤں میں، شادیوں میں اور تقریبات میں اسی بات کا چرچا ہوتا تو ملک کی قسمت بدل جاتی اور یہ ملک حقیقت میں جنت کا نمونہ بن جاتا۔

آج ہمارے ملک کا یہ حال ہے کہ ہر چیز کی بوتل دیکھی جاتی ہے کہ یہ کس رنگ کی ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس میں کیا ہے اور کیا ڈالنا ہے۔

تمام دنیا کے انسان خدا کے لگائے ہوئے باغ کے پھول اور کلیاں ہیں، ہمارے ملک میں انسانیت کے باغ کے نہ جانے کتنے غنچے بن کھلے مرجھا جاتے ہیں، بچے مارے جاتے ہیں، عورتوں پر ظلم ہوتا ہے، برسوں کی کمائی کو پھونک دیا جاتا ہے یہ سب کون کراتا ہے؟ یہ ہمارے اندر بیٹھا ہوا راکشس کراتا ہے، ہمارا دل پاپی ہو گیا ہے، اسی لئے ڈاکٹر اشتیاق صاحب نے کہا کہ دلوں کو دھونے کی ضرورت ہے۔

ہندوستان کی زمین تیار کیجئے

بھائیو! ہمارا پیغام یہی ہے کہ آدمی ہو، زمین تو چاہئے جس میں کچھ بویا جائے، زمین تو پیدا کرو جس پر بیج ڈالا جائے، بیج اگر سڑا گلا ہوگا تو کچھ نہیں نکلے گا، ہندستان کی زمین تیار کیجئے تاکہ اچھے بیج ڈالے جائیں، دلوں کی زمین تیار کیجئے، تاکہ اچھی تخم ریزی کی جائے، دماغوں کو تیار کیجئے تاکہ اچھی بات سن سکیں، آج ہمارے پرائمری اسکولوں سے لے کر کالج، یونیورسٹی کی سطح تک کہیں اخلاقی تعلیم نہیں دی جاتی، آدمی بنانے کی کوشش کیجئے، لوگ جانور بننا چاہتے ہیں، انسانیت سے اکتا

گئے ہیں، آدمیت سے بیزار ہیں، پھر وحشت وبربریت کے دور، غاروں کی زندگی کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں، آپ انھیں آدمی بنانے کی کوشش کیجئے، اس کی سب سے بڑی ذمہ داری ہمارے مسلمان بھائیوں پر ہے، بڑی ذمہ داری اس لئے کہتا ہوں کہ یہ بڑا دعویٰ رکھتے ہیں، یہ دعویٰ بے جا نہیں، اس لئے کہ یہ اسی لئے پیدا کئے گئے ہیں، ان کی زندگی کا مشن ہی یہی ہے، ان کو خدائی پولیس ہونا چاہئے، مظلوم کی مدد، کمزور کی دستگیری، مخلوق کی خدمت ان کا شعار ہونا چاہئے۔

اجین کے لوگوں پر خاص طور پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ انصاف اور احسان کی قدر کریں، یہاں ایسا موحول بنے جس میں ہر شخص کو پوری آزادی حاصل ہو اور اس کا حق ملے، اس کی صلاحیت کے مطابق وہ جہاں تک ترقی کرنا چاہے ترقی کر سکے، سارے ہندستان میں اس کی کوشش کرنی چاہیے، جانوروں کی طرح بے حس زندگی میں بھی کوئی مزہ ہے؟

بس یہی ہمارا پیام ہے، اس کو نجوشی، عبادت سمجھ کر، مذہب کا جوہر سمجھ کر، اس کی روح سمجھ کر کیا جائے ہمیں اس کی کوئی سیاسی ضرورت نہیں، یہ خالص روحانی، اخلاقی، انسانی، ربانی اور خدا پرستی کی مہم ہے، ہم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم سچے مذہبی مسلمان بنو، تم نمازیں پڑھو، ہم نے جو کچھ کہا یہ ہمیں نمازوں نے سکھایا، قرآن نے بتایا، ہم آپ سے بھی کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا بغور مطالعہ کرو، نمازیں جاندار بناؤ، آپس میں محبت واتحاد پیدا کرو، اس کے ساتھ ساتھ انصاف اور احسان سب کے ساتھ عام ہو، ایک شریف شہری، ایک خادم خلق کی حیثیت سے تمھیں دنیا میں رہنا اور نفع پہونچانا چاہئے، تمھارا فیض عام ہو، تم جس جگہ ہو وہاں رحمت کے فرشتے سمجھے جاؤ، اس جگہ کو چھوڑ کر جانا چاہو تو لوگ تمھیں جانے نہ دیں۔

دلوں میں جگہ پیدا کیجئے

اس ملک میں ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں انھوں نے جانا چاہا تو غیر مسلموں نے ان کی جدائی گوارا نہیں کی اور انھیں جانے نہیں دیا۔

پانی پت کے مولانا لقاء اللہ عثمانی بڑے فرشتہ خصلت، اللہ والے آدمی تھے، ۱۹۴۷ء میں سب لوگ چلے گئے وہ اپنی جگہ پر رہے، عرصہ بعد ایک مرتبہ گھبرا کر کہنے لگے کہ یہاں کوئی مسلمان نہیں، اگر مر جاؤں گا تو مسلمانوں کی طرح دفن کرنے والا کوئی نہ ملے گا، اب مجھے اپنے رشتہ داروں اور ہم مذہبوں میں پاکستان جانے دو، وہاں کے ہندو اور سکھ شرنارتھیوں نے جواب دیا کہ :۔

مولوی صاحب یاد رکھو، جانے نہیں پاؤ گے، اگر تم جاؤ گے تو جس تانگے پر بیٹھے ہو گے اس کے پہیوں کے سامنے ہم لیٹ جائیں گے، ہماری چھاتیوں پر سے گذر کر جا سکتے ہو۔

مگر ہم تمھیں چھوڑیں گے نہیں، یہیں جینا یہیں مرنا، ہم مسلمانوں کو کہیں سے لا کر بسا دیں گے، تمھارے آخری رسوم جو ہوتے ہیں وہ ادا کر دیئے جائیں گے، غرض وہ ٹھہر گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

اس طرح ہونا چاہیے، اس میں زندگی کا لطف ہے، محبت و اخلاق سے بڑھ کر کسی چیز میں لذت نہیں، جس نے محبت کرنا نہ سیکھا اسے زندگی میں کوئی مزہ نہیں آیا۔

میں نے اپنی بات کہہ دی، میرے بعد جو بھائی تقریر کریں گے وہ آپ کا دل خوش کر دیں گے اور آپ کی جھولی بھر دیں گے، اگر مجھ میں ہمت ہوتی اور صحت بہتر ہوتی تو میں بھی بیٹھتا اور فائدہ اٹھاتا لیکن کل بہت دیر میں سونا ہوا، بھوپال

میں بہت بڑا جلسہ تھا، جیسا کہ ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب نے کہا ہے جو میرے معالج بھی ہیں کہ مسلسل جاگنے اور سفر سے کہیں میں بیمار نہ پڑ جاؤں، جس سے آپ ہی کو زحمت پیش آئے گی، میں اجازت چاہتا ہوں اور کہتا ہوں کہ کوئی صاحب اپنی جگہ سے نہ اٹھیں، ہمارے بھائی پاریکھ صاحب آئیں گے اور وہ آپ کو بتائیں گے کہ زندگی گذارنے کا انسانی، ایمانی، روحانی اور اخلاقی طریقہ کیا ہے ؟

ہم نے جینے کا سلیقہ سیکھا ہی نہیں، اگر ہم جینے کا سلیقہ سیکھتے تو ہمیں دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آتے کہ چلو زندگی کا مزہ تو وہاں ہے جہاں خدا کا نام لینے والے اچھے انسان بستے ہیں۔

میں آپ کے اس عظیم مجمع کو دیکھ کر جو بازار اور سڑکوں پر اتنے اطمینان سے ہماری بات سن رہا ہے، بہت خوش ہوں، یہ بڑی صحت مند اور اچھی علامت ہے کہ ہمارے ملک میں خلوص، نیک نیتی اور کھلے دل سے بات سننے کا شوق ہے، خدا نخواستہ بار بار سیاسی تجربوں اور سیاسی لیڈروں کے وعدوں سے لوگ سب سے مایوس ہوگئے تو پھر خیر نہیں، یہ جان کر کہ یہ کوئی الیکشن کی بات نہیں کریں گے، کسی پارٹی کے ایجنٹ نہیں ہیں، آپ نے سکون وخاموشی، تہذیب وشائستگی کے ساتھ ہماری بات سنی، اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میں اجازت چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ زندگی میں کبھی آئندہ اجین کا سفر ہوا تو یہاں کا رنگ بہتر سے بہتر ہوگا۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں!

یہ تقریر اندور بار ایسوسی ایشن کے وکلاء کی خواہش واصرار اور دعوت پر دسمبر ۱۹۷۷ء میں عصر اور مغرب کے درمیان کی گئی بار ایسوسی ایشن کا ہال وکلاء اور جج صاحبان سے بھرا ہوا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں!

میری زندگی کا تاریخی دن

"میرے فاضل اور معزز دوستو! آج کا دن میری زندگی میں تاریخی دن ہے، اس لئے کہ میں اپنی زندگی میں دو مرتبہ کورٹ گیا ہوں، ایک مرتبہ تو ترجمان (INTERPRETER) کی حیثیت سے، بہت زمانہ ہوا ہمارے شہر لکھنؤ میں ایک صاحب ہمارے (COLLEAGUE) تھے، ان پر کسی ایسے بائی لاز (BYLAWS) میں جو میونسپلٹی کے ہوتے ہیں، کیس قائم ہو گیا، وہ عربی بولتے تھے، اور کوئی زبان نہیں جانتے تھے تو میں (TRANSLATOR) کی حیثیت سے کورٹ گیا تھا، لیکن اس دن مقدمہ نہیں ہوا اور خارج ہو گیا، اور میں پیش نہ ہو سکا، دوسری مرتبہ اپنی والدہ کی جائداد کی رجسٹری کے سلسلے میں کورٹ گیا تھا، اور آج کورٹ میں یہ تیسری حاضری میرے لئے (HISTORICAL) ہے، میں مدعی کی حیثیت سے نہیں آیا ہوں اس میں تو بڑی زحمت ہوتی ہے، میں آیا ہوں اچھے اہلِ دماغ اور معزز شہریوں کے چیدہ مجمع سے ملنے اور ان سے گفتگو کرنے۔

لیڈر شپ قانون داں طبقہ کے ہاتھ میں

آپ یہ جانتے ہیں کہ ہندوستان کی رہنمائی قانون داں طبقہ نے کی اور آج بھی ہندوستان کی لیڈر شپ قانون دانوں (LAWYERS) کے ہاتھ میں ہے، مہاتما گاندھی سے لے کر جواہر لال نہرو تک، سر علی امام، محمد علی جناح، سر تیج بہادر سپرد، سردار ولبھ بھائی پٹیل، بیر سٹر آصف علی، ہندوؤں اور مسلمانوں کے اکثر لیڈر قانون داں طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، ہندوستان کی جنگ آزادی اسی طبقہ نے لڑی، انگریزی جیسی قانونی اور (LEGAL) دماغ رکھنے والی قوم کا مقابلہ (LE-GAL) طریقے پر کرنا چاہے گا، اور ٹھیک کام کرتا ہے تو وہ بھی دستوری اور قانونی انداز میں کرتا ہے، اس نے اپنے بڑے بڑے محسنوں مثلاً لارڈ کلائیو وغیرہ پر جنھوں نے برٹش امپائر کا فاؤنڈیشن (FOUNDATION) رکھا تھا، مقدمہ چلایا، اور برٹش پارلیمنٹ میں برکلے کی تقریریں آپ کو یاد ہوں گی، ہندوستان میں ان کے خلاف لڑائی وہی لوگ کر سکتے تھے، جو قانون کے ماہر تھے، اور قانون کا جواب قانون سے دے سکتے تھے۔

موت وحیات کی جنگ

اس لئے آپ حضرات اس وقت بھی ملک میں بہت اہم رول (ROLE) ادا کر سکتے ہیں، اس وقت ہمارا ملک ایک خاص اسٹیج (STAGE) پر پہونچ گیا ہے، ایک بہت بڑے بحران (CRISIS) کو (FACE) کر رہا ہے، یہ (CRISIS) قانون کا نہیں بلکہ انسانیت (HUMANITY) کا ہے، یہ (MO-RAL CRISIS) اور (ETHICAL CRISIS) ہے، اس وقت ملک لڑائی کے ایک دوسرے میدان میں داخل ہو رہا ہے، یہ لڑائی زندگی اور موت کی لڑائی

کے ایک دوسرے میدان میں داخل ہو رہا ہے، یہ لڑائی زندگی اور موت کی لڑائی ہے، اس لڑائی میں آپ حضرات کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔

میں (HISTORY) کا طالب علم ہوں، میرا مطالعہ یہ کہتا ہے کہ تہذیب (CIVILIZATION) اور سوسائٹی پر دو دور آتے ہیں، ایک اس وقت جب سوسائٹی کا اعلیٰ دماغ، ذہین اور قابل طبقہ (INTELLIGENTSIA) اچھے رُخ پر چلتا ہے، (CONSTRUCTIVE) بن جاتا ہے، تو اس وقت تہذیب کی بہار آجاتی ہے، سوسائٹی اپنے نقطۂ عروج (CLIMAX) پر پہونچ جاتی ہے، پھر ایک دور وہ آتا ہے، جب یہ ذہانت (DESTRUCTIVE) بن جاتی ہے، وہ پروفیشنل (PROFWSSIONAL) بن جاتی ہے، اور اس کو اس سے بحث نہیں ہوتی کہ سوسائٹی ڈوبے گی، یا پار اترے گی، ہمارا سماج تباہ ہوگا یا پنپے گا، انھیں بس اپنی فیس سے مطلب ہوتا ہے، خوش قسمتی جب انسان اور انسانی سوسائٹی کو نصیب ہوتی ہے تو (GENIUS) لوگ (INTELLGENTSIA) جو ذہنی صلاحیت رکھتے ہیں اور عام سطح سے بلند ہوتے ہیں، وہ سوسائٹی کو بچانے کی فکر کرتے ہیں، وہ اپنی ساری ہوشیاری، سارا (TALENT)، سارا فن، سارا سائنس، اپنا پورا اسکیل، اپنا تمام (EXPERIMENT) اور جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے، سب کچھ داؤں پر لگا کر سوسائٹی کو تباہی سے بچاتے ہیں، اور اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ انکا انجام کیا ہوگا، پیسہ ملے گا یا نہیں ملے گا، ہمارا پیشہ کامیاب رہے گا، یا ناکام، وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ کسی طرح سماج بچ جائے، سوسائٹی ڈوبنے نہ پائے۔

سب ڈوب جائیں گے

اس وقت ہندوستان کو آپ کی ذہانت، آپ کی قانون دانی، آپ کی محنت،

آپ کی شرافت کی بے حد ضرورت ہے، یوں سمجھئے کہ ایک کشتی، ایک ناؤ طوفان میں پھنس گئی ہے، خوفناک لہریں منھ کھولے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہی ہیں، اس کشتی میں کچھ کمزور لوگ سوار ہیں، کشتی کو پار لگادے تو وہ بہت بڑا محسن ہوگا، آج ہمارا ملک، جس پر ہم کشتی کی طرح سوار ہیں، اس میں سوراخ کیا جارہا ہے، اگر یہ کشتی ڈوب گئی تو اچھے اور بُرے، پڑھے لکھے اور ان پڑھ، غریب اور مالدار چھوٹے اور بڑے، بچے اور جوان سب ڈوب جائیں گے، ہمارے پیغمبر ﷺ نے کشتی کی مثال دے کر یہ بات فرمائی ہے کہ اگر نیچے کے حصے کے لوگ اس میں سوراخ کریں تو اوپر کے لوگوں (UPPER CLASS) والوں کو تماشائی نہیں بننا چاہئے، اس لئے کہ کشتی ڈوبی تو وہ بھی نہیں بچیں گے۔

سوراخ ایک ہی طرح کا نہیں ہوتا، کوئی چھوٹا ہوتا ہے کوئی بڑا، کوئی خوبصورت ہوتا ہے، کوئی بدنما، کوئی پھاوڑا مار کر سوراخ کرتا ہے، کوئی سائنٹفک ذریعہ سے سوراخ کرتا ہے، ہماری سوسائٹی کرپٹ (CORRUPT) ہو رہی ہے، پوری سوسائٹی میں مختلف نشتر سے سوراخ کیا جارہا ہے۔

اب آپ انصاف کیجئے! میں انصاف کا نام اس ہائی کورٹ میں لیتا ہوں اور یہاں انصاف کی دہائی دیتا ہوں۔

آپ کے کامن سنس (COMMONSENSE) کو اپیل کرتا ہوں، بتائیے نیچے سوراخ ہوگیا تو کیا ہم بچیں گے؟ آج یہی ہو رہا، ہندوستان سے باہر بھی میں بارہا گیا ہوں، تمام دنیا میں یہی ہو رہا ہے، ۱۹-۲۰ کا فرق ہے کوئی ملک یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہماری سوسائٹی آئیڈیل (SOCIETY) سوسائٹی ہے، پوری انسانی سوسائٹی کرپٹ ہو رہی ہے، اس میں بغاوت ہے، بے چینی ہے-CON)

(FUSION ہے، (FRUSTRATION) ہے، سب پریشان ہیں، کوئی مطمئن نہیں، سکھی نہیں، اس وقت تمام دنیا کا اور تمام طبقوں کا یہی حال ہے، اوپر کے طبقہ والے یہ نہیں سوچتے کہ ہماری قسمت نیچے کے طبقہ والوں سے وابستہ ہے۔

آپ میدان میں نکل آئیں

انسان اور جانوروں میں فرق ہے، جانور روز مارے جاتے ہیں کوئی بغاوت نہیں ہوتی، لیکن ایک انسان مارا جائے تو کھلبلی مچ جاتی ہے، ایک آدمی کسی جرم میں گرفتار ہوتا ہے تو ساری سوسائٹی میں چرچا ہوتا ہے، ہماری فطرت مین، ہمارے (NATURE) میں ایک دوسرے کا احساس، ایک دوسرے سے تعلق کا جذبہ قدرت نے رکھا ہے، احساس کی یہ دولت اس لئے دی گئی ہے کہ ہم اس سے صحیح کام لیں، اپنے ملک کو اور پورے انسانی سماج کو تباہی سے بچائیں، ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آئیں۔

آپ حضرات اس بات کی سب سے زیادہ اہلیت رکھتے ہیں، قابلیت رکھتے ہیں، ملک کی ناؤ جو منجدھار میں گھر کر ڈانواں ڈول ہو رہی ہے، اس کو بچانے کے لئے اپنا کچھ وقت لگائیں، پیشے کا حرج کریں، اپنے پیسے کو خرچ کریں، اپنی خدمات کو پیش کریں۔

آپ میدان میں نکل آئیں، ملک کے کونے کونے میں پہونچیں، اور کہیں کہ یہ بد اخلاقی، انسان دشمنی، کمزور کشی، بددیانتی، ملک دشمنی نہیں ہونا چاہئے، میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنی ذہانت اور صلاحیت کا رخ کچھ اس طرف بھی پھیریں۔

جنگ آزادی میں وکیل صاحبان جس طرح صفِ اول میں تھے، آج بھی

ملک کو بنانے اور سنوارنے اور اس کی بے لوث خدمت کرنے کے لئے انھیں آگے بڑھنا چاہئے،

آپ کا پیشہ ایک معزز پیشہ کہلاتا ہے، مجھے معلوم ہے کہ پہلے زمانہ میں اگر کسی شہر میں کوئی اچھا بیرسٹر، ایڈوکیٹ آتا تھا تو سارے شہر میں اس کی عزت ہوتی تھی، اس لئے کہ انھوں نے اپنی قابلیت اور خدمت کا سکہ ملک میں جما دیا تھا۔

میں اپنی عزت افزائی سمجھتا ہوں کہ آج آپ کے طبقہ سے، سوسائٹی کے دماغ سے مجھے کچھ عرض کرنے کا موقع مل رہا ہے، میں آپ سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ انسانیت کے احترام، آدمی کی عزت کے پرچار کے لئے میدان میں آئیں۔

ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں

خدا کے نزدیک انسان بڑا پیارا ہے، آدمی کا آدمی ہونا یہ سب سے بڑی کوالیفکشن ہے، اس کے علاوہ اسے اور کسی کوالیفکشن کی ضرورت نہیں، آدمی جس وقت ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا اسی وقت اس کے سر پر دنیا کی سلطنت کے ولی عہدی کا تاج رکھدیا گیا، ہم انسان کو ہر چیز پر ترجیح دیں، ہم ایک دوسرے کی قدر کریں، ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں، ایک دوسرے کے لٹریچر، کلچر، سسٹم، سویلائزیشن، ریلیجن کو ایمانداری کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں۔

ہزار برس سے ہندو مسلم بھائی اس دیش میں رہتے ہیں، پڑوسی ہیں، دیوار سے دیوار ملی ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ایک دوسرے کی ابتدائی باتیں، بنیادی چیزیں بھی نہیں جانتے۔

اس کی ایک مثال دیتا ہوں، ایک مرتبہ میں ٹرین میں چند ساتھیوں کے ساتھ سفر کر رہا تھا، نماز کا وقت ہوا، ہم نے جماعت سے نماز پڑھی، جب ہم نماز میں

رکوع اور سجدے میں جاتے ہیں تو اللہ اکبر کہتے ہیں، ہمارے ساتھ سفر کرنے والے ایک ہندو بھائی نے جو پڑھے لکھے آفیسر تھے، نماز کے بعد پوچھا۔

"مولوی صاحب! آپ جب نماز پڑھتے تھے تو کیا اکبر بادشاہ کو یاد کرتے تھے، ؟

ملک میں ہر جگہ مسجدیں ہیں، ہر وقت اذان، نماز میں اللہ اکبر کی آواز آتی ہو گی، لیکن انھوں نے کبھی خیال نہیں کیا کہ پوچھیں اللہ اکبر کا مطلب کیا ؟ اسے کیوں بولا جاتا ہے ؟ اسی طرح ہمارے ہندو بھائیوں کی بہت سی ایسی باتیں ہوں گی، جن کی جانکاری ہمیں ہونی چاہئے، بغیر کسی اہانت کے یہ معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

ہمارے اس سفر میں اس میٹنگ کی بڑی اہمیت ہے کہ ہمیں موقع ملا کہ اپنے خیالات واحساسات (FEELING) آپ جیسے پڑھے لکھے لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں، خدا کرے کہ اور شہروں میں بھی ایسے مواقع بار بار ہوں، جس سے ہم ایک دوسرے کو سمجھیں، ہمدردی، محبت، تعلق پیدا ہو، ملنے جلنے سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں، اس میں بڑے فائدے ہیں، ہمارے درمیان سوشل تعلقات ہونے چاہئیں، مجھے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کیا سوچتے ہیں، آپ کا مذہب کیا کہتا ہے، آپ بھی میرے کے بارے میں جانیں، میرے مذہب کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔

یہ حیرت کی بات ہے کہ غیر ممالک میں ہم ہندوستانی بڑی محبت سے ملتے ہیں، لیکن اپنے وطن میں نہیں ملتے۔

میں جب امریکہ میں تھا، اور میری آنکھ کا آپریشن ہوا تھا، تو اس ہاسپٹل کے ایک ہندو ڈاکٹر میرا ہندوستانی نام دیکھ کر ملنے آئے اور روزانہ بڑی محبت سے ملتے

رہے، یہ صرف وطن کا رشتہ تھا، جو پردیس میں محبت کی سوغات بن گیا، یہ بات وطن میں تو اور زیادہ ہونی چاہئے، یہ بہت نامناسب بات ہے کہ آدمی دوسرے آدمی سے ڈرے یا اسے شک کی نگاہ سے دیکھے۔

اس کام میں آپ حضرات کی کوشش کی بڑی ضرورت ہے، آپ جو وقت کورٹ میں دیتے ہیں، اپنے موکلوں کو دیتے ہیں، اس میں سے تھوڑا سا وقت غلط فہمیوں کو دور کرنے اور (GOODWIL) کی فضا پیدا کرنے، انسانیت کا احترام دلوں میں بٹھانے کے لئے صرف کریں، انسان انسان ہے، چاہے وہ کسی بھی مذہب وملت کا ہو، وہ ہمارا بھائی ہے، اس سے ہمیں محبت کرنی چاہئے، اس سے ساری مصیبت، سارے دکھ درد ختم ہو جائیں گے۔

ہم شکر گذار ہیں کہ آپ نے ہمیں بلا کر اعتماد کا اظہار کیا، محبت کا مظاہرہ کیا، اور مل کر بیٹھنے کا موقع دیا۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

وادی کشمیر میں توحید خالص کا پہلا پیغام اور اس کے علمبردار

کشمیر میں اسلام تلوار سے نہیں، روحانیت سے پھیلا

یہ تقریر یکم محرم الحرام ۱۴۰۲ھ (۳۰ر اکتوبر ۱۹۸۱ء کو بروز جمعہ مسجد سری نگر میں نماز جمعہ سے پیشتر ایک مجمع عظیم کے سامنے ہوئی، جس میں ہزاروں کی تعداد میں سری نگر اور اطراف کے مسلمان شریک تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وادی کشمیر میں توحید خالص کا پہلا پیغام اور اس کے علمبردار

کشمیر میں اسلام تلوار سے نہیں، روحانیت سے پھیلا

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلاهادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيد نا ومولانا محمدا عبده ورسوله ،صلى الله عليه وعلىٰ اله وأصحابه أجمعين ،ومن تبعهم باحسان ودعابدعوتهم إلى يوم الدين.

اعوذ بالله من الشيطان الرجيم .

مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَن يُؤتِيَهُ اللّٰهُ الكتٰبَ والحُكمُ والنبوةُ ثُم يَقُولُ لِلنَّاسِ كُونوا عِبَادًا لِى مِن دُونِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُونُوارَبّانِيين بِمَا كُنْتُمُ تُعلمونَ الكتٰب وَبِمَا كُنتُمُ تَدرُسُونَ وَلَايَامُركُم اَن تَتَخِذُوالمَلٰكة والنبين اَرْبابًاايَامُرُكُم بِالكفر بَعْد اِذانتمُ مُسْلِمُوْن (ال عمران . ۷۹ . ۸۰۔ کسی انسان کو یہ بات سزاوار نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب ، حکمت، اور نبوت سے سر فراز فرمائے، اور اس کا شیوہ بن جائے کہ لوگوں سے کہتا پھرے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ

تو یہی کہے گا کہ اللہ والے بن جاؤ، یہ اس لئے اور بھی کہ تم کتاب آسمانی کے پڑھانے پڑھنے میں مشغول رہتے ہو، نہ وہ تم کو اس کا حکم دے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو اپنا پروردگار بنالو، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ تمھیں کفر کا حکم دے بعد اس کے کہ تم اسلام (دین توحید خالص) میں داخل ہو چکے ہو؟

بھائیو اور دوستو! جیسا کہ ابھی محترم میر واعظ مولانا محمد فاروق صاحب نے فرمایا کہ میں یہاں ۳۶ سال کے بعد آیا ہوں، عمر و صحت کا قافلہ جس رفتار سے جارہا ہے، اس لحاظ سے مستقبل کے متعلق تیقن سے کچھ نہیں کہا جاسکتا، سب ارادۂ الٰہی پر موقوف ہے، میں جب ۳۶ سال قبل یہاں آیا تھا، تو اس وقت میر واعظ حضرت مولانا یوسف شاہ صاحبؒ بقیدِ حیات تھے، میں ان کا مہمان تھا، ان سے میر التعارف ہندوستان میں نئی دہلی میں نظام الدین کے تبلیغی اور ندوۃ العلماء کے تعلیمی مرکز میں ہوا تھا، جب میں نے یہاں قدم رکھا تو بے اختیار وہ دور یاد آگیا، وہ منظر یاد آیا جب وہ اسی منبر جامع مسجد سے قرآن وحدیث کے ارشادات کے موتی بکھیرتے تھے، آج ان کی صورت (تخیل کی آنکھوں کے) سامنے ہے، میں اس بار جب آیا ہوں تو وہ اپنے مالک وخالق کے پاس پہونچ چکے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، اور ہمارے موجودہ میر واعظ مولانا محمد فاروق صاحب کی زندگی اور علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے، آمین

میرے بھائیو! جو مسافر اتنے دنوں کے بعد آیا ہو، اور اسے آئندہ آنے کی یقینی وقطعی طور پر امید بھی نہ ہو، اس کو آپ کی خدمت میں کیا تحفہ پیش کرنا چاہئے؟ ایسے موقعہ پر آدمی اپنا دل اور کلیجہ نکال کر رکھ دیتا ہے، اس لئے چاہتا ہوں کہ فقیر کے پاس جو قیمتی سے قیمتی تحفہ ہے، وہ آپ کے سامنے رکھدے، اور وہ فقیر کی ملکیت

نہیں، اس کے گھر کی چیز نہیں، وہ اسے اللہ کی طرف سے کلام الٰہی کے ذریعہ ملی ہے، یہ دولت سب کو وہیں سے ملی ہے، اور جس کو ملے گی، قیامت تک وہیں سے ملے گی، ہدایت کا سرچشمہ اور منبع ایک ہی ہے، اس لئے میں آپ کے سامنے سب سے ضروری پیام، اور سب سے ضروری سبق دہرانا چاہتا ہوں۔

ابھی میر واعظ صاحب نے چند مبارک نام لئے، ان میں ایک مبارک نام حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کا ہے ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

میرا ان کے سلسلہ سے اور ان کی ذات سے ایک طرح کا خاندانی تعلق بھی ہے، وہ اس طرح کہ وہ اور میرے جدِ امجد امیر کبیر سید قطب الدین محمد مدنیؒ ایک ہی سلسلہ کے تھے، اور مجھے ان سے ایک قلبی ربط محسوس ہوتا ہے، میں آپ سے پوچھتا ہوں حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کو ختلان سے کونسی چیز کھینچ کر یہاں لائی، کیا اس حسین وادی کا حسن کھینچ کر لایا؟ کیا سلسلۂ ہمالیہ کی چوٹیوں کی بلندی، اور وادیوں کی شادابی کھینچ کر لائی؟ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ جس خطہ سے آئے تھے، وہ بھی حسین خطہ تھا، پھلوں اور پھولوں سے بھرا ہوا تھا، پھر کیا چیز ہے، جو ان کو یہاں لائی؟ آپ ہر وقت ان کا نام لیتے ہیں، اللہ کا شکر ہے، آج صدیاں گذرنے کے بعد بھی آپ کا ان سے تعلق قائم ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کی کوششوں اور اخلاص وروحانیت کی برکت سے ابھی یہاں اسلام محفوظ ہے۔

میں آپ کو بتاؤں کہ وہ کون سی چیز تھی، جو ان کو کھینچ کر لائی؟ وہ ایک غیرت تھی، جس کو اپنے محبوب سے زیادہ محبت ہوتی ہے، اس کی ذات وصفات کی

زیادہ معرفت ہوتی ہے، اور اس کے محسنان و کمالات پر زیادہ یقین ہوتا ہے، اس میں اتنی ہی اپنے محبوب کے بارے میں غیرت ہوتی ہے، ایک ناواقف آدمی لعل و جواہر کو اینٹ پتھر کی طرح ڈال دیتا ہے، قیمتی ہیرے کو ناواقفی سے توڑ دیتا ہے، لیکن جوہری کو دیکھئے کہ وہ اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے، اور اس کی کس طرح حفاظت کرتا ہے، ایسے ہی باغبان کو دیکھئے وہ کس طرح ایک ایک پھول پر قربان ہوتا ہے، اور اس کو پسند نہیں کرتا کہ اس پر کوئی شکن آئے، بلبل سے پوچھے گل کے متعلق، پروانوں سے پوچھئے شمع کے متعلق، عاشق سے پوچھئے معشوق کے متعلق، اور خدا کے پیغمبروں، اور اس کے عارفوں سے پوچھئے توحید کے متعلق۔

آنحضرت ﷺ توحید کے سب سے بڑے امین، اور اس کے سب سے بڑے مبلغ و داعی، اور اس کے عارف و حقیقت شناس تھے، صدیوں سے انہی کی لائی ہوئی دولت ہے، جو اب تک بٹ رہی ہے، اور قیامت تک بٹتی رہے گی، ہمارے اور آپ کے دامن میں بھی خدا کے فضل سے وہی دولت موجود ہے، آنحضرت (روحی فداہ) سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے، سب سے زیادہ اللہ کو پہچاننے والے سب سے زیادہ اللہ چاہنے والے، سب سے زیادہ اللہ پر قربان ہونے والے تھے، اس لئے آپ کی غیرت کا بھی یہ حال تھا کہ ایک شخص نے صرف یہ کہدیا کہ :۔ **من يطع الله ورسوله فقد رشد ومن يعصهما فقد غوى.** جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ ہدایت پائیگا، اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرے گا وہ گمراہ ہوگا۔

آپ اس کو برداشت نہیں کر سکے، اور آپ سے سنا نہ گیا، فرمایا "**بئس الخطيب انت قل ومن يعص الله ورسوله**" (تمھیں بات کرنے کا سلیقہ

نہیں (الگ الگ) یوں کہو کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، وہ گمراہ ہوگا ایسے ہی ایک شخص نے کہا "ماشاء الله وشئت" (اگر اللہ اور آپ چاہیں تو یہ کام ہو جائے) آپ نے فرمایا "جعلتني والله عدلا، بل ماشاء الله وحده" (تم نے مجھے خدا کا ہمسر بنادیا؟) نہیں "ماشاء الله وحده" (جو تنہا خدا چاہے)

یہ ہے غیرت کا عالم، ایک عاشق صادق کو جتنی محبت ہوتی ہے، اتنی ہی غیرت ہوتی ہے، غیرت تابع ہے محبت کے، غیرت تابع ہے علم کے، غیرت تابع ہے خلوص کے، اگرچہ سوء ادبی ہے، لیکن اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی، دیکھئے میاں بیوی کا تعلق کیسا نازک ہوتا ہے، کتنا قریبی، کتنا دائمی اور کتنا مخلصانہ ہوتا ہے، تو شوہر کی غیرت بیوی کے بارے میں، اور بیوی کی غیرت شوہر کے بارے میں کتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے، شوہر یہ برداشت نہیں کر سکتا (اگر وہ شریف ہے، مرد ہے، اور صحیح معنی میں غیرت دار ہے) کہ اس کی بیوی پر غیر کا سایہ پڑے، کسی سے تھوڑا سا بھی علاقہ ہو، کسی کی طرف اس کا میلان ظاہر ہو جائے، چونکہ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی قدس سرہ عارف باللہ تھے، ولی کامل تھے، عاشق خدا تھے، عاشق رسول تھے، خدا شناس، دین کے مزاج آشنا اور نباض تھے، اس لئے آپ کو دین کے بارے میں غیرت بھی ایسی تھی کہ لاکھوں کروڑوں آدمیوں میں ایسی نہیں ہوتی، انھوں نے سنا کہ کشمیر ایک طویل وعریض وادی ہے، وہاں کے لوگ خدا سے ناآشنا ہیں وہاں خدا کی ذات کے سوا، خالق کائنات کے سوا، وحدہ لاشریک کے سوا بہت سی چیزیں پوجی جا رہی ہیں، اصنام کی پرستش ہوتی ہے، کچھ چیزیں زمین کے اندر ہیں، کچھ زمین کے اوپر ہیں، کچھ کھڑی ہیں، کچھ لیٹی ہیں، لوگوں نے جس میں ذرا سی طاقت دیکھی، نفع ونقصان پہونچانے کی صلاحیت دیکھی، کوئی خصوصی امتیاز دیکھا،

ذراسا حسن وجمال دیکھا، اسی کے سامنے جھک گئے، میرا خیال ہے کہ اگر وہ یہاں نہ آتے تو شاید خدا اور اس کا رسول ان کا دامنگیر نہ ہوتا، اس لئے کہ وہ جہاں رہتے تھے، وہاں سے لے کر اس وادیِ کشمیر تک بڑے بڑے دین کے روحانی مراکز تھے، ہمالیہ کے دامن میں پورا ہندوستان پڑا ہوا تھا، جہاں ہزاروں عالم، سیکڑوں مدرسے اور خانقاہیں تھیں، لیکن عالی ہمت یہ نہیں دیکھتے کہ تنہا ہم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ وہ اس فریضہ کو اپنا ذاتی فریضہ سمجھ لیتے ہیں، ہزار کوئی ان کو روکے، ان کے راستہ پر ہزار کوئی رکاوٹیں کھڑی کر دے، پہاڑ ان کے راستہ میں حائل ہوں، دریا سدِ راہ ہوں، وہ کسی کی بھی پروا نہیں کرتے، گویا کوئی آسمانی آواز تھی، جو انھوں نے سنی کہ سید! کشمیر جاؤ، اور وہاں توحید پھیلاؤ۔

سید علی ہمدانی نے صاف محسوس کیا کہ میں عند اللہ جواب دہ ہوں، میدان حشر سامنے ہے، عرش خداوندی موجود ہے، اس کے سایۂ رحمت میں انبیاء اولیاء کھڑے ہیں، اور وہاں سے سوال ہوتا ہے کہ سید علی! تم کو علم تھا کہ میری پیدا کی ہوئی زمین کے ایک خطہ میں غیر اللہ کی پرستش ہو رہی ہے، غیر اللہ کے سامنے دست سوال دراز کئے جا رہے ہیں، دامن مراد پھیلائے جا رہے ہیں، تم نے اس کو کیسے برداشت کیا؟ میر سید علی ہمدانی کے سامنے تو یہ منظر تھا، اگر ساری دنیا کے علماء وحکماء جمع ہو کر سمجھاتے کہ حضرت! آپ سے سوال نہیں ہوگا، لیکن وہ کہتے کہ نہیں مجھ ہی سے یہ سوال ہوگا، میری غیرت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ اللہ کی لمبی چوڑی زمین کے ایک چھوٹے سے خطہ میں بھی غیر اللہ کی پرستش ہو، غیر اللہ سے خوف ورجا کا معاملہ ہو، انسانوں کو (خواہ زندہ ہوں، خواہ مردہ) قسمت کا بنانے اور بگاڑنے والا سمجھا جاتا ہو، اولاد اور رزق دینے والا باور کیا جاتا ہو، ان کو ہر وقت اور ہر

جگہ حاضر وناظر جانتے ہوں، اگر مجھے معلوم ہو گیا کہ قطب شمالی میں یا قطب جنوبی میں، یا ہمالہ کی بلند و سبز چوٹی پر ایک متنفس بھی ایسا ہے، جو غیر اللہ کی پرستش کر رہا ہے غیر اللہ کو نافع وضار سمجھتا ہے، غیر اللہ کو اس کائنات پر حکومت کرنے والا سمجھتا ہے تو میرا فرض ہے کہ میں وہاں پہونچوں، اور اللہ کا پیغام پہونچاؤں۔

یاد رکھو اللہ فرماتا ہے :۔الا له الخلق والامر (الاعراف. ٥٤)اسی کا کام ہے، پیدا کرنا، اور اسی کا کام ہے حکم چلانا۔

ایسا نہیں کہ پیدا تو اس نے کیا مگر حکم کسی اور کا چل رہا ہے، اس نے اپنی سلطنت کسی اور کے حوالہ کر رکھی ہے، کہ ہم نے پیدا کر دیا، تم حکومت کرو، خالق بھی وہی ہے، حاکم اور منتظم (ایڈمنسٹریٹر) بھی وہی ہے، ایسا نہیں ہے کہ جیسے تاج محل کو شاہ جہاں بادشاہ نے بنوایا، ترکستان وغیرہ سے معمار بلائے، صناعوں نے کاریگری دکھائی، وہ آئے اور چلے گئے، اب تاج محل پر جس کا جی چاہے راج کرے، حکومت کرے، تخت بچھائے، توڑے، بنائے۔

یہ دنیا تاج محل نہیں ہے، یہ دنیا قطب مینار نہیں ہے، یہ دنیا کوئی آثار قدیمہ کا عجائب خانہ نہیں ہے، یہ خدا کی پیدا کی ہوئی دنیا ہے، سارا نظام اس کی مٹھی میں ہے، اس کے دست قدرت میں ہے، ایک چھوٹا سا کارخانہ بھی یہاں کا اس نے دوسروں کے حوالہ نہیں کیا ہے، "وسع کرسیه السموت والارض"(اس کی بادشاہی (اور علم) آسمان وزمین سب پر حاوی ہے)اس کا تخت سلطنت پوری کائنات پر حاوی ہے، اس پورے کرۂ ارض پر حاوی ہے، یہ (زمین کا) ایک سیارہ کیا ہے ؟ سارے سیارے، ساری کہکشاں، سارا نظام شمسی، سارا نظام فلکی، یہ سب کے سب اسی کے قبضہ میں ہے۔

حضرت سید علی ہمدانیؒ کو جو چیز کھینچ کر یہاں لائی، وہ غیرت توحید تھی، یہ بھی آپ یاد رکھئے کہ سید علی ہمدانی نے اس سرزمین کو بزور شمشیر فتح نہیں کیا، محبت سے فتح کیا ہے، روحانیت سے فتح کیا ہے، خلوص سے فتح کیا ہے، درد سے فتح کیا ہے، میں نے عربوں کے ایک جلسہ میں بھی یہ بات کہی، میں نے کہا کہ کوئی اندازہ کر سکتا ہے، اس شخص کی روحانیت کا، اس شخص کی تاثیر کا؟ جس نے تین دورے کئے، اور پورے کے پورے خطہ کو مسلمان بنالیا، مؤرخوں نے کہا ہے کہ انھوں نے تین دورے کئے، ایک دورہ اجمالی کیا، دوسرا قدرے تفصیلی، اور تیسرے دورہ میں گھر گھر گئے اور اللہ کا پیغام پہونچایا، خدا کا ایک بندہ چند ساتھیوں کے ساتھ آتا ہے، اور پورا کا پورا خِطہ مسلمان ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالی کے فضل سے آج بھی وہ مسلمان ہے، آج بھی دلوں میں ایمانی حرارت موجود ہے، اور دنیا کی کوئی طاقت اس توحید کی امانت کو ان سے چھین نہیں سکتی، اور وہ رشتہ توڑ نہیں سکتی، جو عبد اور معبود کے درمیان ہے۔

میرے بھائیو! یاد رکھو اگر اس خِطہ میں کہیں بھی غیر اللہ کی پرستش ہوتی ہے، ان سے حاجت روائی کا سوال کیا جاتا ہے، کوئی مشرکانہ فعل ہوتا ہے، تو میر سید علی ہمدانی کی روح کو قبر مبارک میں اذیت ہوتی ہے۔

اس غیرت کا ایک نمونہ یہ ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ کا وقت آخر قریب آیا تو آپ نے خاندان کے سب افراد، بیٹیوں، پوتوں، نواسوں کو جمع کیا، اور کہا کہ عزیزو! میرے جگر گوشو! میری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی جب تک تم مجھے یہ اطمینان نہ دلادو کہ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد کس کی عبادت اور پرستش کروگے؟ ان لوگوں نے خم ٹھونک کر کے کہا کہ آپ اندیشہ نہ فرمائیں، ہم آپ ہی

کے معبود برحق، اورآپ کے باپ دادا، ابراہیمؑ واسماعیلؑ واسحاقؑ کے معبود وحدہ لاشریك کی عبادت کریں گے۔

قَالُوا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرہ۔ ۱۳۳) انھوں نے کہا کہ آپ کے معبود اورآپ کے باپ دادا، ابراہم واسمٰعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے، جو معبود یکتا ہے، اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔

ابا جان، دادا جان، نانا جان! آپ کیوں ہم سے یہ سوال کررہے ہیں، آپ کو کس بات کا کھٹکا ہے؟ آپ اطمینان رکھئے، آپ نے بچپن سے ہماری جس طرح تربیت فرمائی ہے، اور دل کی نرم سرزمین میں توحید کا پاک بیج بویا ہے، اس سے ہم ہٹ نہیں سکتے، ہم آپ کے معبود برحق خدائے واحد ہی کی پرستش کریں گے، جس کی ابراہیم واسماعیل واسحاق پرستش کرتے تھے، اس وقت ان کو اطمینان ہوا، اور دنیا سے خوش خوش رخصت ہوئے، یہ اولیائے عظام، داعیان اسلام، بزرگان کرام، ان ہی پیغمبروں کے وارث اور جانشین ہیں، یعقوبؑ کو کھٹکا اسی بات کا تھا کہ میری اولاد شرک کے جنجال میں اسی طرح نہ پھنس جائے، جیسے ہزاروں خاندان اور سیکڑوں قومیں (اپنے بانیوں اور داعیوں کے بعد) پھنس گئیں۔

میرے بھائیو! جو کچھ عرض کیا گیا ہے گوش دل سے سنئے اور عمل کیجئے، اس وادی کے لیے میر سید علی ہمدانیؒ اور ان کے رفقاء جو تحفہ اور پیغام لے کر آئے تھے، وہ اصلا توحید کی دولت تھی، اس کو سینے سے لگائے رکھئے، اللہ تعالیٰ ہی کو اس دنیا کا مالک، افراد اور قوموں کے عروج وزوال کا مالک، دنیا کے سیاہ وسپید کا مالک سمجھئے، اسی کے آستانہ پر سر جھکایئے، یہی پیغام ہے، جو خدا کا ہر پیغمبر لے کر آیا، خدا

کے ولیوں نے دنیا کو سنایا، اور مصلحین ومجددین نے ہر دور کے لوگوں تک پہونچایا، فتح وکامیابی کی شرط یہی ہے، عزت وطاقت کی شرط یہی ہے، اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں، اسی سے دل لگائیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إنَّ الذينَ اتَّخَذُو ا العِجلَ سَينالُهُم غَضَبٌ مِنْ رَبِهم وَذلةٌ فِى الحَيٰوةِ الدنُيَاوَكَذٰلكَ نَجزِى المُفتَرِيْن(الاعراف. ۵۲) جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنالیا تھا ان پر پروردگار کا غضب واقع ہوگا، اور دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب ہوگی) اور ہم افترا پردازوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

ممکن ہے لوگ یہ کہتے کہ ہم نے گوسالہ پرستی کب کی؟ اس سے ہزار بار توبہ، ایسی احمقانہ اور شنیع حرکت ہم کب کر سکتے تھے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی اس آخری کتاب میں اس کا جواب دیا، اور یہ کہہ کر کہ ہم اسی طرح بہتان باندھنے والوں کو سزا دیتے ہیں، تمام مشرکانہ عقائد واعمال کو شامل فرمالیا کہ شرک کی بنیاد ہمیشہ من گھڑت قصے کہانیوں اور بے اصل وبے تحقیق باتوں پر ہوتی ہے، اور وہ دونوں توام (جڑواں بچوں کی طرح) ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ شرک کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔فاجتنبواالرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور(الحج ۳۰) بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔ شرک کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صاف صاف "افترائے عظیم" کا لقب دیا ہے، فرماتا ہے: ومن یشرك بالله فقد افتریٰ اثما عظیما(النساء. ۴۸) اور جس نے خدا کا شریک مقرر کیا اس نے بڑا بہتان باندھا۔

میں آپ کو اس وقت اس منبر سے خطاب کررہا ہوں، جو منبر رسولؐ کا جانشین ہے، مسجد نبوی کے منبر کی نشانی ہے، اس کا پایہ بہت بلند ہے، اس پر بیٹھ کر

کہہ رہاہوں کہ آپ کے سارے مسائل حل ہیں،آپ کی ساری مشکلات کہر کی طرح چھنٹ جائیں گی ، اور سب مصائب کافور ہو جائیں گے ،اگر آپ نے توحید کادامن مضبوط پکڑ لیا،اور جب تک اس سر زمین میں توحید خالص نہیں آتی،اور ہر قسم کے مشرکانہ خیالات وتوہمات دور نہیں ہوتے،مجھے اس میں بڑاتردداور شبہ ہے کہ ہزار تدبیر وں سے بھی مسائل حل ہوں،اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہو تو کوئی تدبیر کارگر نہیں،اور مدد ہو تو پھر کسی کا کھٹکا نہیں :۔ان ینصرکم الله فلاغالب لكم وان یخذلکم فمن ذاالذی ینصرکم من بعده وعلى الله فليتوكل المؤمنون اگر خدا تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا،اور اگر وہ تمہیں چھوڑدے ، تو پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو چاہئے کہ خدا ہی پر بھروسہ رکھیں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

اسلام اللہ کے حکم کا نام ہے

یہ تقریر دسمبر ۱۹۷۷ء میں اندور کے محلہ "رانی پورہ" کے ایک عظیم الشان جلسہ میں کی گئی، مجمع ہزاروں کی تعداد میں تھا، ہر چہار طرف سکون اور خاموشی کی چادر تنی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اللہ کے حکم کا نام ہے

قرآن مجید کا اعجاز

”دستو! اور بھائیو! آپ کے اس محبت و خلوص اور اس بڑے مجمع کو دیکھ کر پتھر دل بھی موم ہو جائے اور اس کا بھی جی چاہے کہ اس کے پاس جو بڑی سے بڑی پونجی اور سوغات ہے وہ پیش کر دے، سچی بات تو یہ ہے کہ ایسے سچے طالب اور اللہ کے مخلص بندے کہیں جمع ہو جائیں تو ان کا بڑا حق ہے لیکن میرے پاس دینے کے لئے کیا ہے؟ ہم سب فقیر ہیں، جھولی پھیلائے ہوئے ہیں، ہاں! قرآن مجید نے ہماری جھولی میں کچھ خیرات ڈال دی ہے۔

ہم اگر غنی ہیں تو اسی قرآن مجید کے خزانۂ عامرہ سے، قرآن مجید کے مطالعہ سے کچھ موتی ہاتھ لگ جائیں تو ہم آپ کو پیش کریں، یہ انسانیت اور آدمؑ کے پورے کنبے کو دینے کے لئے کافی ہے۔

بڑے بڑے فرمانرواؤں، سرمایہ داروں اور دولت مندوں کو دینے کے لئے اگر کوئی چیز ہے، اور جو اضافہ کر سکتی ہے، دنیا بدل سکتی ہے، قسمت چمکا سکتی ہے، وہ قرآن مجید کی بھیک ہے۔

قرآن مجید تحت الثریٰ سے اٹھا کر افلاک وثریا پر پہونچا سکتا ہے، اور جو لوگ اس پر عمل نہیں کرتے ہیں، ان کو منھ کے بل گرا دیتا ہے، یہی قرآن مجید جس نے عرب کے خانہ بدوشوں، صحرا نشینوں کو جن کے پاس پیٹ بھر کھانے کو تھا نہ تن ڈھانکنے کو تھا، کہاں سے کہاں پہونچادیا، جو ساربان تھے ان کو جہانبان بنادیا ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

یہی قرآن مجید ہے جس نے عرب کے بدوؤں کو، خانہ بدوشوں کو جن پر دنیا کو توجہ بھی نہ ہوتی تھی۔

"جہاں بان وجہاں دار وجہاں آرا"

بنادیا، انھوں نے قیصر وکسریٰ کے تاج کو پاؤں سے روندا اور ان کے تختِ سلطنت پر ایسے بے تکلف بیٹھے جیسے بوریئے پر بیٹھتے ہیں ؎

در شبستان حرا خلوت گزید قوم وآئین وحکومت آفرید
ماند شبہا چشم او محروم نوم تابہ تختِ خسروی خوبیدہ قوم

غارِ حرا میں ایک کملی پوش نے چند راتیں گذاریں، ایک قوم پیدا کر دی، ایک آئین دیا، ایک حکومت بنادی، اس کی آنکھیں چند راتیں نیند سے محروم رہیں، لیکن اس کی قوم تخت خسروی پر سونے کے قابل ہو گئی، اس نبی امیؐ کے غلام قیصر وکسریٰ کے تخت پر قابض ہو گئے۔

قرآن مجید مٹی کو اکسیر بناتا ہے، اور جو اس کی ناقدری کرتا ہے، وہ اکسیر ہوتا ہے تو اس کو مٹی میں تبدیل کر دیتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا بے لاگ قانون ہے، یہ دودھاری تلوار ہے، اگر اس کا استعمال صحیح نہیں ہوا، ناقدری کی گئی تو قوموں کا کام

تمام کر سکتی ہے، اللہ کا قانون بے لاگ ہوتا ہے اور ہر غیور قانون کسی حد تک بے لاگ ہوتا ہے، ہر باعزت شخص کے بات کی لاج ہوتی ہے، احترام ہوتا ہے، حکومتوں کا قانون جب نافذ ہو جاتا ہے تو اس کا احترام لازمی ہو جاتا ہے۔

اللہ کے دو قانون

اللہ تعالیٰ کے دو قانون ہیں، پہلا قانون جس سے ہمیں دن رات واسطہ پڑتا ہے، وہ اس کا طبعی اور تکوینی قانون ہے، اس نے دنیا میں جو چیزیں پیدا کی ہیں، ان میں کچھ خاصیت رکھی ہے۔

جس کے سپرد جو خدمت کر دی، وہ اس سے ذرا بھی سر تابی نہیں کرتا، پہاڑ کو حکم دیا کہ کھڑے رہو، دریاؤں کو حکم دیا کہ بہتے رہو، ہوا کو حکم دیا کہ چلتی رہے، سورج و چاند کو حکم دیا کہ روشن رہیں، آگ کو حکم دیا کہ جلائے، جب تک ہم حکم نہ دیں کہ "یا نار کونی، بردا وسلاما علیٰ ابراھیم" اے آگ! ٹھنڈی اور سلامتی بن جا ابراہیمؑ پر، اگر یہ حکم نہ آتا تو آگ کی مجال نہ تھی کہ وہ کام نہ کرتی جس کی خاطر پیدا کی گئی ہے، جلانا اس کی فطرت ہے، اور یہی اس کی بندگی، شرافت اور معقولیت ہے۔

خدا نے دواؤں میں تاثیر رکھی، درخت کی پتیوں، گھاس اور کونپلوں، کنکر اور پتھروں میں تاثیر رکھی، نمک میں تاثیر رکھی، آپ نے یہ کبھی نہ سنا ہو گا کہ نمک نے نمکینی کا کام چھوڑ دیا، بعض چیزوں میں اس نے مٹھاس رکھی اور سینکڑوں برس سے وہ مٹھاس دے رہی ہیں، کیسی کیسی تہذیبیں آئیں اور کیسے کیسے واقعات ہوئے، طبیب حاذق پیدا ہوئے اور ان کے مطب قائم ہوئے، دنیا کیسے کیسے باجبروت اور جری لوگوں کے ہاتھوں میں آئی لیکن چیزوں میں جو خاصیت قدرت نے رکھی تھی وہ

بدستور قائم ہے، دنیا کے نظام میں خدا کا قانونِ تکوینی بے لاگ، غیر جانب دار، عالمگیر اور دائمی ہے، کوئی اسے معطل نہیں کر سکتا۔

اعمال خاصیت رکھتے ہیں

اللہ تعالیٰ کے دوسرے قانون کا تعلق کفر وایمان، شرک وتوحید، اخلاق وبداخلاقی، علم وعمل سے ہے، یہ بھی اپنی خاصیت رکھتا ہے، یہ قانون بچوں کا کھیل نہیں کہ کوئی اسے کھلونا بنائے یا معطل کر دے یا اس کے نتائج سے انکار کر دے، یہ بات اللہ تعالیٰ کے قانون، اس کی حکمت اور ربوبیت کے خلاف ہے کہ ہم سوئی کی خاصیت، سنکھیا کی خاصیت، گلِ بنفشہ کی خاصیت اور تمام چیزوں کی خاصیت کے قائل ہوں، ہم خدا فراموش انسانوں کی تیار کی ہوئی دوائیوں کے قائل ہوں، مگر اعمال کی خاصیت پر ہمارا یقین نہ ہو۔

اعمال کی خاصیت اور اچھے اور بُرے نتائج کا علم ہمیں پیغمبروں کے ذریعہ ملا، جو انسانی تاریخ کے سب سے باکردار، سب سے سچے، سب سے نیک انسان تھے۔

شرک وتوحید، اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کی خاصیت کا ذکر اللہ کی کتاب قرآن مجید میں خدا کے آخری پیغمبر کے ذریعہ پوری نسل انسانی کے لئے آیا ہے، بندہ، خدا کی بندگی، تابعداری کے ذریعہ خدا کا محبوب بنتا ہے، اس کے ذریعہ دنیا میں امن وامان، لوگوں میں اتحاد پیدا ہوتا ہے، دشمن دور اور عداوتیں کافور ہوتی ہیں، ملک نہ اسے فرقہ پرست کہتا ہے، نہ قوم پرست۔

اللہ تعالیٰ نے ظلم کرنے کو حرام قرار دیا ہے، یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ حکومت شرک کے ساتھ تو قائم رہ سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی، ظلم کا نتیجہ ضرور نکلے گا، ظلم رنگ لا کر رہے گا۔

وہ سلطنتیں جن کا دنیا میں ڈنکا بج رہا تھا، مشرق سے مغرب تک جن کا طوطی بولتا تھا، ان کا چراغ گل ہو گیا، اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ ظلم چاہے آدمی کرے یا سلطنت کرے، ظلم میں یہ خاصیت ہے کہ وہ جلا کر راکھ کر دے گی، وہ ظالم کو پچھاڑ دے گی، ہم لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ سیاسی چالاکی، مکروفریب، جوڑ توڑ، دغابازی اور عیاری سے لوگ اقتدار حاصل کر لیتے ہیں، قرآن مجید صاف صاف کہتا ہے، "وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلَالٍ "اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ عزت و دولت میں دیتا ہوں لیکن اس سے دل نہ لگانا، تمام پیغمبروں نے اعمال کی خاصیت اور نتیجہ کو بیان کیا ہے، حدیث میں آتا ہے "الصدق ینجی والكذب یهلك" سچائی نجات دیتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے، ہم آپ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی سچا ہے، لیکن ترقی سے محروم، اور فلاں آدمی جھوٹا ہے، مکار ہے اور اسے ترقی ہو رہی ہے اور اس کا اقبال ہے لیکن یہ سب ہماری نظر کا فتور ہے، ہماری ناسمجھی کا نتیجہ ہے۔

شریعت جوان ہے

میرے بھائیو! ذرا انصاف کرو بیشمار ایسی چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں جنھیں ہم پاؤں سے مسل سکتے ہیں، دریابرد کر سکتے ہیں، جانوروں کو کھلا سکتے ہیں، ان کی خاصیت کے تو ہم قائل ہوں اور قرآن مجید کے اعلانات کی صداقت، اعمال کے نتائج اور اللہ تعالیٰ کے محبوب پیغمبروں کے ارشادات پر ہمیں یقین نہ ہو، قرآن مجید نے اسراف کی ممانعت کی ہے، لیکن ہم آنکھ بند کر کے روپیہ اڑائیں گے، گھر پھونک تماشہ دیکھیں گے، غلط رسوم پر پانی کی طرح روپیہ بہائیں گے لیکن بچوں کی تعلیم کے لئے مدرسے، مریضوں کے شفاخانے، قائم کرنے سے ہمیں دلچسپی نہ ہو، سستی شہرت اور شہر میں چرچا ہو، دھوم مچے اس کے لئے سب کچھ کریں گے، کیا

آپ سمجھتے ہیں خدا کا قانون مؤخر اور مفلوج کر دیا جائے گا؟ ہم مسلمانوں نے یہ سمجھا ہے کہ خدا کا قانون غیروں کے لئے تو ہے، ہمارے لئے نہیں، آگ کا شعلہ اپنا کام کرتا ہے اور ہماری صورت دیکھ کر کوئی رعایت نہیں کرتا، تو کیا خدا کا قانون پاسداری اور جانبداری برتے گا؟

آج مسلمانوں کی زندگی بنا رہی ہے کہ انھوں نے خدا کے قانون کو بے لاگ نہیں سمجھا، جیسے پہلے لوگ سمجھتے تھے، مجھے ایک بزرگ کی بات بہت پسند آئی، ایک بوڑھی عورت اُن سے بیعت ہونے کے لئے آئی، انھوں نے اسے بے پردہ سامنے بیٹھ کر بیعت کرنے سے انکار کر دیا، اس بڑھیا نے کہا حضور میں بوڑھی اور آپ بھی بوڑھے تو کیا حرج ہے ایسے میں بیعت کر لیں، ان بزرگ نے جواب دیا۔

"بڑی بی! یہ صحیح ہے کہ ہم دونوں بوڑھے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کی شریعت جوان ہے، اور وہ رہتی دنیا تک جوان رہے گی"

"اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُمْ دِینَکُم وَاَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی وَرَضِیتُ لَکُم الاسلَامَ دِینًا،" کہہ کر اس کی ابدی جوانی کا اعلان کر دیا گیا، وہ ہمیشہ جوان رہے گی، جب چارج دیا جائے گا تو ویسے ہی جوان رہے گی، جیسے غارِ حرا میں اس کی آب و تاب تھی، وہی قرآن وہی شریعت جو مکہ سے مدینہ جا کر، عرفات کے میدان میں تکمیل کو پہونچی، آج بھی تر و تازہ، زندہ و تابندہ ہے، سلطنتیں بوڑھی ہوتی ہیں، تہذیبیں بوڑھی ہوتی ہیں، فلسفے بوڑھے ہوتے ہیں، آدمی بوڑھے ہوتے ہیں، لیکن سنت و شریعت جوان رہتی ہے، چونکہ شریعت نے پردے کا حکم دیا ہے، اس لئے تم میرے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے سکتی ہو، چاہے تم بوڑھی ہو، تمھارے ہاتھ میں رعشہ، چہرے پر جھریاں ہوں، لیکن شریعت نوجوان ہے اور ایسی جوان کہ اس کے

برابر کوئی جوان نہیں۔

جنہیں خود نہیں معلوم کہ کل کیا ہوگا؟

مسلمان بھائیو! ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ شریعت ریٹائر ہو چکی ہے، شریعت نے بہت زمانے تک خدمت کی، صدیوں خدمت کرتی رہی اور اب ریٹائرڈ ہو گئی، لیکن خدا اعلان کرتا ہے "الیَوْمَ اکْمَلتُ لکمْ دِینَکم واتمَمْتُ عَلَیکم نِعمتِی وَرضیتُ لَکُم الاسلامَ دیناً،" میں نے دین کو مکمل کر دیا، قیامت تک کے لئے تمھارے لئے اسلام کو منتخب کر لیا، اگر تمھیں عزت حاصل کرنی ہے، نجات پانی ہے تو اس کا راستہ یہی ہے،"ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين" ہم حکومت سے عزت کے طلب گار ہوتے ہیں، جن کو خود پتہ نہیں ہوتا کہ کل کیا ہونے والا ہے، مارچ ۱۹۷۷ء کی نہ جانے کون سی تاریخ تھی، میں خوش قسمتی سے یاد قسمتی سے رائے بریلی کا رہنے والا ہوں، جہاں گذشتہ حکومت کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔

رات سویا تو اندراجی کی حکومت تھی، صبح نماز کے لئے مسجد پہونچا تو معلوم ہوا کہ ان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، ان حکومتوں میں عزت پانے کے لئے لوگ خدا کے قانون کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں، ان کو خبر نہیں کہ رات کو سوئیں گے تو کیا صبح اسی حکومت کے زیر سایہ ہوں گے؟ میں اسی حکومت کو نہیں کہتا یہ شروع سے چلا آرہا ہے۔

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ ایک عارضی شئے ہے
نہیں دنیا کے آئینِ مسلم سے کوئی چارہ

یہ سب کے ساتھ ہوا، عباسیوں کے ساتھ ہوا، رومیوں کے ساتھ ہوا

مغلوں کے ساتھ ہوا، عباسی خاندان نے تقریباً ساڑھے پانچ سو سال تک حکومت کی، ساری دنیا میں اس کا ڈنکا بجتا رہا، اور وہ امیر المومنین کہلاتے رہے، لیکن ان کی بھی کتاب تہہ کر کے رکھ دی گئی، اسی طرح ہندوستان میں مغلیہ خاندان عرصہ تک حکمراں رہا اور پھر زوال کا شکار ہوا، کوئی بھی حکومت ہو چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم بے سہارا اور ناقابل اعتماد ہے، اس سے اپنی قسمت وابستہ کرنا عقل مندی نہیں۔

اسلام اللہ کے حکم کا نام ہے

میرے بھائیو! اصل چیز یہ ہے کہ ہمیں اپنی زندگی بدلنی چاہئے، اپنی زندگی کو قانون الٰہی کے مطابق بنانا چاہئے، جس کے بغیر عزت، سکون اور اطمینان کی صورت نہیں، ہزار جتن کرو، کسی بھی پارٹی میں شامل ہو جاؤ، کتنے ہی سرمایہ دار ہو جاؤ، حقیقی عزت نہیں ملے گی، حقیقی اطمینان و سکون نصیب نہیں ہوگا، جب تک قانون الٰہی کے مطابق زندگی نہ ڈھالو گے، جو حقائق مقرر کر دیئے گئے، جو فروع طے کئے گئے، جو اعمال مقرر کئے گئے، ان پر عمل کرو، جو ناجائز ہے اسے ناجائز سمجھو، اگر سلطنت خدا کی نافرمانی سے ملتی ہو تو اسے ٹھکرا دو، اس پر لعنت بھیجو، اگر خدا کی اطاعت میں سلطنت و دولت جاتی ہو تو خدا کا شکر ادا کرو، صحابہ کرامؓ نے یہی کیا، اسلام اللہ کے حکم کا نام ہے، وہ کسی قومیت، کسی خاندانی نسبت کا نام نہیں۔

میرے بھائیو! آپ کا مجمع دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، یہ نہ سمجھئے گا کہ میں آپ کے سامنے تقریر کر رہا ہوں، میں آپ کو کسی غلط فہمی میں بھی نہیں رکھنا چاہتا، میں آپ کو یہ بھی اطمینان نہیں دلاتا کہ تمام نمازیں معاف، ایک رات میں اتنا پڑھ لیجئے تمام گناہ معاف، آپ جو چاہے کریں، میں آپ کے سامنے حقائق پیش کر رہا ہوں، اپنی زندگی کو قرآن کے سانچے میں ڈھالئے، اللہ تعالیٰ کے احکام کو اپنی زندگی میں

داخل کیجئے۔

خدا کے احکام پہلے اپنے اوپر نافذ کیجئے

رانچی میں مسلم پرسنل لابورڈ کا عظیم الشان اجلاس تھا، ساٹھ ہزار سے ایک لاکھ تک مجمع کا اندازہ تھا، مسئلہ پرسنل لا کے تحفظ کا تھا میں انہی دنوں امریکہ سے واپس آیا تھا، میرے پاؤں مین تکلیف تھی، منتظمین جلسہ کے بے حد اصرار پر مجھے بھی جانا پڑا، جلسے میں بڑی پُرجوش اور مدلل تقریریں ہوتی رہیں، لوگ اشتیاق سے سن رہے تھے، جب میری تقریر شروع ہوئی تو مجمع منتظر تھا، میں حکومت کو ایسا للکاروں گا کہ حکومت کا تختہ ہی ہل جائیگا، خدا شکر ہے کہ میں حکومت سے نہیں ڈرتا لیکن میں نے کہا کہ اللہ کے بندو! تم حکومت سے کہتے ہو وہ تمھارا شخصی قانون باقی رکھے، کیا تم نے بھی اس قانون کو باقی رکھا ہے، تمھارے گھروں میں، تمھاری زندگی میں اس قانون پر عمل ہے، اگر اس قانون پر تم عمل نہیں کروگے تو زبردست حکومتیں بھی اس کو باقی نہیں رکھ سکتیں، سب سے پہلے تمھیں خدائی احکامات کو اپنے پر نافذ کرنا چاہئے۔

تم کہتے ہو کہ ہم جان دیں گے، لیکن اس قانون میں ترمیم نہ ہونے دیں گے، بتاؤ تم نے اس قانون کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ کتنے ہی آدمیوں نے دوسروں کے کھیت اور جائداد پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے، کتنے ہی کے حقوق کو تم نے ادا نہیں کیا جو قرآن مجید کی سورۂ نساء میں نازل ہوئے ہیں، نکاح، طلاق اور وراثت کے سلسلے میں تم قرآن، حدیث اور خدا کی شریعت پر عمل نہیں کرتے، کب طلاق دینی چاہئے؟ مطلقہ کے حقوق کیا ہیں؟ اس کا نفقہ کتنے دن تک ہے؟ اور وہ کہاں رہے گی؟ ان سب پر غور اور عمل نہیں کرتے، تمھاری بیویاں جو اللہ تعالیٰ کی نام کی

برکت سے تمھاری شریکِ زندگی اور رفیقۂ حیات بنیں، بیگانہ سے یگانہ ہوئیں، رفیقِ سفر بن گئیں، کیا تم ان کے حقوق ادا کرتے ہو؟ یہ جو ہزاروں انسان یہاں بیٹھے ہیں، کیا ان کے گھر والے مطمئن ہیں؟ اگر ہم نے اپنی شریعت پر عمل نہیں کیا تو لاکھ دستوری تحفظ کے باوجود وہ خطرہ میں ہے، حکومت سے بھی مطالبہ کیجئے اور زندگی میں بھی اس کو جاری کیجئے، رانچی کے لوگ نہ جانے مجھ سے کس پُر جوش تقریر اور حکومت کو للکار سننا چاہتے ہوں گے، لیکن میں نے انھیں پہلے اپنے گھروں کو، اپنی زندگی کو درست کرنے کی ہدایت کی، آپ کو بھی ایسے لوگ مل جائیں گے، جو آپ کی ذمہ داریاں بھی کم کردیں گے اور نمازیں بھی معاف کروادیں گے، پانچ وقت کی نماز کا بدل نذرانے کو بنادیں گے، یہ بھی کہیں گے کہ قیامت کے دن ہمارے جھنڈے کو پہچان کر اس کے نیچے آجانا، بغیر حساب کتاب کے جنت مل جائیگی، لیکن میں آپ کو اس غلط فہمی میں نہیں رکھنا چاہتا، اس لئے کہ اپنی زندگی بدلئے، اپنی زندگی کو قرآن مجید کے سانچے میں ڈھالئے، پھر دیکھئے کہ آپ ہی آپ ہوں گے "انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین" خدا کی عزت وجلال کی قسم! پھر آپ کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جل سکتا، آپ عمل کرکے تو دیکھئے۔

آیئے ہم اپنی زندگی بدلیں، دین کے اکثر قوانین ہم کو معلوم ہیں اور جو معلوم نہیں اس کو معلوم کریں، اور اپنی زندگی اسلام کے مطابق ڈھالیں، اسلام کے قانونِ اخلاق، قانونِ معاشرت کے مطابق بنائیں، پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کیا عزت اور محبوبیت عطا فرماتا ہے، کیسی برکت اور رحمت نازل ہوتی ہے، کیسی مشکلات آسان ہوتی ہیں، جان ومال کی حفاظت ہوتی ہے۔

بھائیو! آخر میں یہ کہوں گا کہ اپنے عزیز اقربا، خاندان اور برادری کے

حقوق پہچانئے، ملک و قوم کے لوگوں اور برادرانِ وطن کے ساتھ محبت اور برابری کا سلوک کیجئے، ان کے ساتھ عدل کا معاملہ کیجئے سب کی قدر کیجئے ،ایمانداری برتئے، ہر ایک کا ہمدرد بنئے، ہر ایک کے کام آیئے، ہر ایک کے لئے دعائے خیر کیجئے ،ہر ایک کا بھلا چاہئے ،اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ آنکھ پر بٹھائے جائیں گے ،آپ دل میں جگہ دیئے جائیں گے، سب نفرتیں اور عداوتیں ختم ہو جائیں گی۔

اندور آج جس حال میں ہے،انشاء اللہ کل اس سے بہتر ہوگا، زندگیاں بدل جائیں گی، یہ پیغام ہے اس پر عمل کیجئے ،یہ جلسے، یہ مسجدیں، یہ مدرسے اسی پیغام کو پہچاننے کا ذریعہ ہیں اور ان کا اصل مقصد یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

دعوت کا کام کرنے والوں کے درمیان خوشگوار تعلق اور باہمی محبت کسی خارجی ذریعہ سے نہیں پیدا کی جاسکتی

یہ تقریر امریکہ اور کناڈا کے مسلم طلباء کی تنظیم (M.S.A) کے پندرہویں سالانہ سہ روزہ کنونشن کے افتتاحی اجلاس میں "اسلام کی نشاۃ ثانیہ" کے کارکنوں کے باہمی تعلقات وروابط" کے موضوع پر کی گئی، اس موقع پر مختلف ممالک کے اسلامی اسکالر، ماہرینِ تعلیم، مصنفین، تاریخ دان، اور ماہر اقتصادیات موجود تھے، اس تقریر کا انگریزی ترجمہ جناب ممتاز احمد صاحب نے کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوت کا کام کرنے والوں کے درمیان خوشگوار تعلق

اور باہمی محبت کسی خارجی ذریعہ سے نہیں پیدا کی جاسکتی

مصنوعی کوشش کارگر نہیں ہوتی

حضرات! آج کی مجلس کا موضوع ہے کہ "اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے کام کرنے والوں کے درمیان کیا شخصی تعلق اور رابطہ ہونا چاہئے"۔

میں اس موضوع پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا، لیکن میرے لئے شاید ان الفاظ کے دائرہ میں مقید ہونا ضروری نہ ہوگا، میں ایک حقیقت پسند انسان اور ایک طالب علم کی حیثیت سے جس کی تاریخ اسلام پر نظر ہے، اور اس نے اس کا مطالعہ کیا ہے، اس ربط و تعلق کے اصل سرچشموں کی نشاندہی کرنے کی کوشش کروں گا۔

حضرات! میں سمجھتا ہوں کہ دعوت کا کام کرنے والوں کے درمیان تعلق اور باہمی محبت کسی خارجی ذریعہ سے نہیں پیدا کی جاسکتی، میرے علم میں ابھی تک کوئی ایسا مادہ یا کیمیاوی مرکب نہیں آیا جو گوند یا لئی کی طرح انسانوں کے دلوں کو جوڑ دے، اس میں کوئی مصنوعی کوشش کارگر نہیں ہوتی، آپس کی محبت کا سرچشمہ

انسان کے دل اور انسان کے اندرون میں پایا جاتا ہے، ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ان ٹوٹے ہوئے دلوں کو جن کے درمیان کوئی کشش، کوئی قوت جاذبہ نہیں ہے، اور جن کے اوپر کسی حقیقت کا، کسی احساس کا غلبہ نہیں ہوا ہے، ان کے درمیان کوئی اتحاد پیدا کردے، کاغذوں کو ایک دوسرے سے چپکانا آسان ہے، اور کسی عمارت کی اینٹوں کو مسالے سے جوڑا جا سکتا ہے، مگر انسانی دلوں کا معاملہ اس سے کہیں زیادہ نازک اور کہیں زیادہ دشوار ہے، خود قرآن مجید میں آتا ہے۔

لَوانفقتَ مَافِی الارضِ جَمِیْعًا مَا الفتَ بَیْنَ قلُوبِھم. اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے۔

تمہارے پاس جو مالی سرمایہ ہے، ذرائع ہیں، وہ سب کے سب خرچ کردو تب بھی ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے، اللہ اگر ان کے اندر اتحاد نہ پیدا کرتا، ان کو ایک دوسرے سے نہ جوڑتا تو دنیا کی کوئی طاقت نہیں تھی کہ ان کے دلوں کو جوڑے۔

اخوت کا کرشمہ

آپ حضرات کو معلوم ہے، جب مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت ہوئی تو مہاجرین وانصار کے درمیان سوائے انسانیت اور سوائے عربی زبان کے رشتہ کے نسلی رشتہ تک نہیں تھا میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، انصار کا تعلق بنی قحطان یمنی قبائل سے تھا، اور حجازی مہاجرین کا بنی عدنان حجازی قبائل سے تھا، لیکن ان کے درمیان ایک بے نظیر اتحاد پیدا ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَاذکرُوا نِعمتَ اللّٰہِ عَلَیْکُم اِذکُنْتُم اَعداءً فاَلَّفَ بَینَ قُلو بِکم فَاَصبَحتُم بنعمتِہ اِخوَا ناً اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرو جب تم آپس میں

ایک دوسرے کے دشمن تھے تو تم اس کی نعمت سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے

اور اسی اخوت کا کرشمہ تھا کہ جب مہاجرین مدینہ پہنچے ہیں تو حضرات انصار نے ان کو گھروں میں ہی نہیں جگہ دی بلکہ دلوں میں جگہ دی، آنکھوں پر بٹھایا، انصاری مہاجر سے کہتا ہے، یہ میرا گھر ہے، آدھا حصہ آپ کا، آدھا میرا آپ جونسا حصہ پسند فرمالیں شوق سے لے لیں، ایسے ہی کھیتی باڑی میں، جائداد واملاک میں آدھا آدھا حصہ دینے کو تیار ہو گئے اور حد یہ ہے کہ بعض انصاریوں نے کہا کہ میری دو بیویاں ہیں، میں ان میں سے ایک کو طلاق دیتا ہوں آپ اس کو زوجیت کے لئے قبول فرمالیں، مہاجرین نے اس کے جواب میں کیا کیا؟ انھوں نے ایثار کا اور غیرت کا مظاہرہ کیا، انھوں نے کہا کہ بھائی! اللہ برکت دے، ہمیں بازار کا راستہ بتادیجئے ہم وہاں قسمت آزمائی کرلیں گے جو ہمارے نصیب میں ہو گا وہ ہمیں ملے گا۔

یہ چیز کسی مصنوعی طریقہ سے نہیں پیدا ہو سکتی ہے، انسانی تنظیمات کے سامنے (زمانۂ قدیم میں بھی اور آج بھی) یہ بڑا مسئلہ رہا ہے کہ کام کرنے والوں کو شیر و شکر کس طرح بنایا جائے، جس طرح دودھ اور شکر مل کر مفید بن جاتے ہیں، اور پھر شکر اس میں اس طرح تحلیل ہو جاتی ہے کہ اس کو الگ کرنا مشکل ہوتا ہے، اسی طرح کام کرنے والوں کو ایک دوسرے سے کس طرح پیوست کیا جائے کہ ان کی انفرادیت ختم ہو جائے اور اس سے زیادہ صحیح الفاظ میں انانیت ختم ہو جائے۔

چند مثالیں

اس ضمن میں ایک دو مثالیں پیش کروں گا اور پھر عرض کروں گا کہ اس کا اصل سرچشمہ کیا ہے؟ میں اس کی مثال سیرت نبویؐ سے دیتا ہوں کہ اس سے بہتر مثال انسانی دنیا کے علمی سرمایہ میں اور اس کے کتب خانوں میں موجود نہیں۔

بدر کے موقعہ پر مشرکین مکہ میں سے کچھ لوگ قید کئے گئے، ان میں ایک ابو عزیز بن عمیر تھے، ان کے حقیقی بھائی مصعب بن عمیرؓ بدر میں اسلامی افواج کے علمبردار تھے، وہ پہلے سے مدینہ آچکے تھے، جب ابو عزیز بن عمیر کی مشکیں باندھی جانے لگیں تو مصعب بن عمیرؓ کھڑے دیکھ رہے تھے، انھوں نے کہا اچھی رقم وصول ہوگی" ابو عزیز بن عمیر نے کہا صاحب! آپ سے اس کی توقع تھی کہ آپ میرے لئے کوئی کلمۂ خیر کہتے، میری سفارش کرتے کہ میرا بھائی ہے، ذرا خیال کر کے اس کی مشکیں باندھنا، ذرا ڈھیلی باندھنا آخر میرا ماں جایا بھائی ہے، میرے باپ کا لخت جگر ہے، آپ الٹا یہ کہتے ہیں کہ مشکیں ذرا اچھی طرح باندھی جائے تاکہ فدیہ کی رقم اچھی وصول ہو"۔

مصعب بن عمیرؓ نے اس کا جو جواب دیا وہ دنیا کی تعمیری کوششوں اور دینی واخلاقی انقلابات کی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے یادگار رہے گا، انھوں نے کہا "تم میرے بھائی نہیں ہو میرا بھائی وہ ہے جو تمہاری مشکیں باندھ رہا ہے"۔

عقیدے کی وحدت اور مقصد کا عشق

عقیدہ کی وحدت، اور مقصد کے عشق نے ایسی قلب ماہیت کردی تھی، اور ایسا انقلاب پیدا کردیا تھا کہ مصعب بن عمیرؓ جو اعلیٰ انسانی اقدار کے مالک تھے، جس کا اندازہ ان کی سیرت اور حالاتِ زندگی سے ہوتا ہے، لیکن مقصد کے عشق نے ان کو ایسا خود فراموش بنادیا تھا کہ انھوں نے یہ کہا کہ "تم اس وقت میرے بھائی نہیں میرا بھائی وہ ہے جو تمہاری مشکیں باندھ رہا ہے، اس لئے کہ ایک نئے رشتہ، ایک نئی چیز نے ہم لوگوں کو جوڑ دیا ہے، وہ خون کا رشتہ نہیں ہے، لیکن وہ خون کے رشتہ سے زیادہ عظیم، زیادہ مبارک، زیادہ مفید اور زیادہ قابل قدر ہے"۔

ایک اور مثال پیش کرتا ہوں جو بہت مشہور ہے، شام کی فتوحات میں یرموک کی لڑائی کے موقع پر ایک صحابی ابو جہم بن حذیفہؓ بیان فرماتے ہیں کہ "میں اس خیال سے میدان میں نکلا کہ میدان جنگ میں اپنے چچازاد بھائی کو تلاش کروں گا، عام طور پر جو لوگ زخمی ہوتے ہیں، ان کو پیاس شدت سے لگتی ہے، میں پانی کا مشکیزہ لے کر نکلا کہ شاید وہ جاں بلب ہوں تو پانی پلا سکوں، دیکھا تو ان کے ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی ہیں، چہرے پر خشکی ہے، میں نے پانی کا پیالہ پیش کیا، اتنے میں کسی کے کراہنے کی آواز آئی، انھوں نے کہا کہ "میرا یہ بھائی پانی کا زیادہ مستحق ہے، یہ پانی کا پیالہ آپ اس کو پیش کردیں خواہ مجھ پر جو گذرے" جب اس کے پاس گئے تو اتنے میں کسی دوسرے کے کراہنے کی آواز آئی تو انھوں نے کہا کہ یہ پیالہ فلاں بھائی کو پیش کردو، یہاں تک کہ معتبر راوی بیان کرتا ہے، اور اسلامی عہد کی تاریخ میں (جس میں ایرانی مبالغہ آرائی اور عجمی شاعری کا اثر نہیں، وہ خالص واقعات وحقائق کی دستاویز ہے) لکھا ہے کہ یہ پیالہ گردش کرتا رہا اور میں برابر چکر کھاتا رہا، جب کسی زخمی کے پاس لے جاتا وہ کسی اور زخمی کی طرف اشارہ کردیتا کہ میرے بجائے فلاں زخمی کو پیش کردیا جائے، یہاں تک کہ میں اپنے بھائی کی طرف لوٹ کر آیا جب تک وہ جان جان آفریں کے سپرد کر چکے تھے، جب دوسرے کے پاس گیا تو وہ واصل حق ہو چکے تھے، جب تیسرے کے پاس گیا تو وہ بھی مرتبۂ شہادت کو پہونچ چکے تھے، میرا پیالہ بھرا کا بھرا رہا اور یہ سب اللہ کے بندے اللہ کو پیارے ہوگئے، یہ واقعہ ہے جو تاریخی طور پر پیش آیا ہے، یہ کوئی فرضی واقعہ نہیں ہے۔

تیسرا واقعہ جس کو میں ان دونوں واقعات سے زیادہ اہمیت دیتا ہوں وہ زندہ جاوید واقعہ ہے، جس کو دنیا کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی اور جس کا تجربہ پہلے

کبھی نہیں ہوا، جب یرموک کے میدان میں خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ کو یہ مصلحت معلوم ہوئی کہ حضرت خالدؓ کو اسلامی افواج کی سپہ سالاری (ہائی کمانڈ) سے سبکدوش کر دیں اور ان کے بجائے حضرت ابو عبیدہؓ کو مقرر کریں تو پہلی بار دنیا کے سامنے یہ مثال آئی کہ عین میدان جنگ میں جب تمام نگاہیں خالدؓ پر جمی ہوئی تھیں اور ان کو فتح کا رمز (SYMBOL) سمجھا جاتا تھا، اور غالباً حضرت عمرؓ کی یہ مصلحت تھی کہ ذہنوں سے یہ نکل جائے کہ جہاں خالدؓ ہوں گے وہاں فتح ہو گی، خالدؓ اور فتح لازم وملزوم نہیں، خدا پر سے توکل ہٹ کر کہیں خالدؓ کی ذات پر مرکوز نہ ہو جائے، جس وقت خالدؓ کی معزولی کا فرمانِ خلافت پہونچا ہے، اس وقت فیصلہ کن جنگ کے لئے تیاری ہو رہی تھی، اور حضرت عمرؓ نے فرمادیا تھا کہ خالدؓ کی پگڑی اتار کر (معزولی کی علامت کے طور پر) ان کے گلے میں ڈالدی جائے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ اب خالدؓ اس منصب سے سبکدوش کئے جاچکے ہیں، حضرت خالدؓ کو یہ پیغام سنایا گیا، توانھوں نے کہا ''آمنا وسلمنا'' فرمان خلافت سر آنکھوں پر، میرے طرز عمل میں کوئی فرق واقع نہ ہو گا، اگر میں خدا کے لئے لڑتا تھا تو اب بھی لڑوں گا اور اگر عمرؓ کے لئے لڑتا تھا تو بے شک اب مجھے حق حاصل ہے کہ بیٹھ جاؤں اس لئے کہ عمرؓ نے مجھ پر بے اعتمادی کا اظہار کیا ہے، ہتھیلی پر سر رکھ کر لڑتے رہے، اتنے بڑے اعزاز سے کسی کو معزول کر دیا جائے اور اس کے جوش وخروش میں، اس کی مصروفیت میں فرق نہ آئے، آج ترقی یافتہ جمہوریتوں میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ کسی سے کوئی عہدہ لے لیا جاتا ہے تو اس پر افسردگی طاری ہو جاتی ہے، اور وہ بجھ کر رہ جاتا ہے۔

مقصد کا عشق

عقیدہ کی وحدت، مقصد کی وحدت اور محبت کی وحدت حیرت انگیز نتائج

پیدا کرتی ہے، مقصد اور عقیدہ ایسا "جو رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا ہو، ذوق و مزاج بن گیا ہو، وہ پیشہ، مشغلہ، مصلحت، اور مفاد کی حیثیت نہ رکھتا ہو بلکہ وہ زندگی کا مسئلہ ہو، محبوب حقیقی ہو، وہی یہ اعجاز دکھا سکتا ہے مقصد سے صرف وابستگی کافی نہیں، مقصد سے صرف اتفاق کافی نہیں، لوگ اتفاق کو کافی سمجھتے ہیں، یہ بڑی غلط فہمی ہے، مقصد سے عشق ہو، مقصد میں اور مقصد کے لئے کام کرنے والوں میں جب شمع اور پروانے کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے، تب ایسی مثالیں سامنے آتی ہیں، میں نے اسلامی عہد کی چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کی ہیں، تاریخ اسلام میں بیسیوں ایسی مثالیں آپ کو ملیں گی۔

تیرہویں صدی ہجری کی تاریخ دعوت وعزیمت سے خلوص وایثار کی دو مثالیں

میں نے آپ کے سامنے عہد رسالت اور دورِ صحابہؓ کے چار واقعات پیش کئے جن سے پتہ چلتا ہے کہ عقیدہ کی وحدت، اس کی گہرائی، اور مقصد کے عشق نے ایک دین کے ماننے والوں اور اسلام کی سربلندی کے لئے کام کرنے والوں میں کیسا خلوص واتحاد اور کیسا جذبۂ ایثار پیدا کر دیا تھا، آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو اسلام کا عہد زریں اور عہد سعادت تھا، جب نفوس و قلوب، نفسانیت اور اخلاقِ رذیلہ سے پاک وصاف ہو گئے تھے، قرآن شریف میں آتا ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُم الاِيْمَانَ وَزَيَّنَه فِي قُلُوبِكُم وَكَرَّهَ اِلَيْكُم الكُفرَ وَالفُسُوقَ وَالعِصيَان . لیکن خدا نے تم کو ایمان عزیز بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا۔

لیکن کیا اس دور کے بعد جس کو خیر القرون کہا گیا ہے، اور جس میں آفتاب

نبوت کی ضیاپاشی موجود تھی، ایسے خلوص وایثار اور بے نفسی کی مثالیں ملتی ہیں؟ یہ مثالیں ہمارے اندر جو زمانہ نبوت سے بہت بعید ہیں، پیروی اور تقلید کا زیادہ جذبہ پیدا کر سکیں گی، اور ہمارے اندر بھی یہ حوصلہ پیدا ہوگا کہ ہم اس بیسویں صدی میں اس خلوص وایثار کا مظاہرہ کر سکتے ہیں، اور ان کے نقش قدم پر چل سکتے ہیں، میں کہوں گا کہ جب عقیدہ کی گرفت مضبوط اور مقصد کا عشق گہرا اور پختہ ہوگا اور کوئی داعی ومربی اور مصلح ایسا مل جائے گا، جو سب کو اس رنگ میں رنگ دے گا تو تاریخ اپنے آپ کو دوہرائے گی اور اسی طرح کے واقعات اور نمونے ظہور میں آئیں گے۔

میں اس وقت آپ کے سامنے مجاہد کبیر سید احمد شہیدؒ (شہادت ۲۴/ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ ۶/ مئی ۱۸۳۱ء) کی جماعت اور ان کی تاریخ دعوت وجہاد کے صرف دو واقعات پیش کروں گا، جن کو ابھی کچھ زیادہ زمانہ نہیں گذرا، اور جو اس دور میں پیش آئے جب انگریزوں کے قدم ہندوستان میں جم گئے تھے، اور غیر اسلامی تہذیب اور مادیت کا اثر مسلمانوں کی تہذیب ومعاشرہ پر اچھی طرح پڑ چکا تھا۔

مولوی عبد الوہاب صاحب لکھنوی سید صاحب کے لشکر گاہ مجاہدین (پنجتار) مین قاسم غلہ تھے، ان کا ہر روز یہ معمول تھا کہ قرآن شریف پڑھتے جاتے تھے، اور غلہ یا آٹا لوگوں کو تقسیم کرتے جاتے تھے، بعض اوقات بیس بیس پچیس پچیس آدمیوں کا آٹا غلہ ایک ایک کو دیتے اور زبان سے نہ گنتے مگر کبھی کسی کے آٹے غلے میں کسی قسم کی کمی پیش نہ آتی۔

ایک روز آٹا تقسیم کر رہے تھے، میر امام علی عظیم آبادی آٹا لینے کو آئے، وہ نووارد تھے، اور بڑے قوی اور جسیم تھے، آٹا باری سے تقسیم ہوتا تھا، جو پہلے آتا، وہ پہلے پاتا، جو پیچھے آتا، وہ پیچھے پاتا، وہ پہلے مانگنے لگے، مولوی صاحب نے کہا کہ تمھارا

بھی وار آتا ہے، ٹھہر جاؤ! وہ جلدی کرنے لگے، انھوں نے نہ مانا، آخر میر امام علی نے مولوی صاحب کو دھکا دیا، اور وہ گر پڑے، وہاں قندھاری بھی آٹا لینے کو بیٹھے تھے، ان کو برا معلوم ہوا اور سب مل کر میر امام علی کو مارنے پر تیار ہوئے، مولوی صاحب نے قندھاریوں کو روکا اور کہا، ”وہ ہمارا بھائی ہے، دھکا دیا، تو ہم کو دیا، تم سے کیا مطلب“؟ وہ سب نادم ہو کر چپ ہو رہے، مولوی صاحب نے ان کو آٹا دیا، وہ اپنے ڈیرے کو گئے، لوگوں نے سید صاحبؒ سے جا کر یہ قصہ بیان کیا، جب اس دن مولوی صاحب رات کو حضرت کے پاس گئے، آپ نے پوچھا کہ مولوی صاحب، آج میر امام علی نے تم سے کیا قصہ کیا؟ انھوں نے کہا، ”میرے نزدیک انھوں نے کچھ نہیں کیا، وہ تو بڑے نیک بخت آدمی ہیں! وہ آٹا لینے کو آئے اور مجھ سے مانگا، ان کا وار نہ تھا، انھوں نے جلدی کی، اس میں ان کا دھکا میرے لگ گیا، بس اتنی بات تھی“۔ سید صاحبؒ یہ بات سن کر خاموش ہو رہے، کسی نے یہ بات میر امام علی کو پہونچائی کہ مولوی عبد الوہاب نے تمہارے متعلق سید صاحبؒ سے ایسی گفتگو کی، وہ اپنی حرکت پر بہت نادم ہوئے اور اسی وقت سید صاحبؒ کے سامنے آکر مولوی عبد الوہاب سے اپنی خطا معاف کرائی اور مصافحہ کیا“۔

اس سے زیادہ مؤثر واقعہ جماعت مجاہدین کے ایک فرد اور لشکر کے ایک خادم لاہوری کا ہے، جو ایک دوسرے رفیق جہاد شیخ عنایت اللہ کے ساتھ پیش آیا اور جس میں لاہوری نے اپنا قصاص کا حق معاف کر کے اس بے نفسی اور ایثار کا ثبوت دیا، جو قرون اولیٰ کی یاد تازہ کرتا ہے، یہ واقعہ سیرت احمد شہیدؒ کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔

”ایک مرتبہ ایک خادم لاہوری نام کے جو بہت سادہ مزاج اور غریب

شخص تھے، اور شیخ عنایت اللہ کے ساتھ مل کر گھوڑوں کا چارہ تیار کرنے کا کام ان کے سپرد تھا، شیخ عنایت اللہ خاں سے کسی بات پر ناراض ہوئے، عنایت اللہ خاں سید صاحبؒ کے قدیم رفقاء میں سے تھے، اور ان کو سید صاحبؒ کے ہاںؒ خاص منزلت حاصل تھی، شیخ عنایت اللہ میں بھی کچھ زائد تیزی آگئی اور بات بڑھی تو انھوں نے لاہوری کو ایک ایسا گھونسہ مارا کہ وہ زمین پر گر پڑے اور تکلیف سے کراہنے لگے، جب سید صاحبؒ کو اس کا علم ہوا تو عنایت اللہ خاں کو آپ نے سخت سست کہا، اور بہت ملامت کی اور کہا کہ تم اپنے دل میں یوں جانتے ہو گے کہ ہم سید صاحبؒ کے پرانے رفیق اور ان کے پلنگ کے پاس رہتے ہیں، تم کو یہ خیال نہیں ہے کہ ہم یہاں اللہ کے واسطے آئے ہیں، اور کام ایسے نکمے کرتے ہو، تم سمجھتے ہو کہ لاہوری قاضی مدنی کا سائیس اور کم رو اور حقیر ہے یہی جان کر تم نے اس کو مارا یہ تم نے بڑی زیادتی اور حرکتِ بیجا کی، ہمارے نزدیک تم اور لاہوری بلکہ سب برابر ہیں، کسی کو کسی پر فوقیت نہیں، سب لوگ یہاں خدا کے واسطے آئے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے حافظ صابر تھانوی اور شرف الدین بنگالی سے فرمایا کہ ان دونوں کو قاضی حبان کے پاس لے جاؤ عنایت اللہ کی زیادتی ہے، ان سے کہنا کہ اس معاملہ میں کسی کی رو رعایت نہ کریں، شرع شریف کے موافق فیصلہ کریں۔

اگلے روز دو تین گھڑی دن چڑھے حافظ صابر اور شرف الدین، لاہوری اور عنایت اللہ کو لے کر قاضی صاحب کے پاس گئے، انھوں نے عنایت اللہ و لاہوری کو سامنے بٹھایا پہلے عنایت اللہ کی طرف مخاطب ہو کر خوب ملامت کی کہ تم نے بہت برا کیا اور تم سزا کے قابل ہو، پھر لاہوری کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ بھائی صاحب تم بہت نیک بخت اور بے شرم آدمی ہو تم سب ہندوستان اپنا گھر بار

چھوڑ کر محض جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے آئے ہو کہ اللہ تم سے راضی ہو اور آخرت میں ثواب ملے، اور دنیا کا کارخانہ تو چند روز کے لئے خواب و خیال کی طرح ہے، سو بات یہ ہے کہ عنایت اللہ تمہارا بھائی ہے، اور اس سے شامتِ نفس کے سبب یہ قصور ہو گیا اس نے تم کو مارا تم اگر اس کا قصور معاف کر دو اور دونوں مل جاؤ تو معاف کرنے میں ثواب ہے، وہ نہ ملے گا، معاف کرنا بھی خدا رسول کا حکم ہے، اور عوض لینا بھی، مگر معاف کرنے میں ثواب اور عوض لینے میں اپنے نفس کی خوشی ہے۔

یہ بات سن کر لاہوری نے کہا کہ قاضی صاحب ہم عنایت اللہ کو معاف کر دیں تو ثواب پاویں گے اور جو اپنا عوض لے لیں تو برابر ہو جاویں گے بھلا کسی طرح کا گناہ تو نہیں ہے؟ انھوں نے کہا کچھ گناہ نہیں ہے دونوں حکم خدا و رسول کے ہیں، جو چاہو منظور کرو! لاہوری نے کہا میں تو اپنا حق چاہتا ہوں، قاضی نے کچھ دیر سکوت کر کے فرمایا کہ بھائی لاہوری حق تو تمہارا یہی ہے کہ تم بھی عنایت اللہ کو اسی جگہ مارو اور عنایت اللہ کو لاہوری کے سامنے کھڑا کر دیا کہ اپنا عوض لے لو، لاہوری نے کہا حق ہمارا یہی ہے کہ ہم بھی اسی جگہ دو گھونسے ماریں؟ قاضی صاحب نے کہا بے شک یہی بات ہے!

اس وقت جو لوگ موجود تھے، سب کی امیدیں منقطع ہو گئیں، اور یقین ہو گیا کہ لاہوری بے عوض لئے نہ چھوڑیگا، لاہوری نے کہا اچھا بھائیو! تم سب گواہ رہو کہ قاضی صاحب نے ہم کو ہمارا عوض دلایا ہم لے سکتے ہیں، مگر ہم نے محض اللہ کی رضامندی کے لئے چھوڑ دیا، پھر اس نے عنایت اللہ کو اپنے سینہ سے لگایا اور مصافحہ کیا تمام لوگ جو وہاں تھے، لاہوری کو آفریں کرنے لگے اور شاباشی دینے لگے کہ تم نے بڑے دینداروں کا کام کیا"۔

قرآن و سنت کی حیات آفرینی

یہ بات خدااور رسول سے سچی محبت کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی، خدا اور رسول کی محض مطالعہ سے محض غور و فکر اور ذہانت سے حاصل نہیں ہو سکتی، یہاں جو تقریریں کی گئیں اور مقالات پڑھے گئے ہیں ان کا معترف ہوں، لیکن اگر ہم جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ان سے محبت پیدا نہیں ہو سکتی محبت وایثار پیدا ہونے کے لئے سیرت نبویؐ کا گہرا مطالعہ ضروری ہے، اس طرح مطالعہ کہ سیرت نبوی غذا بن جائے مشعل راہ بن جائے، ہمارے پاس قرآن اور سیرت سے زیادہ کوئی طاقت ور چیز نہیں.

آپ حضرات نے میری جو عزت افزائی کی ہے، اور جس اعتماد و محبت کا اظہار کیا ہے، اور جتنا فاصلہ طے کر کے میں یہاں آیا ہوں اس کا حق ہے کہ میں آپ کے سامنے اپنے مطالعہ کا نچوڑ اور اپنے تجربوں کا خلاصہ پیش کر دوں کہ آج ہمارے پاس اسلام کے خزانہ عامرہ میں، اسلام کی جھولی میں قرآن مجید اور سیرت نبوی سے زیادہ طاقتور و مسیحا نفس بلکہ حیات آفریں، انقلاب انگیز اور معجز نما کوئی چیز نہیں ہے، ہم جس چیز پر فخر کر سکتے ہیں، ہمارے پاس طاقت کا سب سے بڑا سر چشمہ ہے جس سے ہم دلوں کو مسخر کر سکتے ہیں، ہم جس سے انانیتوں کو، نفس کی شرارتوں کو، جذبات کو مغلوب کر سکتے ہیں، جس سے دل کی دنیا بدل سکتی ہے، جس سے ہم زمین کی پستی سے آسمان کی بلندی تک پہونچ سکتے ہیں، شیطان کا مقابلہ کر سکتے ہیں، وہ اللہ کی کتاب قرآن ہے، قرآن مجید سے آج بھی وہ طاقت ابل رہی ہے حیات آفرینی کے چشمے ابل رہے ہیں، اور ابھر رہے ہیں۔

جو عہد اول میں ابلے اور پھیلے، دوسرے درجے میں سیرت نبوی ہے،

میں آپ حضرات سے خواہ آپ کا تعلق کسی طبقہ سے ہو پرزور اپیل کروں گا کہ زیادہ سے زیادہ تعلق اور وابستگی اولا قرآن مجید سے، اس کے بعد سیرت نبوی سے رکھیں، سیرت نبوی میں آج بھی ایک نئی امت پیدا کرنے کی صلاحیت ہے، سیرت نبویؐ آج بھی دنیا میں ایک نئی انقلاب لانے کی طاقت رکھتی ہے، سیرت نبوی میں وہ واقعات ملیں گے جو ہم کو خود فراموش بنادیں اور ہمارے اندر ایک نیا جذبہ پیدا کردیں۔

نفسانیت، سب سے بڑا المیہ

تاریخ اسلام کا سب سے بڑا المیہ نفسانیت کا وہ کھیل ہے جو ہمیشہ اپنا تماشہ دکھاتا رہا، ہم نے کبھی اپنے دشمنوں سے شکست نہیں کھائی، تاریخ عالم اور تاریخ اسلام پر نظر رکھنے والے ایک طالب علم کی یہ بات سن لیجئے اور اس کو اپنے دلوں اور دماغوں میں امانت رکھ لیجئے کہ ہم نے کبھی اپنے دشمنوں سے شکست نہیں کھائی ہے، ہم نے اپنے اندرونی اختلافات سے شکست کھائی ہے، اسی نفسانیت کی بدولت ہم نے سلطنتیں کھوئی ہیں، ہمارے ملکوں کے چراغ گل ہوگئے ہیں، اور اسلام بعض اوقات پورے پورے ملکوں سے خارج کردیا گیا ہے۔

اس کی میں صرف ایک مثال دوں گا، وہ مثال اسپین کی ہے، اسپین سے اسلام کو نکالنے والی سب سے بڑی طاقت نفسانیت اور باہمی خانہ جنگی تھی۔

میں اسے تسلیم نہیں کرتا کہ تنہا عیسائی طاقت نے اندلس سے اسلام اور مسلمانوں کو نکالا اور ان کا چراغ گل کردیا، اس میں بہت کچھ دخل تھا، شمالی عربوں، حجازیوں اور یمنی عربوں کی باہمی آویزش اور داخلی نزاعات کا جو عرصہ سے چل رہے تھے، یمنی اور حجازی، ربیعہ اور مضر کی باہمی جنگ سے یہ نوبت آئی کہ اسلام اسپین سے آخری طور پر نکال دیا گیا اور یہ ملک اقبالؔ کے الفاظ میں اذانوں سے محروم

ہو گیا ؎

دیدۂ انجم میں ہے تیری زمیں و آسماں
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں

یہی داستان اکثر اسلامی ملکوں کی ہے، بر صغیر ہند میں مغلوں کا شیرازہ بکھیرنے والی، مسلمانوں کو اقتدار سے محروم کر دینے والی اور ان کی طاقت کا چراغ گل کر دینے والی چیز یہی نفسانیت تھی۔

اسلام کے فروغ کو مقصد بنائیے

نفسانیت کا مرض محض نصیحتوں سے، مقالات سے، سیمینار سے اور علمی بحث و مباحثہ سے دور نہیں ہو سکتا، کوئی بھی چیز ہمیشہ اپنے سے زائد طاقت ور چیز سے مغلوب ہوا کرتی ہے، آگ کو اگر بجھانا ہے تو پانی ڈالئے، اگر کسی چیز کو گرم کرنا ہے تو آگ جلائیے، باتوں سے نفسانیت دور نہیں ہو گی اور ہمارے درمیان اتحاد، باہمی ربط و محبت نہیں ہو گا، جب اسلام کے فروغ پر ذاتی، قبائلی فروغ اور جماعتی فروغ کو ترجیح دی جائے گی، تو وہی ہولناک نتائج نکلیں گے جس کا تجربہ ہندوستانی مسلمان کر چکے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دامن گیر ہوں گے

میں نے یورپ میں بار بار یہ بات کہی ہے کہ دوستو! تمہارے سامنے بہت بڑا امتحان ہے، قیامت کے دن تمہارا دامن ہو گا، اور رسولؐ اللہ کا ہاتھ ہو گا، رسول اللہ ﷺ یہ پوچھیں گے، اور خدا تم سے یہ محاسبہ کرے گا کہ "ہم نے ایک بہت بڑا میدان دیا تھا، جہاں تم احیائے اسلام اور دعوت اسلامی کا جھنڈا بلند کر سکتے تھے، اور دنیا کے فاتحوں کو اپنا مفتوح بنا سکتے تھے، لیکن تم آپس میں لڑ مرے، تم باہمی نزاعات

میز و کرسی کی جنگ اور اقتدار و عہدوں کی رسہ کشی میں مبتلا ہوئے" تو بتایئے اس روز ہم کیا جواب دے سکیں گے۔؟

حضرات! محبت کا سر چشمہ ہمارے دل میں ہے، خارج میں نہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت کے بغیر کسی خارجی چیز سے باہمی الفت و محبت نہیں پیدا کی جاسکتی، اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ نماز پڑھنا، آنسو بہانا، دعا کرنا، راتوں کو اٹھ کر اپنے رب کے حضور اپنے بھائیوں کے اعلیٰ مراتب کی دعا کرنا اور یہ کہنا کہ

رَبَّنَا اغْفِرلَنَا وَلاِ خْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالاِيْمَانِ وَلاَ تَجعَل فِي قُلُوبِنَا غلا لِلَّذِينَ امنُوا رَبَّنَا اِنَّكَ رَوفٌ رَّحِيم . اے پروردگار ہمارے اور بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (و حسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

اسلام کے مفاد کو، اسلام کی مصلحت کو ہر مفاد اور ہر مصلحت پر ترجیح دیجئے

اہل اللہ کا عمل

شنیدم کہ مردان راہ خدا دل دشمناں ہم نہ کر دند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام کہ بادو ستانت خلاف است وجنگ

لوگوں نے اپنے خون کے پیاسوں اور جانی دشمنوں کو معاف کر دیا ہے، میں ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں کہ ایک بڑے بزرگ پر کسی کو شبہ ہو گیا کہ انھوں نے اس کے روپئے کی تھیلی چرالی ہے، اور اس نے بلا تحقیق بے تحاشہ ان بزرگ کو مارنا شروع کر دیا، جب لوگوں کو خبر ہوئی تو انھوں نے بیچ بچاؤ کیا، اور مارنے والے کو

ملامت کی کہ توکس کو مار رہا ہے، یہ تو اولیاء اللہ میں سے ہیں، وہ شخص بہت شرمندہ ہوا اور معافی مانگی کہ خدا کے لئے مجھے معاف کر دیجئے، ان بزرگ نے جواب دیا کہ "میرے بھائی معافی کا کیا سوال ہے؟ جب تم مجھے مار رہے تھے، تو میں خدا سے یہ دعا کر رہا تھا کہ خدایا! تو نے اگر یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا تو اس وقت تک جنت میں قدم نہ رکھوں گا جب تک تو اس مارنے والے کو میرے ساتھ جنت میں داخل نہ کرے" میں تو یہ دعا کر رہا تھا، چہ جائیکہ مجھے تجھ سے کوئی شکایت ہو"۔

اصل سرچشمہ

حضرات! ہمارے سامنے یہ نمونہ ہونا چاہئے، یہ مثالیں ہمیں سیرت نبویؐ، حالات صحابہؓ میں ملیں گی، سیرت نبویؐ کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کیجئے، آپ (M.S.A.) کی اس مبارک کانفرنس سے یہ پیام لے کر جائیں کہ اب ہمیں سیرتِ نبوی کو اپنا رفیق بنانا ہے، ہمیں اس سے رہنمائی حاصل کرنا ہے، آپ صحابہؓ کرام کے حالات کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کریں، اپنی نمازوں کو درست کریں، خدا کے بندے ہیں، اگر خدا کے ساتھ ہم نے تعلق درست نہیں کیا، اگر خدا کے ساتھ ہمارے دل کا رشتہ استوار نہیں ہوا، خدا کی محبت اگر ہماری رگ و پے میں سرایت نہ کر گئی، اگر خدا کو ہم نے راضی نہیں کیا تو آپ یقین مانئے کہ خدا کے بندوں سے کبھی ہمارا دل نہیں مل سکتا، ہم کبھی ایثار اور قربانی کے قابل نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ اسلام میں ہر چیز کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی سچی محبت ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو!

مفکر اسلامؒ نے یہ تقریر ۶؍ دسمبر
۱۹۷۷ء کو اسلامیہ کریمیہ کالج اندور میں صبح
۱۰ بجے دن میں کی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو!

میری جانب سے بس کالج کے لڑکوں کو دعا کہنا

پرنسپل صاحب، اساتذہ، معززین شہر اور عزیز طالب علمو!

کسی اسکول یا کالج میں کوئی ایسا مضمون بیان کرنا، جس سے دماغ پر زور پڑے اور طالب علموں کو ایسا محسوس ہو کہ وہ کوئی فلسفہ پڑھ رہے ہیں، کسی نئے مضمون کا اضافہ کر رہے ہیں، یہ بڑے عیب کی بات ہے، میں نے اپنی زندگی ایک استاد کی حیثیت سے شروع کی، جیسا کہ میرے دوست جناب اشتیاق حسین قریشی نے بیان کیا، اس لئے مجھے طالب علموں کی سائیکالوجی اور ان کے احساسات کا پورا اندازہ ہے، جیسے بلائے جاتے ہیں تو لڑکے خوش ہوتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے لئے ایک (CHANGE) ہوگا، تفریح ہوگی، نئی نئی صورتیں، نئے نئے لباس نظر آئیں گے، شہر کے دوستوں سے ملاقات ہوگی، ایسے ماحول میں اگر کوئی فلسفہ بیان کرنے لگے، منطق (LOGIC) کی بات کرے تو بڑی زیادتی ہوگی، اور سب سے زیادہ طالب علموں کو اس کے خلاف احتجاج کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

آپ نے اکبر الہ آبادی مرحوم کا نام سنا ہوگا، اردو کے بہت مشہور شاعر

ہیں، اور ان کے اشعار لوگوں کی زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں، انھوں نے بڑی بڑی سچائیاں، بڑی گہری باتیں ہنسی مذاق کی زبان اور تفریحی انداز میں بیان کی ہیں، ایک مرتبہ ان کے پاس علی گڑھ اینگلو محمڈن کالج کے (جو بعد کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بنا) طلبہ کا ایک ڈیپوٹیشن آیا، اور اس نے کہا کہ ہم ایک جلسہ کر رہے ہیں، آپ اس موقع پر علی گڑھ کے طلبہ کے نام کوئی پیغام دیجئے، تو انھوں نے ایک شعر کہا، وہ شعر حقیقت کی پوری تصویر ہے ؎

خود ان کا بوجھ کیا کم ہے کہ میں بھی کچھ کہوں ان سے
مری جانب سے بس کالج کے لڑکوں کو دعاء کہنا

اب اگر میں دعا بھی کرنے لگوں تو آپ عبادت سمجھیں گے کہ لیجئے صاحب نماز کا وقت نہیں پھر بھی دعا ہو رہی ہے، اکبر الہ آبادی نے جس مشکل کو آسان کر دیا تھا، میرے لئے اب وہ بھی مشکل ہے، اکبر الہ آبادی ایک پڑھے لکھے آدمی تھے، قدیم علوم کے بھی اور انگریزی کے بھی، میں نے بھی کچھ پڑھا ہے اور پڑھایا ہے، اس لئے مجھے معلوم ہے کہ کورس کتنا طویل ہوتا ہے، اس زمانہ میں یہ ایک پرابلم (PROBLEMS) بن گیا ہے، (SUBJECTS) اتنے بڑھا دیئے گئے ہیں کہ طالب علم پریشان ہیں، کسی بھی مضمون میں کمال پیدا نہیں ہوتا، طلبہ پریشان رہتے ہیں، اس صداقت کا اس مشکل کا احساس کرتے ہوئے میں اپنے طالب علم بھائیوں اور بہنوں کو ایک کہانی سنانا چاہتا ہوں، اس وقت میرے مخاطب صرف طلبہ اور طالبات ہیں، آپ حضرات تو اس ادارے سے تعلق کی بناء پر آگئے ہیں، آپ کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے، آپ میں سے اکثر مسجدوں میں اور کل ٹیگور ہال میں بھی موجود رہے ہوں گے، غالباً آج شام کے جلسے میں بھی آئیں گے، لیکن یہ طالب علم

اور طالبات پھر ملیں یا نہ ملیں، اس لئے میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اسے ایک کہانی کی صورت میں پیش کرتا ہوں، کہانی پرانی ہے، لیکن کہانی کبھی پُرانی نہیں ہوتی، کہانی اگر پرانی ہو تو اسے لوگ شوق اور دلچسپی سے سنتے ہیں۔

ساری عمر ڈبودی

کہانی یہ ہے کہ طالب علموں کی ایک جماعت پکنک کے لئے گئی، موسم بہت اچھا تھا، ہوا خوشگوار، بھینی بھینی، ٹھنڈی ٹھنڈی تھی، انھوں نے بوٹنگ کا ارادہ کیا، ایک کشتی کرایہ پر لی اور سوچا کہ دریا کے اس پار اتر کر تفریح کریں، خوشگوار سماں، دل و دماغ کو گدگدانے والی فضا، طلبہ کا موڈ اچھا، دریا بھی موج پر تھا، اور ان کی طبیعت بھی موج پر تھی، انھوں نے آپس میں تفریحی جملے کہتے کہتے کشتی چلانے والے کو مخاطب کیا، سب نے اس غریب کو اپنا موضوع اور (TAR-GET) بنایا، ایک صاحبزادے نے ملاح سے پوچھا، "چچا تم نے کیا کیا پڑھا ہے؟" غریب ملاح نے جواب دیا "بھیا میں نے تو کچھ نہیں پڑھا" دوسرے نے کہا جاگرفی تو پڑھی ہوگی؟ ملاح نے ہاتھ جوڑ کر کہا یہ کس آدمی، کس ملک کا نام ہے؟ لڑکے ہنسے اور کہا کہ "تمھیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ جاگرفی ایک فن کا نام ہے؟ ایک (SUBJECT) کو کہتے ہیں" ملاح چپ ہو گیا، دوسرے صاحبزادے نے پوچھا "تم نے ہسٹری تو پڑھی ہوگی؟" "میں نے یہ بھی نام نہیں سنا" ملاح نے کہا، تیسرے نے کہا "تم نے الجبرا تو ضرور پڑھا ہوگا، اس کے بغیر تو کام ہی نہیں چلتا" ملاح بیچارہ پھر شرمندہ ہو گیا، اس طرح لڑکوں نے مختلف مضامین کا نام لیا اور وہ بیچارہ شرمندگی سے اپنی لاعلمی کا اعتراف کرتا رہا اور سر جھکائے کشتی چلاتا رہا، اب لڑکوں نے کہا کہ تمھاری عمر کیا ہے؟ اس نے کہا یہی کوئی ۳۰۔۳۵ برس۔ لڑکوں

نے کہا کہ "تم نے اپنی آدھی عمر گنوادی، اگر پڑھتے تو دس پندرہ سال میں گریجویشن کرلیتے" ملاح غریب چپ ہو گیا، غریب یونہی کمزور ہوتا ہے، اور پھر بے پڑھا ہو تو ڈبل کمزور ہو جاتا ہے، مگر خدا کو اس کی غریبی اور بے بسی پر رحم آیا، ہوا تیز چلی، دریا میں طغیانی کچھ طوفان سا آگیا، اور کشتی ادھر ادھر جھوکے کھانے لگی، اب ملاح کی باری تھی، اس نے کہا "میاں صاحبزادو! تم میں سے کسی کو پیرنا بھی آتا ہے"؟ انھوں نے کہا پیرنا تو نہیں آتا، اس نے کہا جاؤ "تم نے ساری عمر کھودی ڈبودی" اس نے کہا "تم نے ساری عمر ڈبودی" پیرنا بھی ایک فن ہے اگر کسی نے دریا پار کرنا، کشتی کو ساحل پر لگانا نہ سیکھا تو ایسے موقع پر جاگرفی، ہسٹری، میتھیمٹک، لٹریچر، کیا کام آئے گا، یہاں تو سیدھے پیرنا جو اگر جاہل آدمی بھی جانتا ہو تو وہی کام آئے گا، اسی سے جان بچے گی، لڑکے اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔

بہت بڑا مسئلہ

یہ بڑی سبق آموز کہانی ہے، آج ہمارے سامنے بہت بڑا مسئلہ ہے، ہمارے طلبہ، اساتذہ، دانشور، مفکر، فلاسفر، مؤرخ، سائنس داں، ریسرچ اسکالرز سب کا مسئلہ ہے کہ وہ علم وفن کے میدان میں تو بہت کچھ کر رہے ہیں لیکن زندگی کے بہتے ہوئے دریا اور اس تیز و تند دھارے سے پار اترنے کا فن وہ نہیں جانتے، ہم میں سے کتنے آدمی ہیں جو یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ ہم اس دریا کی حقیقت، اس کی گہرائی، اس کی وسعت، اس کے سرچشمہ سے واقف ہیں، ہم اس سے کامیابی کے ساتھ پار ہو سکتے ہیں؟ زندگی کے دریا میں پیراکی تو کسی استاد کے بغیر نہیں آتی، پیراکی نہ تقریروں سے آسکتی ہے، نہ کتابوں سے، پیراکی تو اس فن کے کسی ماہر کی شاگردی سے سیکھی جاسکتی ہے، زندگی کے دریا سے بغیر ڈوبے کنارے پہونچ جانے کا علم وعمل سکھانے

کے لئے خدا نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ جامیٹری، الجبرا، تاریخ، جغرافیہ، سائنس اور مختلف علوم وفنون سکھانے آئے ہیں، بلکہ سب نے یہ کہا کہ ہم انسان کو زندگی کے تیز و تند دریا سے کامیابی کے ساتھ کنارے پہونچ جانے کا فن بتانے آئے ہیں۔

ڈوبنا دو طرح کا ہوتا ہے، ایک ڈوبنا تو یہ ہے کہ آدمی دریا کی تہہ تک پہونچ جائے، اور مر جائے، دوسرا ڈوبنا یہ کہ گلے گلے پانی میں ڈوبا ہو، دلدل میں پھنسا ہو، نفس پرستی، انسان دشمنی، جارحانہ قوم پرستی، ذات پات کی پرستش، اقربا پروری کے دلدل میں پھنسا ہو اور اس سے نجات کی صورت نہ ہو، یہ بھی ڈوبنا ہے۔

پیغمبروں نے علم کی ہمت افزائی کی

خدا کے پیغمبر صرف ایک جچی تلی بات کہتے ہیں کہ ہم اس دلدل سے نکالنے کا فن سکھانے آئے ہیں، اے انسانو! تمھیں تمھارے علمی کمالات، ذہنی صلاحیت، سائنسی ایجادات، تحقیق وریسرچ کے ادارے یہ سب مبارک، ہم اس میں دخل نہیں دیتے، ہم اس میں رکاوٹ نہیں بنتے، ہم تو ایک سیدھی سی بات کہتے ہیں کہ اپنے مالک کو پہچانو، تم جس ملک میں رہتے ہو اس کے قانون، دستور، حقوقِ شہریت اور فرائض مملکت سے واقفیت جب ضروری سمجھتے ہو اور کون سی چیز قانون کے دائرے میں ہے اور کون سی بات خلافِ قانون شمار ہوتی ہے، اس کا علم رکھتے ہو، قانونِ قدرت اور مالکِ کائنات کے دستور بتانے کے لئے خدا کے پیغمبر آئے ہیں، انھوں نے ہمیں بتایا کہ یہ کائنات (UNIVERSAL) ایک خالق نے پیدا کی اور وہی اس کو کنٹرول کر رہا ہے، پیدا بھی اس نے کیا اور (GOVERN) بھی وہی

کر رہا ہے، وہ بلا شرکتِ غیرے ہم سب کا، پوری کائنات کا خالق و مالک اور منتظم ہے۔

پیغمبر علوم و فنون اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی ہمت شکنی نہیں کرتے بلکہ ہمت افزائی کرتے ہیں، کم سے کم میں کسی ایسے پیغمبر سے واقف نہیں جس نے کہا ہو کہ دنیا میں آنکھیں بند کر کے رہو، دماغ سے کام نہ لو، بے سوچے سمجھے اناڑی پن کی باتیں کیا کرو، میں نے جتنے پیغمبروں کے حالات پڑھے ہیں، سب میں یہی ہے کہ وہ عالموں اور دانشوروں کو پسند کیا کرتے تھے، پڑھے لکھے لوگوں کو اپنے قریب بٹھایا کرتے تھے، خود ہمارے رسول ﷺ نے جنگِ بدر کے قیدیوں کا فدیہ مقرر فرمایا کہ وہ مدینہ کے ناخواندہ بچوں کو پڑھائیں تو انھیں رہا کر دیا جائیگا۔

ایک مرتبہ آپؐ مکان سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ دو حلقوں میں بیٹھے ہیں، ایک حلقہ کے لوگ اللہ اللہ کر رہے ہیں، ذکر الٰہی میں مشغول ہیں، اور دوسرے حلقہ مین سیکھنے سکھانے اور پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ چل رہا ہے، آپؐ نے ذکر کے حلقہ والوں کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، لیکن فرمایا کہ میں معلم اور متعلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، میرا پسندیدہ حلقہ پڑھنے پڑھانے والوں کا حلقہ ہے، آپؐ نے علم کی اس قدر سرپرستی اور ہمت افزائی فرمائی ہے، اس سے زیادہ ہم اس میں اضافہ نہیں کر سکتے، تم شوق سے اسکول، کالج، یونیورسٹی قائم کرو، اسلام نے تعلیم کے بڑے بڑے ادارے، عظیم الشان یونیورسٹیاں قائم کیں۔

جامعہ قرویین، جامعہ ازہر، جامعہ زیتونہ سیکڑوں برس کی قدیم یونیورسٹیاں ہیں، جہاں ساری دنیا سے طلبہ پڑھنے آتے ہیں، اسلام علم کی ہمت افزائی کرتا ہے، مسلمان حکمرانوں اور بادشاہوں نے علم کی بہت خدمت کی، ان میں خود بھی بڑے بڑے عالم تھے، لیکن پیغمبر اس میں ایک اضافہ کرتے ہیں، وہ یہ کہ

زندگی کا جو دھارا ہے، جس میں ہزاروں انسان، صدیوں کی تہذیبیں، علمی ذخیرے، بڑے بڑے مادی کارنامے ڈوب گئے ہیں، اس دھارے سے بچنے کا علم وفن سیکھو، اس کے بغیر زندگی کا سفینہ سلامتی کے کنارے تک نہیں پہونچ سکتا۔

اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو!

دنیا کے کسی خطہ کے لوگوں نے جب اپنے پیدا کرنے والے کو بھلا دیا اور انھوں نے اپنے معدے کو مرکزی مقام (CENTRAL POINT) بنا کر اس کے گرد گھومنا اور اس کی سیوا کرنا اپنا مقصد زندگی بنالیا، کھاؤ، پیو، موج اڑاؤ (EAT DRINK AND BEMERRY) کا جذبہ جب پوری سوسائٹی میں عام ہوا تو اس دھرتی پر بڑے بڑے طوفان آئے، جس میں انسان اور اس کا صدیوں کا اثاثہ بہہ گیا، خدا کے پیغمبر اسی مصیبت سے بچانے کے لئے کہتے ہیں کہ خوب پڑھو، ریسرچ کرو، ترقی کی معراج تک پہونچو، لیکن اپنے مالک کو پہچانو۔

تم شوق سے کالج میں پڑھو، پارک میں پھولو جائز ہے غباروں میں اڑو، عرش پہ جھولو

پر ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

خدا کے پیغمبروں نے اپنی ساری محنت اس پر صرف کی کہ لوگ اپنے خالق کو پہچانیں، ہر کام رضائے الٰہی کے لئے کریں، ہر انسان دوسرے انسان کی عزت کرے، اس سے محبت کرے، ساری مخلوق کو خدا کا کنبہ سمجھے، اس کے دکھ درد میں شریک ہو، صرف دولت کو اپنا معبود نہ بنائے، خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہونچائے، مظلوم کی مدد کرے، ظالم کا ہاتھ پکڑے، نفس پرستی کا جو دھارا بہہ رہا ہے، اسے روکنے کی کوشش کرے، خدا کے پیغمبروں نے یہی پیغام دیا۔

عزیز نوجوانو! خوب پڑھو، خوب محنت کرو، کمال پیدا کرو، نام روشن کرو،

اپنا بھی اور اپنے والدین، خاندان، ملک، قوم اور اپنے کالج، ہر جگہ سے سند لو، ہر جگہ سے ڈگریاں پاؤ، لیکن اپنے مالک کو نہ بھولو، آدمی کو سمجھو، اس کا شکار نہ کرو، جیسے آج کل رشوت کی گرم بازاری میں انسان کو شکار سمجھا جاتا ہے، ہمارے دفتروں میں بیٹھنے والے کسی ضرورت مند کی خدمت اور سیوا کے بجائے اس کو شکار سمجھ کر پیسے اینٹھتے ہیں، اس کا خون چوستے ہیں، اس کی مجبوری اور ضرورت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں، افسوس کی بات تو یہ ہے کہ کرپشن کے اس سیلاب کی لپیٹ میں تعلیمی ادارے بھی آگئے ہیں، اسکول اور کالجوں میں داخلہ کے لئے رشوت دینی پڑتی ہے، میڈیکل کالجوں میں تو یہ وبا اور زیادہ ہے، وہاں (ADMISSION) اب غریب اور متوسط خاندان کے طالب علم کو ملنا محال ہے (DONATION) کے نام سے ہزاروں روپئے دینے پڑتے ہیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

خواتین اسلام کی خدمت میں

۱۹ر جون ۱۹۷۷ء کو مسلم کمیونٹی سنٹر
شکاگو میں خواتین کے سمنار میں خطاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواتین اسلام کی خدمت میں

اسلامی معاشرت

خواتین اور برادران اسلام! میں اس عزت افزائی کے لئے بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس مجلس میں یاد کیا اور ایک اہم اور نازک موضوع پر جو پوری زندگی سے تعلق رکھتا ہے، اظہار خیال کا موقع دیا، میں اس کے لئے بھی شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری خاطر اس پروگرام میں ترمیم گوارا کرلی، یہ آپ کی شرافت اور خوش اخلاقی ہے، میں قرآن مجید کی ایک آیت پڑھوں گا اور بتاؤں گا کہ اسلام، معاشرت کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے ؟ اور اس کا تصور کیا ہے ؟ اور وہ اس بارے میں کتنا حقیقت پسند واقع ہوا ہے۔

یہ آیت سورہ نساء کی ہے، سورہ نساء کا نام ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے طبقۂ اناث کو اور جنس لطیف کو کیا مقام دیا ہے، سورہ نساء کی پہلی آیت ہے۔

يَاَ يُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُم الَّذِى خَلَقَكُم مِنْ نَّفسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنهُمَا رِجَالاً كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِى تَسَاءَ لُونَ بِه وَالاَرْحَام اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيكُم رَقِيبا. لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی آدمؑ) اس سے اس کا جوڑ ا بنایا، پھر ان دونوں سے کثرت

سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلادے اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ طبقہ اناث کے متعلق اسلام کے تصور اور مرد و عورت کی باہمی ذمہ داری اور تعلقات کی نوعیت پر یہ آیت پوری روشنی ڈالتی ہے، پہلے تو اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ فرمایا ہے، کہ ان دو طبقوں کی خلقت ایک ہی طرح ہوئی ہے، اور ان دونوں کی قسمت ایک دوسرے سے ایسی وابستہ ہے گویا ایک جسم کے دو حصے ہوں، مرد و عورت کی جسمانی ساخت میں معمولی تبدیلی اس وجہ سے ہے کہ دونوں زندگی کو خوشگواری سے طے کر سکیں۔

پہلے تو ان دونوں طبقوں کا وجود نفس واحدہ سے ہے پھر اس نفس واحدہ کو دو حصوں میں تقویم کر دیا گیا، اس تقویم کے باوجود ان میں کوئی تضاد کوئی بیر نہیں بلکہ وہ جا کر ایک ہی نقطہ پر جمع ہو جاتے ہیں، اس دنیا میں سفر کرنے والے انسان کو ہم سفر اس کی جنس سے دیا گیا ہے، اور وہ اسی کے جسم کا حصہ ہے، پھر اس کے بعد ان دونوں سے نسل انسانی کی آفرینش، اور افزائش ہوئی، اللہ تعالیٰ نے دونوں کی رفاقت، محبت اور ہم سفری میں بڑی برکت عطا فرمائی کہ جو دو تھے ان سے ہزاروں ہوئے اور ہزاروں سے لاکھوں، کروڑوں ہوئے، یہاں تک کہ صحیح تعداد کا شمار کمپیوٹر بھی نہیں لگا سکتا کہ کتنے انسان پیدا ہوئے؟ اس کو صرف خدا جانتا ہے، "**کثیرا**" کے لفظ سے خدا نے ان کی کثرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

سائل بھی اور مسئول بھی

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "تم اس خدا سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک

دوسرے سے سوال کرتے ہو" قرآن مجید میں انقلابی طور پر یہ تصور پہلی مرتبہ پیش کیا گیا ہے کہ انسانی سوسائٹی کا ہر فرد ایک دوسرے کا محتاج ہے ہر ایک سائل ہے اور ہر ایک مسئول ہے، پھر تقویم اس طرح نہیں کہ سائلین ایک طرف ہیں اور مسئولین دوسری طرف، بلکہ جو سائل ہے وہ مسئول بھی ہے، اور جو مسئول ہے وہ سائل بھی ہے، "تساؤل" (مشترک سوال وجواب) ایک ایسی زنجیر ہے، جس میں ہر ایک بندھا ہوا ہے، ہماری تمدنی زندگی ایک جال ہے، جس میں ہر ایک دوسرے کا ضرورت مند ہے۔

مرد عورت کے بغیر اپنا قدرتی اور فطری سفر خوشگوار طریقہ سے طے نہیں کر سکتا اور کوئی شریف خاتون رفیق حیات کے بغیر خوشگوار طریقہ سے زندگی نہیں گزار سکتی، اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دوسرے کا ایسا سائل اور محتاج بنادیا ہے کہ اس کے بغیر زندگی نہیں گذر سکتی۔

خدا کا نام بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے

پھر یہ بھی فرمایا گیا کہ سوال جس کے نام پر تم کرتے ہو وہ خدا ہے، اسلامی معاشرہ خدا کے عقیدے کی عظمت، خدا کی وحدت کے عقیدے پر وجود میں آتا ہے ایک مسلمان مرد کی مسلمان خاتون سے ہم سفری اور رفاقت جب جائز ہوتی ہے، جب وہ خدا کا نام بیچ میں لائیں، خدا کا نام ہی بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے دور کو نزدیک کرتا ہے، غیروں کو اپنا بناتا ہے، اور جن کی پرچھائیں بھی پڑنا گوارا نہ تھی، ان کو ایسا قریب اور عزیز بنادیا جاتا ہے کہ ان کے بغیر زندگی کا صحیح تصور بھی نہیں ہو سکتا، وہ ایک دوسرے کے رفیق حیات اور ذمہ دار بن جاتے ہیں، شوہر اور بیوی کا تعلق ایسی محبت واعتماد کا تعلق ہے کہ بعض اوقات وہ والدین کے تعلق سے بھی بڑھ جاتا ہے،

جو بے تکلفی، جو اعتماد جو الفت، جو سادگی، جو فطریت ان کے درمیان ہوتی ہے، کسی اور رشتہ میں اس کا تصور نہیں کیا سکتا، یہ سب اللہ کے نام کا کرشمہ ہے، خدا کا نام بیچ میں آتا ہے تو ایک نئی دنیا وجود میں آجاتی ہے، کل تک جو غیر تھا، یا غیر تھی، وہ اپنوں سے بھی زیادہ بڑھ کر اپنا بن جاتی ہے، ایک مسلمان مرد، ایک مسلمان عورت، ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف نہیں ہو سکتے، ایک دوسرے کے ساتھ بعض اوقات سفر بھی نہیں کر سکتے، ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہیں، لیکن جب خدا کا نام بیچ میں آجاتا ہے، تو ایک مقدس رشتہ قائم ہو جاتا ہے،

یہ قرآنی معجزہ ہے کہ **"تساء لون به"** کہہ کر معاشرۂ انسانی کا باہمی ارتباط، پیوستگی، وابستگی اور ہر ایک کا ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہونا ایسا بیان کر دیا کہ کوئی بڑے سے بڑا منشور اور بڑے سے بڑا چارٹر بھی اس کو بیان نہیں کر سکتا، فلسفۂ اجتماع و عمرانیات (سوشیالوجی) کی بڑی ضخیم کتاب بھی اس کو نہیں بیان کر سکتی۔

پھر یہ فرمایا کہ جس کا نام بیچ میں لا کر حرام کو حلال کرتے ہو، ناجائز کو جائز کرتے ہو اور اپنی زندگی میں انقلاب عظیم لاتے ہو، اس پاک اور بڑے نام کی لاج بھی رکھنی چاہئے، زوجین کے گہرے اور محکم تعلق کو قرآن مجید نے ایک دوسرے انداز میں بھی بیان کیا ہے **"ھن لباس لکم وانتم لباس لھن"** تم ایک دوسرے کا لباس بن جاتے ہو یہ بھی قرآن مجید کا ایک معجزہ ہے، کہ اس کے لئے لباس کا لفظ استعمال کیا، جو ستر پوشی اور زینتِ زندگی کی اہم ضرورت ہے، لباس کے لفظ میں وہ سب کچھ آگیا جو زوجین کے باہمی تعلق و اعتماد کے متعلق زیادہ سے زیادہ کہا جا سکتا ہے، تم ان کے لئے لباس ہو اور وہ تمہارے لئے لباس ہیں، لباس کے بغیر جس طرح انسان حیوانیت سے قریب تر نظر آتا ہے، ایک صحرائی مخلوق نظر آتا ہے،

ویسے ہی ازدواجی زندگی کے بغیر انسان غیر متمدن نظر آتا ہے اس کو غیر متمدن اور غیر مہذب سمجھنا چاہئے۔

ازدواجی زندگی ایک عبادت

اسلام میں ازدواجی تعلق کو زندگی کی ایک ضرورت کی حیثیت سے نہیں دیکھا گیا، بلکہ اس کو ایک عبادت کا درجہ دیا گیا، جس سے آدمی خدا کے قریب ہوتا ہے، یعنی ہمارے یہاں ازدواجی تعلق کا، عقد نکاح کا تصور یہ نہیں کہ زندگی کی ضرورت کے تحت یہ کرنا ہی تھا، اور اس کے بغیر زندگی کا تلذذ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کو دینی رنگ دیا گیا، اس کو عبادت قرار دیا گیا، اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں اس کا سب سے بڑا نمونہ پیش کیا، اور آپؐ نے فرمایا کہ "تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے، جو اپنے گھر والوں کے لئے سب سے زیادہ بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب سے بہتر ہوں،" چنانچہ آپ اگر سیرت نبویؐ کا مطالعہ کریں تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ آپ کے اندر صنف نازک کا جو احترام، اس کے جذبات اور لطیف احساسات کا شعور اور ان کا لحاظ تھا وہ طبقۂ نسواں کے بڑے سے بڑے وکیل اور عورت کے احترام کے بڑے سے بڑے مدعی کے یہاں نہیں ملتا، اسی طرح سے وہ بڑے بڑے مقدس لوگوں، رشیوں، منیوں یہاں تک کہ دوسرے پیغمبروں کی زندگی میں ملنا مشکل ہے، ازواج مطہرات کی دلجوئی، ان کی جائز تفریحات میں شرکت ان کے جذبات کا خیال اور ان کے درمیان جو عدل فرماتے تھے، اس کی نظیر نہیں ملتی۔

انھیں کے ساتھ نہیں بلکہ بچوں کے ساتھ بھی آپؐ اس طرح پیش آتے تھے کہ نماز جیسی محبوب ترین چیز میں بھی آپؐ محض اس وجہ سے اختصار فرمادیتے

تھے کہ کسی ماں کو تکلیف نہ ہو اگر کوئی بچہ روتا تھا تو آپؐ نماز میں اختصار فرماتے تھے، یہ انتہائی قربانی ہے، رسول اللہ ﷺ کے لئے تو نماز سے بڑھ کر کوئی چیز تھی ہی نہیں، اس سے بڑھ کر کوئی قربانی نہیں ہو سکتی تھی، آپؐ فرماتے تھے، بعض مرتبہ میں چاہتا ہوں کہ لمبی نماز پڑھوں لیکن جب کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں اس کی ماں کا دل نہ لگا ہو اس کی ماں کا دل نہ گھبرائے اس لئے نماز کو مختصر کر دیتا ہوں۔

مغربی تہذیب کا زوال شروع ہوگیا

ہمارے سامنے یہ نمونے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نام کو تم بیچ میں لائے اس کی شرم بھی رکھنا یہ نہیں کہ اس سے فائدہ ہی فائدہ اٹھاؤ یہ حکم عورتوں اور مردوں دونوں کے لئے ہے، آپ یہاں امریکن سوسائٹی میں ہیں، یہاں ہمیں صرف اسلام کے عقائد ہی پیش کرنا نہیں ہیں بلکہ اسلام کا خاندانی نظامِ معاشرت بھی پیش کرنا ہے، مغربی تہذیب آج تیزی کے ساتھ زوال کی طرف جارہی ہے، آپکو بھی احساس ہوگا کہ مغربی تہذیب کا زوال شروع ہو گیا ہے، یہ کوئی ڈھکی چھپی حقیقت نہیں ہے، اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ یہاں کے خاندانی نظام میں ایک ابتری پیدا ہو گئی، خاندانی نظام ٹوٹ رہا ہے، اس میں انتشار ہے، شوہر و بیوی میں جو اعتماد اور جو محبت ہونی چاہئے، روز بروز اس مین کمی آرہی ہے، اور اس وقت کے مفکر و فلاسفر پریشان ہیں، اور کتابیں لکھی جارہی ہیں کہ مغرب کے معاشرتی نظام کو ٹوٹنے سے، بکھرنے سے کس طرح بچایا جائے، طرفین میں محبت والفت ہونی چاہئے جو زندگی کی حقیقی لذت ہے، اس میں فقر و فاقہ بھی ہوتا ہے، تو وہ خوش دلی کے ساتھ برداشت کر لیا جاتا ہے، ابھی ہمارے مشرقی ممالک میں بہت سے

ایسے خاندان ہیں کہ وہاں کھانے کو مشکل سے ملتا ہے، لیکن ان کو جنت کا مزہ آتا ہے، کیوں کہ آپس میں محبت ہے، وہ ایک دوسرے کا منھ دیکھ کر اپنا فقر وفاقہ اور اپنی تکلیف بھول جاتے ہیں یہاں سب کچھ ہے، لیکن وہ اپنے دل کی دنیا کو اور اپنے گھر کو جنت میں تبدیل نہیں کرسکتے جیسا کہ اقبالؔ نے کہا ہے کہ ؎

ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گذر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

سکون کی تلاش

جس نے سورج کی شعاعوں کو اپنی مٹھی میں لے لیا ہے زندگی کی تاریک رات کو صبح میں تبدیل نہیں کرسکا، اور ستاروں کی گذر گاہوں کا تلاش کرنے والا، اگر اقبالؔ ہوتے تو کہتے کہ چاند تک پہونچنے والا مغربی انسان اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا، اپنے گھر کو گلدستہ اور جنت کا نمونہ نہ بنا سکا، جس نے دنیا کو جنت کا نمونہ بنانے کی کوشش کی اس کا گھر جہنم بنا ہوا ہے، بہت سے امریکی اور یوروپین خاندان ایسے ہیں کہ ان کے گھر میں سکون کا کوئی سامان نہیں، اسی لئے ہم آج دیکھ رہے ہیں کہ وہ باہر کی تفریحات اور کلب میں سکون تلاش کرتے ہیں، کیونکہ سکون ان کے گھروں میں میسر نہیں ہے گھر آکر ان کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ دنیاوی جنت میں پہونچ گئے، بلکہ وہ گھر کی زندگی سے بھاگتے ہیں۔

احتیاج اور احترام

میں سمجھتا ہوں، جو یہاں دس دس برس، بیس بیس برس سے زندگی گزار رہے ہیں، وہ مجھ سے زائد اس المیہ سے اور اس کمزور پہلو سے واقف ہیں، مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، بہر حال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرت کا

ایک بنیادی تصور دیا ہے کہ معاشرہ ایک دوسرے کی احتیاج اور احترام پر قائم ہے، ضرورت تو سب کو ہوتی ہے، لیکن ضرورت کا محسوس کرنا اور جس سے وہ ضرورت پوری ہو اس کا احسان ماننا، یہ الگ ذہنی کیفیت ہے، یہ ذہنی کیفیت اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ہم میں ہر فرد اپنے کو دوسرے کا محتاج سمجھے اور اپنی اس احتیاج کو تسلیم کرے اور دوسرے کا احترام کرے، اگر یہ تصور پورے طور سے تسلیم کر لیا جائے اور ذہن میں اتر جائے تو اس کے بعد کوئی گرہ باقی نہیں رہتی۔

میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کی صحیح رہنمائی فرمائے اور آپ اس ملک میں اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرت کا ایسا نمونہ پیش کریں جو یہاں کی سوسائٹی کے لئے جو زندگی سے عاجز آچکی ہے، دل کش ثابت ہو اور وہ اسلام کے معاشرتی احکام اور اس کے باہمی تعلقات کا بھی سنجیدگی سے مطالعہ کریں اور اپنے لئے اس کو ترجیح دیں اور ان میں اس کا جذبہ پیدا ہو کہ کاش ہم کو بھی یہ نعمت حاصل ہوتی،

اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ نہ صرف اس ملک کی بہت بڑی خدمت انجام دیں گی بلکہ اسلام کی بھی بہت بڑی خدمت انجام دیں گے، اور یہ اسلام کی ایک عظیم تبلیغ و دعوت ہو گی۔

میں ان لفظوں کے ساتھ آپ سے رخصت ہوتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ آپ کا یہ سیمینار اور مجلس مذاکرہ اچھے فیصلوں اور نتائج تک پہونچے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

مناور کو کس طرح منارۂ نور بنایا جاسکتا ہے ؟!

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے یہ تقریر ۲۸ نومبر ۱۹۸۳ء بروز یکشنبہ بعد نماز فجر اندور کے سفر کے درمیان ایک مسجد میں کی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مناور کو کس رح منارۂ نور بنایا جاسکتا ہے ؟!

بعد حمد و صلوٰۃ!

دین کا اصل موضوع اور رضائے الٰہی کی قیمت

میرے بھائیو اور دوستو! آپ جانتے ہیں کہ اللہ کا یہ دین جو خدا کے پیغمبر اپنے اپنے زمانہ میں اور اشرف المرسلین وسید الأولین والآخرین، خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ آخری بار اور ہمیشہ کے لئے لے کر آئے، اس دین کا اصل موضوع ہے آخرت میں انسان کو اللہ کی رضا اور اس کے انعام سے سرفراز کرنا اور آخرت کی، ابد الآباد کی زندگی کو، ہمیشہ رہنے والی زندگی کو، کبھی نہ فنا ہونے والی زندگی کو پُر راحت نہیں، پُر عشرت بنانا، اور آخری ترقیوں تک اور ان نعمتوں تک جن کا تصور بھی اس دنیا میں ممکن نہیں ہے، اور جن کے متعلق آتا ہے، کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی دل میں خیال گذرا، ان نعمتوں تک پہونچانا، اصل موضوع اس کا اس آخرت میں اس زندگی میں راحت اور لذت، عزت اور دوام عطا کرنا ہے، پھر "لَاخَوفٌ عَلَیھِم وَلَاھُم یَحزَنُون" کا معاملہ ہوگا، یعنی نہ وہاں کوئی خوف ہوگا، نہ غم، خوف کیا ہے؟ آئندہ کا کھٹکا، کل کیا ہوگا؟ پیسہ نہ رہا تو کیا ہوگا؟! کوئی بیمار ہوگیا تو کیا ہوگا؟! کوئی عزیز مرگیا تو کیا ہوگا؟! کوئی حملہ ہوگیا تو کیا

ہوگا؟! قحط سالی ہوئی تو کیا ہوگا؟ طوفان آگیا تو کیا ہوگا ؟ کوئی ذلیل کرنے کے درپے ہوا تو کیا ہوگا؟! اور سب سے آخر میں یہ ہے کہ موت آئیگی تو کیا ہوگا ؟ اور حزن ہوتا ہے، ماضی پر، گذشتہ پر، ہائے حسرت یہ کام کیوں کیا، یہ چوک کیوں ہوگئی، یہ انتظام کیوں نہیں کرلیا، یہ بات پہلے کیوں سمجھ میں نہیں آئی، تو جنت میں دونوں چیزیں نہیں ہوں گی، "لَاخوفٌ عَلَیہِم وَلَاھُم یَحزَنُونَ" نہ آئندہ کا کھٹکا، نہ پچھلے کا افسوس، اس کی کھٹک اور خلش اور پھر اس کے ساتھ سب سے بڑھ کر "ورضوان من اللہ اکبر" اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی ہوگی، اس کا ذائقہ تو وہی کچھ سمجھ سکتا ہے، جس کے دل میں کسی کی محبت ہو اور کسی کی عزت ہو، محبت تو اس لئے کہ محبوب کی ذراسی پسندیدگی، اس کا دیکھ لینا، یہی انسان کے لئے جس کو اللہ تعالیٰ نے محبت سے حصہ عطا فرمایا ہو، بس آخری کامیابی ہے، اور عزت، اس لئے کہ جب کوئی معزز آدمی کسی سے خوش ہوجاتا ہے، خوشی کا اظہار کرتا ہے، تعریف کرتا ہے، تو پھر آدمی پھولے نہیں سماتا، اس کے پاؤں زمین پر نہیں پڑتے، بہت سی اس کی مثالیں ہیں، پہلے انگریز حکام کے زمانہ میں ریاستوں کے زمانہ میں ایسا ہوا کرتا تھا کہ وہاں سے آئے اور کہا "مہاراجہ صاحب ہنس کر بولے تھے، اور مہاراجہ صاحب نے یہ کہا تھا کہ خیریت ہے؟ کہتے ہوئے ہاتھ بھی ذرا سا اٹھ گیا تھا، اور ہونٹوں پر تھوڑی مسکراہٹ بھی تھی، اس وقت بہت آدمی بیٹھے تھے، لیکن مہاراجہ صاحب نے میری ہی طرف دیکھا اور فرمایا کہ کہو قاضی صاحب مزاج اچھا ہے؟ بال بچے اچھے ہیں، ؟ ایک صاحب کا واقعہ یہ ہے کہ گھر آئے تو بات نہیں کرتے تھے، بیوی بچوں نے کہا کہ کیا بات ہے؟ کوئی تکلیف ہوگئی؟ بہت مشکل سے بولے کہ میں حاکم سے بات کر کے آیا ہوں، اب اس منہ سے کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا، جیسے

کوئی بہت مزیدار چیز کھائی ہو تو اس کے بعد کوئی کڑوی چیز یا دوا کھلائے تو آدمی کہتا ہے کہ اب حاکم سے بات کر کے آیا ہوں، اب کس سے بات کروں، بات کرنے کو جی نہیں چاہتا، یعنی وہ جو عزت ملی تھی، وہ جاتی رہے گی، وہ لذت جو حاصل ہوئی تھی، جاتی رہیگی۔

آخرت کی عظمت و وسعت

میرے دوستو! وہ آخرت اس کا تو ہم تصور ہی نہیں کر سکتے، ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہو اس سے آپ کہئے یا ابھی پیدا ہوا ہو، اس سے کوئی اگر بات کر سکتا ہو اور وہ بات سمجھ سکتا ہو، تو اس سے کہے کہ بیٹا! جب تم دنیا میں آؤ گے تو بڑا وسیع میدان ہوگا، ہزاروں ہزار میل کا، وہاں باہر ہوائیں چل رہی ہوں گی، اور پانی برسے گا، وہاں پر ریلیں چلتی ہیں، اور وہ بچہ بے چارہ ماں کے پیٹ میں کیا سمجھے کہ ریل کیا بلا ہوتی ہے ریل کا ہے پر چلتی ہے، اور کتنی تیز چلتی ہے، اور تو اور ہوائی جہاز اڑیں گے، بچہ ماں کے پیٹ میں ہے اور یہ اس سے کہہ رہا ہے کہ ایسا بھی وقت آسکتا ہے کہ ہوائی جہاز میں بیٹھو گے، بالکل ایسے ہی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آخرت کا معاملہ ہے۔

یہ تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت ہے، اور اس کی مصلحت ہے کہ اتنا بھی ہماری سمجھ میں آگیا، ورنہ ہماری سمجھ میں آنے والی بات ہی نہیں ہے کہ اس زندگی کے بعد کی زندگی میں کیا ہوگا، کیا ملے گا، وہ کتنی وسیع ہوگی "عرضھا السموت والارض" اس کی وسعت میں زمین و آسمان ایسے ہیں کہ جیسے سمندر میں کوئی کنکری، سنکی ڈال دے، یہ بھی پتہ نہیں چلے گا، گئی کہاں ؟ تو ایسے ہی یہ ساری دنیا، حدیث میں آتا ہے، "موضع سوط فی الجنة خیر من الدنیا وما فیھا" ایک کوڑا رکھنے کی (پھیلا کر کے نہیں، کھڑا کر کے) رکھنے کی جگہ ساری دنیا سے وسیع ہے، تو اس آخرت کا تو کیا کوئی تصور کر سکتا ہے، اور پھر آخری بات یہ ہے کہ

"ورضوان من الله اکبر" اللہ کی رضا کہ جب بندوں کو معلوم ہوگا جنت میں کہ اللہ راضی ہوا، میرا مالک یہاں راضی ہے، رب مجھ سے خوش ہے، اب ناراضگی کا کوئی کھٹکا نہیں اس کی لذت کو، اس کی عزت کو تو کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔

تو دین کا اصل موضوع ہے اس آخرت میں کامیابی دلانا، اس آخرت کے خطروں سے بچانا، اچھی طرح سمجھ لیجئے، اس آخرت کا عیش نصیب کرنا، اس آخرت میں زندگی دوام، ہمیشہ رہنے والی، کبھی فنا نہ ہونے والی زندگی عطا کرنا ہے، اللہ فرماتا ہے "لا یذوقون فیھا الموت الاالموتۃ الاولی" جب اس دنیا سے جانے لگیں گے تو ایک ہی مرتبہ موت کا تجربہ ہوگا، اور اس کے بعد موت کا کوئی امکان نہیں، پھر موت نہیں آئیگی، یہ دین کا اصل موضوع ہے، اس لئے کہ دین جتنا بڑا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس سے جتنا خوش ہوتا ہے، اس کے انعام کی اس دنیا میں کوئی گنجائش نہیں، اس دنیا میں تو بہت چیزوں کی گنجائش نہیں، کتنے آدمی ہیں جن کو شادی مرگ ہو جاتی ہے، ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ برداشت نہیں کر سکے، اور دم نکل گیا، تو اللہ تعالیٰ کے اصل انعامات کی تو اس دنیا میں گنجائش نہیں، اس لئے اس نے آخرت رکھی ہے۔

وہ جنت حقیقی جنت ہے، اور وہ زندگی حقیقی زندگی ہے، اور وہ گھر حقیقی گھر ہے

دین پر عمل کرنے سے دنیا میں بہشت کا مزہ

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس دین میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو اس زندگی میں بھی جنت کا کچھ لطف آنے لگے، عارفوں کو تو چھوڑیئے وہ تو کہتے تھے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم کیا عیش کر رہے ہیں، کس لطف میں ہیں، تو ہمیں بیٹھنے نہ دیں، تلوار لے کر ہم پر حملہ کریں، اور کوئی اللہ کا بندہ کہتا تھا کہ میرا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے، مجھ سے کیا چھین سکتا ہے، میری جنت میرے سینہ کے

اندر ہے، میں کھڑا ہوں تو جنت، میں بیٹھوں تو جنت "جنتی فی صدری" میری جنت میرے سینہ کے اندر، متوسط درجہ کے مسلمانوں کو بھی اس زندگی میں وہ راحت، وہ عزت، وہ سکون حاصل ہو سکتا ہے، کہ جس کی غیر مسلم جو دین سے نا آشنا ہیں، تصور نہیں کر سکتے، مگر شرط یہ ہے کہ اس دین پر عمل کریں، اور وہ دین محض قومیت کا دین نہ ہو، رجسٹر میں نام لکھانے کا دین نہ ہو، اور فائدے حاصل کرنے کا دین نہ ہو کہ مسلمان کے گھر میں اس کی وجہ سے شادی ہو جاتی ہے، رشتہ ہو جاتا ہے، اور عید بقر عید میں ملنے کا مزہ آتا ہے، اور شادی بارات میں پوچھے جاتے ہیں، بلائے جاتے ہیں، یہ دین اس کا نہ ہو، اس دین سے راحت نہیں حاصل ہو گی، اس دین سے کوئی سکون نہیں ہوگا، اس دین سے کسی بستی میں رحمت وبرکت نازل نہیں ہو گی اور آفتیں دور نہیں ہوں گی، دین جو محض فائدہ اٹھانے کے لئے نہ ہو بلکہ بندگی کا دین ہو، شریعت میں جو حکم ہو اس کو مانے، ایسی بستیوں کا پھر حال یہ ہو گا جو اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرىٰ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاء والارض (الاعراف. ٩٦) اگر بستیوں والے کچھ ہم سے ڈرتے اور ہمارا پاس کرتے اور ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمانوں اور زمین کی برکتوں کے دہانے کھول دیتے۔

اور کہیں آتا ہے :۔

لَاَكَلُوامِنْ فَوْقِهِم وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِم (المائدہ. ٦٦) اپنے اوپر سے بھی کھاتے، اور پاؤں کے نیچے سے بھی کھاتے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اس دنیا میں بھی، دین کا جو مقام ہے، جو مرتبہ ہے،

اللہ تعالیٰ کے یہاں جو اس کی عزت ہے، اس کا تو تقاضا یہ ہے کہ آخرت ہو اور آخرت میں وہ سب کچھ ملے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کی، اس کی خوشنودی کی یہاں سمائی نہیں، آپ ایک سیارہ پر آباد ہیں، جو سب سے چھوٹا سیارہ ہے، اگر دوسرے سیاروں کو آپ دیکھیں، ان کے رقبہ کو آپ معلوم کریں، ان کے فاصلے معلوم کریں، اور ان کی تعداد معلوم کریں تو معلوم ہو کہ یہ زمین ایک ذرہ ہے اس نظام شمسی میں، یہ زمین حقیر ترین چیز ہے، اس پر ہم اور آپ اتنے ریجھ رہے ہیں، معلوم نہیں کیا کیا دعوے کر رہے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کی کائنات اتنی وسیع ہے، یہ جس کا آپ کوئی تصور ہی نہیں کر سکتے، "فِی یومٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلفَ سَنَۃٍ" وہ فاصلہ ہے کہ یہاں کی چیز جب وہاں جاتی ہے تو آپ کے حساب سے پچاس ہزار برس، اور کم سے کم ایک ہزار برس لگ جاتا ہے، اور ابھی خلا میں جو لوگ گئے ہیں، وہ اس طرح کے حسابات بتاتے ہیں۔

لیکن میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ :۔

وَلَو اَنَّ اَھلَ القُریٰ اٰمَنُوا وَاتَّقوالَفَتَحْنَا عَلَیھم بَرکٰتٍ مِّنَ السَّمَاءِ والارضِ. (الاعراف. ۹۶) اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے، تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے

دین پر عمل کرنیکی برکتوں کو دیکھنے کے لئے دنیا سفر کرکے آئیگی

خدا کی قسم، اگر مسلمان کسی بستی میں خلوص کے ساتھ، سنجیدگی سے اور ایمانداری کے ساتھ شریعت پر عمل کریں تو جنت کا ایک نمونہ یہیں اللہ تعالیٰ دکھادے، آپس میں وہ محبت ہو، دلوں میں وہ اعتماد ہو، وہ اطمینان ہو، ایسی سکھ کی نیند سوئیں، ایسے آرام کے ساتھ اپنا کام کریں، ہر کام بنتا چلا جائے، ہر چیز میں برکت ہو، کہ لوگ باہر سے آ آکر جیسے سینٹوریم میں لوگ جاتے ہیں، صحت افزا مقامات پر

جاتے ہیں، اسی طرح یہ دنیا کے مارے ہوئے لوگ یہ جن کا قیمہ کردیا گیا ہے، جن کے دل ودماغ کا قیمہ کردیا گیا ہے، جن کو سکون نصیب نہیں ہے، امریکہ ویورپ کے لوگ جن پر خدا کا عذاب نازل ہوا ہے بشکل دولت، بشکل طاقت، بشکل وسائل، بشکل ترقیات، وہ لوگ سانس لینے کے لئے آئیں گے، ایسی بستیوں میں اور بڑی سے بڑی قیمت ادا کریں گے کہ ایک درخت کے نیچے ہم کو آپ چار گھنٹے رہنے دیجئے کہ ہم اس فضا میں سانس لے لیں، تاکہ جب ہم یہاں سے جائیں تو ہمارے اندر ایک طاقت ہو۔

دین پر ناقص عمل اور شریعت کے حصے بخرے

مگر کیا کہیں، کس سے فریاد کی جائے کہ مسلمانوں نے اس شریعت کی قدر ہی نہیں کی، اللہ کے رسول کی لائی ہوئی اس نعمت کی قدر ہی نہیں کی، کہیں ایک چیز ہے تو چار چیزیں نہیں، کہیں چار چیزیں ہیں تو دس چیزیں نہیں، کہیں نماز ہے تو روزہ نہیں، کہیں روزہ ہے تو نماز نہیں، کہیں نماز روزہ دونوں ہیں تو زکوٰۃ نہیں، اور کہیں نماز، روزہ، زکوٰۃ ہے تو حج نہیں، اور کہیں یہ چاروں چیزیں ہیں تو آپس میں جو حقوق ہیں مسلمانوں کے، جن کا ادا کرنا ضروری ہے، ان کا ذکر نہیں، کہیں عقائد درست ہیں تو عبادات درست نہیں، اور اگر عقائد وعبادات درست ہیں تو معاملات درست نہیں، گھر گھر ناچاقی، بھائی بھائی کے خون کا پیاسا، اس کی عزت وآبرو کے درپے، کہیں جعلی مقدمہ، کہیں افیون رکھوادی، کہیں چرس اور بھنگ رکھوادی، کہیں کوکین رکھوادی، پکڑوادیا، یہ مسلمانوں کی بستیوں میں ہو رہا ہے، انشاء اللہ آپ کی بستی اس سے محفوظ ہوگی، اور مجھے کچھ معلوم بھی نہیں، میں تو اچھی ہی باتیں یہاں کے متعلق سنتا رہا، قاضی قدرۃ اللہ صاحبؒ ان کے حالات برسوں سے سن رہا ہوں، ان کا معتقد ہوں، ایسے ہی اور اللہ کے بندے آپ کے یہاں

اچھے گذرے ہوں گے، میں واقف نہیں، بہت سفر کرتا رہتا ہوں، جس بستی میں گیا ہوں شکایت سنی کہ صاحب بس یہاں پوچھئے نہیں، جو حالت ہو رہی ہے، ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتا، اللہ کی شریعت کی یہ قدر؟! رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی یہ قدر، کہ ایک چیز پکڑی اور چار چیزیں چھوڑیں، آج کوئی بستی دنیا میں، روئے زمین پر یہ کر کے دکھادے، تو دیکھئے وہاں ٹکٹ لگ جائے، سیکڑوں ہزاروں روپے کا ٹکٹ لگ جائے داخلہ کا، یہ بھی مجبوری سے کہ اگر سب کو آنے دیا جائے تو پھر آدمی بیٹھ کیسے سکے گا، عورتیں کیسے رہ سکیں گی، بچے کیسے کھیل سکیں گے، اس لئے ٹکٹ لگایا جائے انتظاماً کہ یہاں قدم رکھنے کے لئے پانچ سو روپیہ کی فیس داخل کرو، تو یہاں تم آسکتے ہو، اور یہاں سے گذر جاؤ ایک مرتبہ، ایسی وہ زمین متبرک بن جائیگی، مگر افسوس ہے کہ سب کچھ کریں گے مسلمان، ہزار تدبیریں کریں گے، کافر بھی بتادے کہ یہ آرام کا طریقہ ہے تو اس کو اختیار کریں گے، لیکن اللہ کا رسولؐ جو کہتا ہے، کہ اس میں آرام ہے، اس میں راحت ہے، اس میں عزت ہے، اسی کو نہیں اختیار کریں گے، بھلا بتائیے! اس ناقدری کی بھی کوئی حد ہے، کہ اگر کوئی حکیم کہدے، ڈاکٹر کہہ دے، کوئی غیر مسلم اکسپرٹ کہہ دے، کوئی سیاسی لیڈر کہہ دے کہ دیکھو یہ کرو تو کرنے کے لئے تیار، ہزاروں روپے خرچ کرنے کے لئے تیار، لیکن اللہ کا محبوب رسولؐ یہ کہتا ہے کہ اس میں تمھارا فائدہ ہے، اس میں تمھارا نقصان ہے، اس کو نہیں مانیں گے۔

امت محمدیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ

ہمیں شکایت ہے صاحب! مسلمان ہی ہر جگہ ذلیل ہیں، مسلمان ہی ہر جگہ مارے جاتے ہیں، مسلمان ہی ہر جگہ پریشان ہیں، وہ جیسے کوئی اپنا مریض

ہو تا ہے تو اس کو بد پرہیزی نہیں کرنے دیا جاتا، اس طریقہ سے اس امت محمدیؐ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ پاؤ گے تو اس راستہ سے پاؤ گے، تمھارے لئے راستہ یہ مقرر ہے، یہ محبت کا راستہ تھا، یہودیوں کا مرض کیا تھا؟ ان کو جو کچھ ملا وہ دین کے راستے سے ملا، نبوت کے راستہ سے ملا، لیکن خدا کے بندے اسی راستہ کے باغی تھے، وہ دوسرے راستوں سے عزت چاہتے تھے، اسی لئے "المغضُوبِ عَلَیھم" کہا کہ خدا کا غضب ان پر ہو، ہم نے ان کو عزت دی۔

یٰبنی اسرائیلَ اذکرُوا نِعمَتی التی انعمتُ عَلَیکمُ وانی فَضَّلتکُمْ عَلَیَ العٰلمِین (البقرۃ. ۱۲۲) اے بنی اسرائیل میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم کو اہل عالم پر فضیلت بخشی۔

دو مرتبہ تین مرتبہ کہا، اور اس کے بعد "اوفوا بعھدی اُوف بعھدکم" (تم میرے عہد کو پورا کرو، میں تمھارے عہد کو پورا کروں گا) انھوں نے کہا نہیں، اب آپ ہی اپنا عہد پورا کیجئے، ہم تو نہیں عہد پورا کریں گے

عقائد وعبادات میں مسلمانوں کا طرز عمل

مسلمانوں کا حال یہ ہو رہا ہے کہ پوری شریعت پر نہیں چلتے، بھئی! ایک حکیم کے نسخہ ہی میں آپ ترمیم کر کے دیکھ لیجئے کہ کیا انجام ہوتا ہے، کیا حکیم اور کیا اس کا نسخہ؟ لیکن چار چیزیں دی تھیں، ہر دوا جو اس میں تھی، ہر جز جو تھا، وہ کسی مصلحت سے تھا، اب آپ نے اس میں کتر بیونت شروع کر دی، اور کہا چار چار چیزیں کیا کریں، بس دو ہی چیزیں کافی ہیں، اب کہتے ہیں کہ صاحب نزلہ نہیں گیا، پیٹ کا درد نہیں گیا، تو حکیم کے نسخہ میں ترمیم کرنے سے تو آپ کو یہ نقصان پہونچتا ہے، اور کوئی عقلمند آدمی نہیں کرتا، اور اللہ کے رسولؐ کے بتائے ہوئے نسخہ میں

ترمیم، صاحب! عقائد لیں گے، عبادات سے مطلب نہیں، عبادات لیں گے، عقائد سے مطلب نہیں، عقیدہ اور عبادت کا حال یہ ہے کہ ؎

کرے غیر بُت کی پوجا تو کافر — جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر — کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

وظیفے جتنے چاہو پڑھوا لو، لیکن اگر یہ کہو کہ نہیں اس میں شرک ہے، یہ بدعت ہے، یہ خلافِ شریعت ہے، تو آپ کو اس سے مطلب نہیں، یہ شریعت پر چلنا ہے؟ اس کا نام اطاعت ہے؟ یہی تو یہودیوں نے کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے اہل کتاب تمھارا کام نہیں چلے گا، جب تک کہ تم پوری کتاب پر نہ چلو، سورۂ مائدہ میں دیکھئے، فرمایا کہ نہیں، تمہیں پوری کتاب پر عمل کرنا ہے، تمہیں پورے دین پر چلنا ہے، جب جا کر کام بنے گا، تو میں یہ کہہ رہا ہوں کہ دین کی قدر تو آئے گی آخرت میں، اس کو تو کوئی بیان ہی نہیں کر سکتا، دنیا میں بھی اس کا مزہ دیکھئے۔

ہم نے اپنی زندگی سے لوگوں کو اسلام سے روکا

آج ہم مسلمانوں کی زندگی اگر اسلامی ہوتی تو یہ ملک اسلام سے اتنا ناآشنا ہوتا؟ یہ اسلام سے اتنا متنفر ہوتا؟ ہرگز نہ ہوتا، مگر لوگ کہتے ہیں کہ تمھاری ہی زندگی مسلمانوں کی نہیں، تمھارے گھر جو نااتفاقیاں ہیں، جو مقدمہ بازیاں ہیں، وہ ان سے زیادہ ہیں، ہم جتنی ناسمجھی کرتے ہیں، اور جتنے سست ہیں، غافل ہیں، بے کار ہیں، وہ نہیں ہیں، ہم جتنے جاہل ہیں، بے پڑھے ہیں، وہ نہیں ہیں، تو کیا کشش ہو کہ وہ اسلام کی طرف راغب ہوں، جہاں کہیں کوئی بستی ایک نمونہ کی بستی بن

جاتی تھی، مثالی بستی بن جاتی تھی، وہاں دیکھ لیجئے، اسلام کس طرح پھیلتا تھا، انڈونیشیا میں کیا ہوا؟ یہ جوآپ سنتے ہیں کہ مسلمان اکثریت میں ہیں، یہ صورت کیا ہمیشہ سے تھی؟ یہ تو بحر ہند کے جزیرے ہیں، عرب سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا، اور جزیرے کی طرح جزیرے ہیں، سیکڑوں، ہزاروں جزیرے ہیں، جن کے مجموعہ کا نام انڈونیشا ہے، اور وہاں اسلام ایسا پھیلا، ایسا پھیلا کہ تھوڑے سے وہاں غیر مسلم ہیں، باقی سب مسلمان ہیں، وجہ کیا؟ وہاں جو عرب تاجر گئے، دکان کھول لی، وہاں بیٹھ گئے، ان کی صورت وسیرت دیکھ کر، ان کے اخلاق دیکھ کر، ان کی ایمانداری دیکھ کر، ان کی اللہ کے یہاں قبولیت دیکھ کر اور ان کی دعاؤں کی مقبولیت دیکھ کر، ملک کا ملک مسلمان ہو گیا، عرب تاجر اور عرب صوفی، اللہ کا نام سکھانے والے دو ہی طبقے ہیں، جنھوں نے ہر جگہ اسلام پھیلایا ہے، وہاں انڈونیشیا میں، ملیشیا میں، اور یہاں ہندوستان میں انھیں دو طبقوں نے اشاعتِ اسلام کا کام کیا، خود مشرقی بنگال جو ہندوستان کا بالکل مشرقی حصہ ہے، انھیں لوگوں کی کمائی ہے۔

احکامِ شریعت پر عمل نہ کرنے کی نحوست

یہ بھی شرفاء کی ایک بستی ہے، یہ بھی سمجھ دار لوگونکی اور تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک بستی ہے، اور بھی ہر طرح کے لوگ ہیں، دین پر پورا عمل تو بہت بڑی بات ہے، اللہ نصیب کرے، لیکن دین پر عمل کرنے کی سنجیدہ کوشش کریں، ایمانداری کے ساتھ دین کے تمام شعبوں پر، ہم نے اچھے اچھے گھروں میں دیکھا ہے، سب کچھ ہے، لیکن ترکہ تقسیم نہیں ہوتا شرعی طریقہ پر، نتیجہ یہ ہے کہ فساد کا ایسا بیج بو دیا گیا ہے، کہ پشتوں تک وہ ختم نہیں ہوتا۔

بس بھائیو! یہی کہنا ہے کہ اصل تو اس دین کا فائدہ اور اس دین کی برکت

تو ظاہر ہو گی مرنے کے بعد، آنکھ بند ہوئی اور پتہ چل گیا کہ نماز کیا دلا رہی ہے اور کلمہ کیا دلا رہا ہے، اور کہاں ہو تم، اللہ نصیب کرے ہر مسلمان کو ہم کو اور آپ کو خاص طور پر، لیکن اس دنیا میں اس شریعت کی برکت ظاہر ہو کر رہتی ہے۔

عقائدو اعمال کی تاثیر اور معاصی کے نتائج و اثرات

جب اللہ تعالیٰ نے سنکھیا میں اثر رکھا ہے، ہزاروں برس سے، آج بھی کوئی سنکھیا کھائے، صاحب پرانی باتیں ہیں، کسی نے لکھ دیا ہو گا، سنکھیا کو بہت عرصہ ہو گیا، اب کہاں کوئی سنکھیا سے مرتا ہے، کوئی تجربہ کر کے دیکھے، اس کا تجربہ تو کوئی نہیں کرے گا، میں کہتا ہوں کہ گل بنفشہ اور برگ گاؤزباں اور عناب ولایتی اور یہ حکیم فضل اللہ صاحب کے یہاں جو دوائیں ملتی ہیں، حکیم قاضی قدرۃ اللہ صاحب بھی یہی کہتے تھے، اور اگر ان کے مورث طبیب رہے ہوں گے تو وہ بھی یہ کہتے تھے، سیکڑوں برس سے یہ بتایا جاتا ہے، کہ گل بنفشہ کی یہ تاثیر ہے، اور برگ گاؤزباں کی یہ، اور خطمی کی یہ اور خبازی کی یہ اور فلاں کی یہ اور آج تک اس میں تاثیر موجود ہے، اور جب ان دواؤں میں یہ تاثیر سیکڑوں ہزاروں برس سے چلی آ رہی ہے، طب یونانی کب تھی؟ یونان کہاں تھا؟ کب تھا؟ یہ حضرت مسیحؑ سے بھی پہلے کا زمانہ ہے، یونان کے عروج کا زمانہ، حضرت مسیحؑ کو دو ہزار برس کے قریب ہو گئے، تو حضرت عیسیٰ سے بھی معلوم نہیں کتنے سو برس پہلے یونان کا عروج ہوا ہے، اس وقت ان لوگوں نے یہ خاصیتیں دریافت کی تھیں دواؤں کی، ہمارے یہاں طب یونانی چلی آ رہی ہے، بعد میں عربوں نے اس میں بڑا اضافہ کیا، مگر اس کی اصل جو ہے وہ یونانی ہے، تو یونانی حکماء جو کہیں وہ تو آج تک پورا ہو، اور اللہ کے رسولؐ جو کہیں، اور ابھی جن کو زمانہ بھی اتنا نہیں گذرا، اور اس میں ہمکو شک ہو، یہ کیسا ایمان

ہے ؟ کہاں کا ایمان ہے ؟ کہ کل ہفتہ کے اثر پر تو تمہیں ایمان ہے، اور اللہ کے رسولؐ کا کہنا کہ "سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم" جو ہے "كلِمتان خفيفتان على اللسان ثقيلتان في الميزان حبيبتان الى الرحمن" یہ زبان پر ہلکے اور اللہ کی ترازو میں بھاری اور اللہ کو بہت محبوب ہیں، یہ "سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم" اس پر ہمیں اعتماد نہیں ؟ ترکہ تقسیم کرنے سے یہ برکت ہوتی ہے، ہمارا اس پر عقیدہ نہیں، گناہ میں یہ یہ خاصیت ہے، بعض گناہ ایسے ہیں، جن سے وبائیں پیدا ہوتی ہیں، بعض گناہ ایسے ہیں، جس میں رزق میں برکت اٹھ جاتی ہے، بعض گناہ ایسے ہیں، ان سے موتیں جلدی ہونے لگتی ہیں، زندگیاں کم ہوتی ہیں، حضرت تھانوی قدس سرہ کا رسالہ دیکھئے "جزاء الأعمال" اس میں دیکھئے کہ کن کن اعمال پر کیا کیا اثرات شریعت کی طرف سے بتائے گئے ہیں کہ اس کی یہ نحوست، اس کی یہ نحوست، آج دیکھ رہے ہیں، ہم دنیا میں، اس پر ایمان ہے، جس خطۂ زمین پر جس زمانہ میں، جتنی دیر کے لئے، جتنے وقت کے لئے شریعت پر عمل ہوا کھلی ہوئی برکتیں خدا کی نظر آئیں، اس کے خلاف۔

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بعدِ مَاتبيَّن له الهُدىٰ وَيتَّبِع غَيْرَ سبيلِ المؤمنينَ نُوَله مَاتولىٰ ونُصْلِه جَهَنَّم. (النساء. ۱۱۵) اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبرؐ کی مخالفت کرے، اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستہ پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے، اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے۔

جو اسکے خلاف کرے گا، وہ دیکھ لے گا چاہے سو سر کا ہو جائے، اور سر کاٹ کر کے رکھ دے اور ساری دنیا کے سامنے ناک رگڑے، تب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ عزت ملے گی، نہ راحت ملے گی، نہ سکون، مسلمان کے لئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ دین و شریعت کا۔

صحت مند معاشرہ کی زندگی کے تین ستون

یہ تقریر ۲۸؍ نومبر ۱۹۸۳ء
بروز یکشنبہ جامع مسجد اچھیرہ میں مفکرِ
اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صحت مند معاشرہ کی زندگی کے تین ستون

لَا خَیْرَ فِی کَثِیرٍ مِنْ نَجْوٰیھم اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَۃٍ اومَعْرُوفٍ اَو اِصْلاحٍ بَیْنَ النَّاسِ (النساء. ۱۱٤) ان لوگوں کی بہت سی مشورتیں اچھی نہیں، ہاں! (اس شخص کی مشورت اچھی ہو سکتی ہے) جو خیرات یا نیک بات، یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے۔

آپ غور کریں گے تو یہ تین چیزیں ایسی ہیں، جن پر ایک صالح معاشرہ قائم ہو سکتا ہے، وہ معاشرہ کے تین ستون ہیں، صدقہ، جب تک کہ ایک کو دوسرے کے ساتھ عملی ہمدردی نہ ہوگی، آدمی کی مدد کا جذبہ سینہ کے اندر کارفرمانہ ہوگا، اور وہ ایثار نہ کرے گا، کوئی معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا، "اومعروف "معروف بھی قرآن مجید کا ایسا لفظ ہے کہ اس کا ترجمہ نہیں ہو سکتا یعنی معقول و مستحسن بات، جو چیز عرف میں داخل ہے، اور جس کو فطرت سلیم رکھنے والے سب بالاتفاق اچھا کہتے ہیں، اس کا جو حکم دے، اب ہر جگہ کا معروف الگ ہوگا، یہاں کا معروف یہاں کے لحاظ سے ہوگا، دوسرے مقام کا معروف وہاں کے لحاظ سے ہوگا "اومعروف او اصلاح بین الناس" عام طور پر قبیلوں، خاندانوں میں "افساد ذات البین" کا منظر نظر آتا ہے، یعنی آپس کے تعلقات کشیدہ ہیں، بستی بستی، گاؤں گاؤں، قصبے قصبے یہ بیماری پھیلی ہوئی ہے، خاص طور پر جہاں شرفاء آباد ہیں، کسی دل سوختہ

شاعر نے یہاں تک کہدیا کہ ؎

بہ ہر جا جمع می آیند سادات

فسادات، فسادات، فسادات

اس کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جہاں سادات جمع ہوں، پھر ماشاء اللہ سادات ہی سادات ہیں اور یوں بھی تشریح ہو سکتی ہے کہ پھر نا انصافیاں ہی ناانصافیاں اور جنگ وجدل ہی کا منظر نظر آئے گا۔

مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے، چور وہیں آتا ہے، جہاں مایہ ہوتی ہے، تو جو جتنا اونچا ہوتا ہے، اسی پر شیطان حملہ کرتا ہے، تو یہ سادات، شیوخ، صدیقی، فاروقی، انصاری، قریشی اور ان کی مختلف شاخیں عثمانی، علوی، عباسی جہاں ہوتے ہیں، ان میں شیطان بہت کامیاب ہو جاتا ہے، اس لئے کہ ان کو ایک دوسرے سے مکدر کرنے اور شاکی بنانے کا کام دوسروں کے مقابلہ میں آسان ہوتا ہے، ان کی حیثیتِ عرفی بلند ہوتی ہے، کچھ ان کی توقعات ہوتی ہیں، کچھ ان کی عادتیں ہوتی ہیں، کچھ وہ اپنا حق سمجھتے ہیں شیطان اسی راستہ سے آتا ہے، دیکھو فلاں نے تمھیں سلام ٹھیک سے نہیں کیا، وہ حقیر سمجھتے ہیں، مالی حالت کچھ کمزور ہو گئی ہے، اب وہ اس طرح جھک کر سلام نہیں کرتے، اب دل صاف نہیں ہے، ہمارے خاندان میں بھی ایسے جھگڑے ہو چکے ہیں کہ شادی میں نہیں ملتے تھے، غمی میں ملتے تھے، یہ ایک ذارسی شرافت کی بات تھی، بہت دنوں تک قصہ چلا پھر اللہ نے صلح ومحبت کی فضا پیدا کردی، یہ تین چیزیں ایسی ہیں یہ واقعی ہر جگہ مشترک ہیں، صدقہ، معروف، اصلاح بین الناس، ہر مقام کو ان کی ضرورت ہے، جہاں صدقہ بند ہو جائے، محبت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، ہنس کر بولنا بھی صدقہ ہے، میٹھی زبان رکھنا

اور خوش کلامی بھی صدقہ ہے، اگر کسی کا کوڑا گر جائے، اور وہ سواری پر ہو تو اٹھا کر اس کو دے دو یہ بھی صدقہ ہے، راستہ سے کانٹا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے صدقہ کی سیکڑوں قسمیں ہیں، ایک صدقہ کہہ دیا اس لئے کہ یہ سب پر حاوی ہے، یعنی خیر سگالی کا جذبہ، خیر خواہی اور مدد کا جذبہ، اس کے بغیر کوئی معاشرہ، کوئی اجتماعی زندگی اول تو وجود میں نہیں آسکتی اور اگر آئے تو رہ نہیں سکتی، اور پھر معروف "او اصلاح بین الناس " یہ قرآن ہی کہہ سکتا تھا، یہ آیت بھی معجزہ ہے، پورا تمدن انسانی، پورا معاشرہ انسانی اسی پر قائم ہے، صدقہ، معروف، اصلاح بین الناس آج ہر جگہ آپ دیکھیں گے کہ اس کے خلاف ہو رہا ہے، کہیں صدقہ کا دروازہ بند ہے، تو کہیں معروف کا دروازہ بند ہے، بگاڑنے والے، لڑانے والے پچاس اور ملانے والا ایک، مجھے الحمد للہ تجسس کی عادت نہیں کہ میں یہاں کے لوگوں سے پوچھتا کہ آپ کے یہاں کیا کمزوریاں ہیں، یا مجھے وہاں تقریر کرنا ہے مجھے بتا دیجئے تاکہ انھیں دکھتی ہوئی رگوں پر انگلی رکھوں، یہ طریقہ مصلحین کا بھی نہیں ہے، اور جو دین کا کام کریں، ان کا بھی نہیں ہے، ستر، پردہ پوشی اللہ کی صفت اور مومن کے اخلاق ہیں، مجھے نہ تفصیل معلوم ہے، نہ اجمالی طور پر کچھ علم ہے لیکن ہر بستی میں اسی کا اندیشہ ہوتا ہے، کئی مقامات پر اسی کی طرف توجہ دلائی، آج یہاں بھی یہی کہتا ہوں کہ ان تین چیزوں کا خیال رکھئے صدقہ، معروف، اصلاح بین الناس۔

چوتھی شرط اللہ نے یہ لگائی ہے، اس کار خیر میں نیت ہونی چاہئے رضائے الٰہی کی "وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ "ایک اچھا عمل، سیاسی اغراض سے بھی ہو سکتا ہے تمدنی اور مادی اغراض سے بھی ہو سکتا ہے، یہ سب اغراض ہیں، لیکن یہاں اللہ نے فیصلہ کر دیا، ومن يفعل ذلك ابتغاء مرضات الله فسوف نؤتيه اجرا عظيما "جو اللہ کی رضا کے لئے کام کرے اس میں ثواب ہے، یہ نہیں

کہ صاحب ہم کریں گے تو وہ بھی کرے گا اور اچھا ہے کہ اچھی زندگی گذرے گی، یہ نہیں، بلکہ خالص اللہ کی رضا کے لئے۔

آپ لوگوں کو شکر کرنا چاہئے کہ الحمد للہ یہاں ابھی تک مسجدیں قائم ہیں، اور یہاں تبلیغی جماعتیں بھی آتی ہوں گی، اور یہاں سے لوگ بھی نکلتے ہیں، ہمارے عارف اللہ صاحب بھی ماشاء اللہ بڑی دور دور گئے باوجود اتنی کمزوری کے، اور آئندہ کے لئے بھی دعوت دیتا ہوں کہ آپ اندور اور بھوپال سے رابطہ رکھیں۔

مکاتب کا نظام

اپنے یہاں بچوں کی تعلیم کا بھی انتظام کریں، ہر مسجد کے ساتھ مکتب ہونا چاہئے، ہمارے بچپن میں بڑا اچھا رواج تھا کہ گھروں میں بیبیاں پڑھاتی تھیں، بڑی بوڑھیاں یا بیوہ عورتیں جو پڑھی لکھی ہوتی تھیں، محلہ محلہ اس کا رواج تھا، بڑا فائدہ پہونچتا تھا اکثر بچیاں آتی تھیں، اور بچے بھی آتے تھے، اس کو بھی زندہ کیجئے اور باہر کی دنیا سے کٹئے نہیں، بزرگوں سے تعلق رکھئے، علماء کے مرکزوں میں جایئے، مدرسوں میں جایئے، اب اگر یہ بچے ہمارے یہاں ندوہ میں نہ جاتے تو کیا معلوم کیا بنتے، لیکن اگر یہ سلسلہ بند ہو جائے، اور اپنے اس خول میں آپ بند ہو کر رہ جائیں، پھر ترقی نہیں ہو سکتی، ترقی اسی طرح ہوتی ہے کہ باہر سے روشنی، طاقت اور رہنمائی حاصل کی جائے۔

میں زیادہ طول دینا نہیں چاہتا، آپ حضرات کی محبت کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جو کچھ کہا گیا، اس کے مؤاخذہ سے ہم لوگوں کو بچائے ہم پر اس کی ذمہ داری نہ آئے، اور قیامت میں آپ لوگوں کے سامنے ہم سب لوگوں کو جن کا تعارف کرایا گیا شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اخر دعوان الحمد لله رب العلمين .

نکاح، ایک عظیم ووسیع، مکمل و مسلسل عبادت

۲۶ر نومبر ۱۹۸۳ء بروز جمعہ
مدرسۃ الفلاح آزاد نگر اندور میں مولوی محمد
یحییٰ ندوی کے عقد کی تقریب میں، خطبۂ
نکاح کے موقع پر یہ تقریر کی گئی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نکاح، ایک عظیم ووسیع، مکمل ومسلسل عبادت

حمدہ وصلوۃ کے بعد۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (الانعام. ۱۶۲.۱۶۳) (یہ بھی) کہد و کہ میری نماز اور میری عبادت، اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خدائے رب العالمین ہی کے لئے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے، اور میں سب سے اول فرماں بردار ہوں۔

دو عبادتیں جن سے غفلت عام ہے

حضرات! ہمارے اس عہد اور ہمارے اس جوار کے ایک بڑے عارف باللہ حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالیؒ قدس اللہ سرہ نے ایک بات فرمائی جس کو میں نے دہرایا بھی، اور لکھا بھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی پوری گہرائیوں تک ذہن ابھی نہیں پہونچا تھا، اور اب بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ پوری گہرائیوں تک پہونچ گیا ہے، فرماتے تھے کہ دو عبادتیں ایسی ہیں کہ جن سے لوگ عام طور پر غافل ہیں، بلکہ ان کے عبادت کے ہونے سے بھی ناواقف ہیں، ان کو سرے سے عبادت ہی نہیں سمجھتے، ان پر عادت ہونے کی چھاپ اتنی غالب آچکی ہے کہ عبادت

ہونے کی حیثیت بالکل محجوب نہیں بلکہ غائب ہو گئی ہے، ان میں سے ایک نکاح ہے، ایک کھانا، یہ بات حضرت نے بہت سیدھے سادے طریقہ پر (جیسا کہ بزرگوں کا قاعدہ ہے) فرمایا، اس پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت نے بڑی گہری بات فرمائی۔

اول تو عبادت کا مفہوم سمجھ لیں، عبادت کا مفہوم کیا ہے، عبادت کا مفہوم ہے، کسی کام کو اللہ کی خوشی کے لئے، اللہ کے حکم کے مطابق، اس کے رسولؐ کی تعلیم کے مطابق اجر وثواب کی لالچ میں کرنا ، ہر وہ عمل جو اللہ کی خوشی کے لئے اور اتنا کافی نہیں ہے، بلکہ اللہ کے حکم اور شریعت کی تعلیم کے مطابق، اور اگر اس میں کوئی سنت ثابت ہے تو اس کی سنت کے مطابق اس کو ادا کرنا، اجر وثواب کی امید پر اور اس پر جو وعدے ہیں، ان پر یقین کے ساتھ انجام دینا عبادت ہے، اور یہ بات ہر عادت کو عبادت بنادیتی ہے، اور یہ روح نکل جائے تو ہر عبادت خالی عادت اور محض رسم، اور نفس کی پیروی رہ جاتی ہے۔

بڑی بڑی عبادتیں اور فرائض اس وقت تک عبادت رہتے ہیں جب تک آدمی ان میں مشغول ہے

ابھی یہاں آتے ہوئے اچانک ذہن میں یہ بات آئی کہ جتنی عبادتیں ہیں، وہ اپنے وقت کے ساتھ ہیں، اور تھوڑے عرصہ کے لئے ہیں، مثلاً نماز سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں، لیکن جب تک آپ نماز کے آداب کے ساتھ اللہ کے سامنے قبلہ رُخ کھڑے ہوئے ہیں تو آپ عبادت میں ہیں لیکن جیسے ہی آپ نے سلام پھیرا یہ عبادت ختم ہو گئی، روزہ بہت بڑی عبادت ہے، لیکن جب سے آپ نے روزے کی نیت کی اور روزہ شروع ہوا، صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک آپ نے روزہ

کے احکام و مسائل پر عمل کیا، آپ روزہ کی عبادت میں مشغول تھے، لیکن ادھر آپ نے افطار کیا، روزہ کی عبادت ختم ہو گئی، زکوٰۃ کا حال بھی یہی، آپ پر زکوۃ فرض ہوئی، اور آپ نصاب کے مالک ہیں، آپ نے مسئلہ کے مطابق زکوٰۃ نکالی، اپنے مال میں سے، اور کسی کے حوالہ کر دی، جب حوالہ کر دی تو زکوٰۃ کی عبادت ختم ہو گئی، سب سے بڑھ کر حج کا معاملہ ہے کہ سب سے زیادہ وقت اس میں لگتا ہے، سب سے زیادہ مجاہدہ اس میں ہوتا ہے، بڑی ہمت کی چیز، بڑی عزیمت کی چیز، اور بڑے مرتبہ کی چیز ہے، لیکن وہ بھی اس وقت ہے جب آپ نے احرام باندھا، اور حج کی نیت کی احرام کھولنے تک، اور حج کے آخری مناسک ادا کرنے تک، آپ حج کی عبادت میں مشغول ہیں، لیکن جیسے ہی آپ آخری مناسک سے فارغ ہوئے، آپ حج کی عبادت سے فارغ ہو گئے، میرے ذہن نے ابھی آتے آتے کام کیا کہ نکاح کی عبادت بھی عجیب ہے کہ یہ نکاح ایجاب و قبول کے بعد سے لے کر، سوتے رہیں آپ، جاگتے رہیں آپ، چلتے رہیں آپ، باتیں کرتے رہیں آپ، اس عبادت میں مشغول ہیں، یہ عبادت مستمر ہے، یہ عبادت طویل ترین عبادت ہے، اور اس میں حالات کا تغیر کوئی اثر نہیں ڈالتا، نماز میں حالات کا تغیر اثر پیدا کرتا ہے، مثلاً یہ کہ آپ بول دیئے، نماز کی عبادت ختم ہو گئی، لیکن یہ عبادت ایسی ہے، کہ اس میں بولتے رہئے تو نہ صرف یہ کہ یہ عبادت ختم نہیں ہوتی، بلکہ یہ عبادت اور مقبول ہو جاتی ہے، اس میں حکم ہے کہ اخلاق کے ساتھ پیش آؤ، اپنے گھر والوں کے ساتھ باتیں کرو، حضور ﷺ تو کہانیاں تک سناتے تھے، بخاری شریف میں ام زرع کی طویل اور مشہور حدیث ہے، یہ بات کبھی ذہن میں نہیں آئی کہ حضرت نے یہ جو فرمایا کہ یہ عبادت ہے تو یہ ایک ایسی مسلسل عبادت ہے، جس کی مثال مجھے ابھی نہیں مل سکی۔

جمالی وجلالی عبادت

بعض عباتیں جمالی ہی جمالی ہیں، بعض عبادتیں جلالی ہی جلالی ہیں، بعض عبادتیں وہ ہیں کہ جب تک مشغول و مصروف ہیں وہ عبادت ہے، قرآن مجید کی تلاوت عبادت ہے، زبان چلتی رہے، پڑھتے رہیں، آنکھ سے پڑھتے رہیں، اس وقت تک آپ مشغول، لیکن یہ ایسی عبادت ہے کہ اکثر عبادتوں کے تنوعات اس میں ہیں، یہ عبادت ایسی ہے کہ اس میں مختلف مزاجی کیفیات، اور ان مزاجی کیفیات سے کامیابی کے ساتھ گزر جانا، اور ان مزاجی کیفیات کو برداشت کرنا، اور جو اس میں مزاج کے خلاف باتیں پیش آئیں ان کا تحمل کرنا، سب عبادت ہے، تو نہ صرف یہ کہ یہ ایک طویل ترین عبادت ہے، مسلسل بلا انقطاع عبادت ہے، بلکہ بہت سی عبادتوں کے رنگ اس میں آگئے ہیں، اس میں جہاد کی عبادت بھی ہے، اس میں حج کا بھی نقشہ ہے، اس میں روزے کا پرتو بھی ہے، نماز کا عکس بھی ہے، تو سچی بات یہ ہے کہ حضرت نے بالکل القائی بات فرمائی، حضرت نے فرمایا، میں نے ایک شخص کو مجلس نکاح میں دیکھا کہ وہ سگریٹ پی رہا ہے، تو میں نے کہا کہ دیکھو ایک شخص نماز میں سگریٹ پی رہا ہے، لوگوں نے کہا کون ایسا بدبخت ہے، جو نماز کی حالت میں ایسی حرکت کر سکتا ہے؟ میں نے کہا یہ عبادت کا موقعہ ہے، سب لوگ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، متوجہ الی اللہ ہیں، اللہ، رسول ؐ کی باتیں سنیں گے، اور مسلمان ہستیوں کے بلکہ سچ پوچھئے تو دو خاندان دو زندگیاں اللہ کے لئے ایک دوسرے سے مربوط ہو رہی ہیں، اور شریعت کے مطابق، اور یہ اللہ کا بندہ یہاں سگریٹ پی رہا ہے، تو یہ تو عبادت کی مجلس میں سگریٹ پی رہا ہے، اس لئے کہ جہاں عبادت کی جائے، وہ جگہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت کے نزول کی ہوتی ہے، وہ موقع تفریح اور سگریٹ نوشی کا ہے؟

عجیب وغریب عبادت

یہ عجیب وغریب عبادت ہے کہ برسوں چلے گی، کھا رہے ہیں، جب بھی عبادت میں ہیں، سو رہے ہیں جب بھی عبادت میں ہیں، جاگ رہے ہیں، جب بھی عبادت میں ہیں، کما رہے ہیں، اور کما کر دے رہے ہیں جب بھی عبادت میں ہیں، اس کی تائید میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھو گے وہ بھی صدقہ ہے، وہ بھی عبادت ہے، اور یہاں تک فرمایا کہ انسان کے جو جنسی اور طبعی تقاضے ہیں ان کو پورا کرنا بھی عبادت ہے، پھر صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر فقیہ کون تھا، لیکن ان کو بھی اس وقت ذرا تامل ہوا سمجھنے میں، انھوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ وہ کیسے عبادت ہے! اس میں نفس کا تقاضہ پورا ہوتا ہے، انسان کے قلب کو اس کے دماغ کو سب کو فرحت حاصل ہوتی ہے تو اس کا حصہ تو مل گیا، قلب کو قلب کا حصہ ملا، دماغ کو دماغ کا حصہ ملا، جسم کو جسم کا حصہ ملا تو اس میں ثواب کیوں؟ فرمایا، اچھا اگر غلط جگہ، اور غلط طریقہ پر آدمی اپنا تقاضا پورا کرتا، تو گناہ ہوتا کہ نہ ہوتا؟ صحابہؓ نے کہا کہ ضرور، فرمایا تو اس پر تو گناہ ہو، اور اس پر ثواب نہ ملے، یہ اللہ کے انصاف سے بعید ہے۔

شریعت کا اعجاز

ابھی تک اس تقاضہ کو پورا کرنے میں کیوں دیر لگی؟ اللہ کا حکم نہیں تھا، وہ بیچ میں جو دیوار کھڑی تھی، حجاب کی، حرمت کی، غیریت کی، وہ دیوار بغیر اللہ کے حکم کے ہٹ نہیں سکتی تھی، نکاح پڑھایا گیا، ایجاب وقبول ہوا، نکاح پڑھانے والے نے کہا میں نے فلاں کو تمھاری زوجیت میں دیا، تم نے قبول کیا؟ اتنے مہر کے بدلہ، نوشہ نے کہ، ہاں، بس وہ دیوار فوراً ہٹ گئی، اس وقت تک ساری دنیا، اس دیوار کو

ہٹانا چاہے، یعنی اس وقت روس اور امریکہ بھی اس دیوار کو ہٹانا چاہیں تو نہیں ہٹا سکتے، اس کو تو ایک کلمہ ہٹائے گا کہ ہاں قَبِلتُ میں نے قبول کیا، اردو میں کہئے، ہندی میں کہئے، انگریزی میں کہئے، لوگ سمجھیں کہ اس نے کہا اور قبول کیا، یہ شرط ہے کہ لوگ بھی سمجھیں کہ ہاں ایجاب و قبول ہو گیا، وہ دیوار پاش پاش ہو گئی، دیوار دھواں ہو کر اڑ گئی، اب اس دیوار کو کوئی دوسرا کھڑا نہیں کر سکتا، نہ وہ حکومتیں اور طاقتیں اس دیوار کو ہٹا سکتی ہیں، نہ وہ حکومتیں اور طاقتیں اس دیوار کو بیچ میں لا سکتی ہیں، یہ صرف اللہ کے حکم کی طاقت ہے شریعت کی مسیحائی اور اعجاز نمائی۔

شریعت محمدی اب بھی جوان ہے اور اس کی حکومت قائم

مجھے حضرت مسکین شاہ صاحب حیدرآبادی کی ایک بات بہت پسند آئی، میں نے سنا کہ ایک بڑی بی، حضرت کے پاس بیعت ہونے کے لئے آئیں، عمر ۷۰۔۷۵ سال کی، حضرت کی عمر بھی ایسے ہی، تو انھوں نے کہا بی بی بیٹھو ایک طرف پردہ میں، اور چادر دے دو، ایک سرا آپ پکڑ لیجئے، انھوں نے کہا، میاں آپ بھی بوڑھے، میں بھی بوڑھی، آپ بھی ۷۰۔۷۵ سال کے، اور میں بھی ۷۰۔۷۵ سال کی تو پردہ کاہے کا؟ فرمایا ہاں، بی بی، ہم بھی بوڑھے، تم بھی بوڑھی، لیکن رسول اللہ ﷺ کی شریعت جوان ہے، میں کیا کروں، محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت جوان کھڑی ہے، مجھے اس سے شرم آتی ہے، تو بھی یہ شریعت جوان ہے، اور یہی شریعت آج بھی ہم پر حکومت کر رہی ہے، یہ اتنے سب آدمی اسی کے حکم پر چل رہے ہیں، اللہ کے فضل و کرم سے کہ جب تک یہ ایجاب و قبول نہ ہو، شرعی طریقہ پر نکاح نہ ہو، مجال نہیں، کہ مرد عورت کا سایہ بھی دیکھ سکے، آج

بھی ہمارے گھروں میں ایسا پردہ ہے، خدا کے فضل سے کہ پرچھائیں نہیں پڑسکتی، کسی غیر مرد کی، سب سے خون کا رشتہ ہے، اور یقیناً یہاں بھی رشتہ ہوگا اور ہر جگہ ہے، اور عام طور پر قرابتوں میں شادیاں ہوتی ہیں، لیکن جب تک کہ شریعت بیچ میں نہ آجائے، جو جوان ہے، جس کی حکومت اب بھی ہے، کوئی کچھ کہے ہماری حکومت ہے، ہماری حکومت ہے، لیکن سچ پوچھئے تو شریعت محمدیؐ کی حکومت ہے، وہ جیسی حکومت ہے، کیا روس کی حکومت ہوگی؟ کیا امریکہ کی حکومت ہوگی؟ یہاں ہے کوئی کسی حکومت والا، کون یہ سب کرا رہا ہے، کون اتنے آدمیوں کو اتنی دور سے بلا کر لایا ہے، کس نے اتنے آدمیوں کو سب کام چھڑا کر یہاں بٹھایا ہے، کس نے اس بچہ کو ابھی تک روکے رکھا، کس نے اس بچی کو اس سے دور رکھا، یہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت ہے، اس سے بڑھ کر حکومت کسی کی ہو سکتی ہے، ہوتی ہو تو بتادے، ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ لوگ دیوار کے پیچھے آئے، اور گالیاں دینی شروع کردیں، اور حکموں کو ایسا توڑتے ہیں، مسلتے ہیں، پاؤں سے روندتے ہیں، کیا حکومتوں کے آج قانون نہیں توڑے جا رہے ہیں، کون سا قانون ہے جو پورے طور پر چل رہا ہے، لیکن آج بھی اللہ کے فضل وکرم سے کروڑوں انسان رسول اللہ ﷺ کی بات مان رہے ہیں، اور آپ کی شریعت پر چل رہے ہیں، اور جیسے نکاح یہاں ہو رہا ہے، ایسے ہی مراکش میں، اور ایسے ہی الجزائر میں، اور ایسے ہی امریکہ میں، خدا کے فضل وکرم سے وہاں بھی مسلمان رہتے ہیں، کیا مجال کہ کوئی مسلمان جس کے اندر ایمان ہے، وہ وہاں امریکہ کے قانون کے مطابق سول میرج کرلے، کوئی شادی ویسے ہی کرے، وہ کرے گا تو ویسے ہی کسی مولوی کو ڈھونڈ کر لائے گا، کسی تبلیغی آدمی کو لائیگا، اور مجلس ہوگی، اور سو پچاس آدمیوں کے سامنے نکاح پڑھایا

جائیگا، یورپ میں بھی ایسا ہی ہو رہا ہے، کس کی ایسی حکومت ہے کہ وہ خشکی اور تری پر، شمال اور جنوب پر، امیر وغریب پر، بوڑھے اور جوان پر، مرد وعورت پر، ہر ایک پر اس کی حکومت ہو، اللہ کا دین زندہ ہے، اور اللہ کا رسولؐ اپنی قبر مبارک میں بھی زندہ ہے، اور اس کی شریعت اس دنیا میں بھی زندہ ہے، یہ معجزہ ہے، اور یہ بات اور یہ طاقت صرف شریعت ہی میں ہے، اور کسی چیز میں نہیں، اس ازدواجی زندگی میں بھی ایسے مرحلے آتے ہیں کہ بعض مرتبہ آدمی بالکل اس کا جی چاہتا ہے کہ اس وقت کچھ کر گزرے غصہ اتار دے، وہ حقوق کا خیال نہ کرے، حقوق کو پامال کر دے، اور دیکھا جائیگا جو کچھ ہوگا، لیکن شریعت روکتی ہے، نہیں یہ عبادت ہے، پھر اس کے اندر کہیں مرضی کے خلاف کھانا مل رہا ہے، کہیں مرضی کے خلاف کوئی بات ہو رہی ہے، سب برداشت کر رہا ہے، تو یہ عبادت نہیں، عبادت کا مجموعہ ہے، اور اس میں درجنوں عبادتوں کے نمونے موجود ہیں، اور ان کے عکس موجود ہیں، اس لئے یہ بڑی مبارک عبادت ہے۔

محبوب سنت

پھر اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی محبوب سنت ہے، اس لئے کہ یہ وہ سنت ہے، جس میں حضور ﷺ کو تمام امت کے مقابلہ میں زیادہ اختیار دیا گیا ہے، اور یہ نہیں کہ ہم آپ پر پانچ وقت کی نماز فرض تھی، حضور ﷺ پر چھؔ وقت کی ہو، ایسا نہیں، ویسے تہجد آپؐ ایسی پڑھتے تھے، ایسی پابندی کرتے تھے، جیسے گویا فرض ہے، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کے لئے وہ فرض ہی تھا، لیکن مسئلہ کے اعتبار سے، شرعی اعتبار سے وہی پانچ وقت کی نمازیں آپ کے لئے بھی تھیں، ہمارے لئے بھی ہیں، لیکن نکاح کی وہ سنت ہے کہ آپ کو ہم سے زیادہ بیویاں رکھنے کا

اختیار تھا، اور امت کا عقیدہ ہے اس پر، اور یہ امت کی ان چیزوں میں ہے جن کا ثبوت قطعی اور متواتر طریقہ پر ہو چکا ہے، تو یہ ایسی سنت ہے کہ جس میں حضور ﷺ کا حصہ امت کے مقابلہ میں بھی زیادہ ہے، اس سے آپ سمجھ لیجئے کہ یہ محبوب سنت ہے، محض ایک چہل پہل، رونق یا اپنی شان وشوکت کا اور اپنی دولت کا اظہار (جیسے بعض جگہوں پر ہوتا ہے) مقصود نہیں ہے، یہ خالص عبادت ہے۔

وسیع ومتعدی ثواب

اس کو عبادت سمجھ کر کرے تو انشاء اللہ نوشہ کو بھی ثواب، اس کے سرپرستوں، بزرگوں اور افراد خاندان کو بھی ثواب، اور بچی کے گھر والوں کو بھی ثواب، اور اس میں حصہ لینے والوں کو بھی ثواب، اس میں آنے والوں کو بھی ثواب، اور بیٹھنے والوں کو بھی ثواب، اور گواہ بننے والوں کو بھی ثواب، اور سب کو ثواب، یہ ایسی متعدی اور وسیع دائرہ کی عبادت ہے کہ جو اس شامیانہ کے نیچے آجائے، یہ شامیانہ مراد نہیں، یہ بھی اچھا ہے، لیکن وہ عبادت کے شامیانہ کے نیچے، شادی کے شامیانہ کے نیچے، وہ سب اس ثواب کے کام میں شریک ہیں، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، البتہ نیت صحیح ہونی چاہئے، اور شریعت کے احکام کو ڈھونڈھنا چاہئے، آپ کی معاشرت کا، آپ کے گھر کی زندگی، اہل بیت کی زندگی کا مطالعہ اہتمام کے ساتھ ہونا چاہیے، ان سب چیزوں کے اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

صلی اللہ علیہ وسلم